تاریخ

قبیلہ کیٹھوال



صبیر ستی

تاریخ

قبیلہ کیٹھوال

صبیر ستی

کوہسار رائٹرز فورم کوٹلی ستیاں



حاجی راجا محمد اکرم



راجا محمد افتخار احمد



روضہ مبارک حضرت سادیؒ سرکار



اِکری (قبیلہ کیٹھوال کا ہمسفر پھول)

سرِورق: اَبْ پہاڑ

جملہ حقوق بحقِ مؤلف محفوظ ہیں

''کتاب کے مندرجات کا مؤلف اور کتاب کا حوالہ دیے بغیر شائع کرنا یا تقریر و تحریر میں لانا اخلاقی اور قانونی جُرم ہے''۔

نام کتاب ـــــــ تاریخ قبیلہ کیٹھوال

مؤلّف ـــــــ صبیر ستی ایڈووکیٹ

طبع اوّل ـــــــ 2007ء

کمپوزنگ ـــــــ جاوید اقبال ستی

اہتمام ـــــــ راجا محمد افتخار احمد

قیمت .....-/200روپے

انتساب

حاجی راجا محمد اکرم کیٹھوال

جن کے

ہزاروں شاگرد پَل پَل اُن کی

مغفرت کے لئے دُعا گو

رہتے ہیں۔

تشکّر

حاجی راجا محمد افتخار احمد اپنے والدِ مرحوم کی زندگی کتابی پیکر میں محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ جب اُنہیں یہ خبر ہوئی کہ والدِ گرامی کی زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ قبیلہ کیٹھوال کی تاریخ مرتب ہونی چاہیے تو اُنہوں نے مرحوم و مغفور کی خواہش پوری کرنے کے لئے تاریخِ کیٹھوال کی تالیف وترتیب کی مالی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔

یہ افتخار صاحب کی اپنے قبیلے سے سچی لگن ہے کہ ''تاریخِ کیٹھوال'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مؤلف کو اگر موصوف کی سرپرستی اور مالی اعانت حاصل نہ ہوتی تو جانے کب تک قبیلہ کیٹھوال محتاجِ تعارف رہتا۔

مؤلّف

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ کیٹھوال مرتب کرتے ہوئے میرے سامنے اِس قبیلے کے بارے میں کسی طرح کی کوئی تحریر نہ تھی۔ حتی الوسع کوشش کی مگر کہیں سے اور کسی سے کوئی تحریری ریکارڈ یا قلمی ثبوت نہ مل سکا۔ پھر بھی میں اِس قدیم قبیلے کے بارے میں کُچھ لکھنا چاہتا تھا اور اپنی اِس خواہش کی تکمیل کے لئے میں نے روایت اور پرانے لوگوں کی بھولی بسری یادوں کا سہارا لیا۔ الحمدُ لِلّٰہ میری کوشش رائیگاں نہیں گئی۔

کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں قبیلے کی تاریخ ہے اور حصہ دوم میں شجرہ جات ہیں۔ حصہ اوّل میں تاریخی واقعات 55-1940ء کے دور میں رہتے ہوئے اُس زمانے کے لوگوں کی سوچ کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ آج کے قاری یہ ذہن میں رکھیں کہ وہ اپنے اجداد کے دَور میں ہیں، جب روایت زندہ تھی اور رسم ورواج کا سماجی زندگی میں مقام واحترام تھا۔ روایت اور ریت اس کتاب کے بنیادی مآخذ ہیں۔

حصہ دوم میں شجرہ جات ہیں جو زبانی وقلمی کے علاوہ بندوبست ہائے اراضی 1860، 1884، 1905 اور 1956 کے مطابق ہیں۔ بعض خاندانوں کے شجرے پوری کوشش کے باوجود نہیں مل سکے جو نامکمل رہ گئے ہیں۔ شجروں میں اصل نام لکھے گئے ہیں جو دَور کے رواج کے مطابق تھے۔ ترمیمی نام لکھنے سے گریز کیا گیا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے شجروں کی تاریخ متاثر ہوتی تھی۔

1940-55ء کے دَور میں کیٹھوال سماج کی صرف وہ تصویر پیش کی گئی ہے جو علاقائی اثرات کی زد سے محفوظ ہے۔ منفرد اور ممیّز رسم ورواج کا تذکرہ اِس لئے کیا گیا ہے تاکہ اِس قبیلے پر تحقیق کرنے والے اِس قبیلے کی قدامت تک پہنچ سکیں۔

قدیم ایران کی تاریخ کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے کیونکہ قبیلے میں سینہ بہ سینہ چلنے والی قدیم ترین اور معروفِ عام روایت کے مطابق قبیلہ کیٹھوال کے اسلاف کا تعلق سکندر ذوالقرنین کے خاندان سے ہے۔ اس واحد روایت کے علاوہ قبیلے کی ابتدا اور نسبی تعلق کے بارے میں دیگر کوئی روایت یا شہادت موجود نہ ہے۔ اِس لئے آج سے تقریباً ستر سال پہلے بڑے بوڑھوں کی صدیوں پرانی نسل درنسل اور سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی روایت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

کتاب کی تالیف کے دوران جن اصحاب نے میرے ساتھ سفر کیا، معلومات فراہم کیں اور حوصلہ دیا اُن سب کا دِل کی گہرائی سے مشکور وممنون ہوں اور جن اصحاب نے شخصی بے حسی کا ثبوت دیا مجھے اُن سے بھی کوئی گِلہ نہیں۔

اِس کتاب کو علمی اور قلمی اغلاط سے پاک رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔ تاہم انسانی کارکردگی میں بہرصورت اصلاح کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جہاں کہیں لغزش یا فروگذاشت محسوس کریں وہ مجھے ضرور آگاہ کریں۔

ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ

صبیر ستی

حاجی راجا محمد اکرم مرحوم و مغفور

''یہ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے''

سوانحی خاکہ

تاریخ پیدائش: 8 مارچ 1908ء

گاؤں: دھیرکوٹ کیٹھوالاں

پرائمری تعلیم: ڈسٹرکٹ بورڈ پرائمری سکول دھیرکوٹ 1925-1921ء

ورنیکلر مڈل سٹینڈرڈ: ڈی۔بی مڈل سکول گلہڑہ گلی 1929-1925ء

جے۔وی کورس: گورنمنٹ نارمل سکول گجرات 1931-1930ء

ایس۔وی کورس: گورنمنٹ نارمل سکول لالہ موسیٰ

تدریس: 1929ء تا 1968ء

تاریخ وفات: 26-06-1998

تدریسی فرائض

ڈسٹرکٹ بورڈ پرائمری سکول سانج۔پڑھنہ

ڈسٹرکٹ بورڈ لوئر مڈل سکول دھیرکوٹ۔ملوٹ ستیاں۔کہوٹی۔کنگر (گوجرخان)

ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول بن۔کوٹلی ستیاں۔کرور۔ڈھانڈا۔ملوٹ

گورنمنٹ مڈل سکول دھیرکوٹ

نامور شاگرد

صوفی راجا عبدالعزیز (مرحوم) وائس پرنسپل

حاجی ضیاءالحق پرنسپل

راجا شکر محمد ہیڈ ماسٹر

محمد اعظم ستی ایڈووکیٹ

محمد اسماعیل ایڈووکیٹ

راجا جاوید اختر ناصر ایڈووکیٹ

لفٹیننٹ کرنل شیر افضل ستی کوڑینہ

لفٹیننٹ کرنل محمد یوسف ستی ملوٹ ستیاں

کمانڈر اللہ دتہ ستی کوڑینہ

میجر رب نواز دھیر کوٹ

مرزا محمد مبارک پرنسپل

راجا ضیاءالحق ہیڈ ماسٹر

راجا محمد اختر ہیڈ ماسٹر

راجا عبدالعزیز ایڈووکیٹ

محمد عادل ستی ایڈووکیٹ

محمد بشیر ستی ڈپٹی سیکریٹری

لفٹیننٹ کرنل محمد رزاق ستی دھیر کوٹ

میجر علی شان ستی کوڑینہ

میجر پیر محمد (شہید) دھیر کوٹ

تاثرات

پُر وقار شخصیت

حاجی راجا محمد اکرم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ جس منصوبے پر کام کرنے کا ارادہ باندھ لیتے اُس کے نشیب و فراز پر خوب سوچ بچار کرتے اور جب میدانِ عمل میں اُترتے تو عوامی طاقت کا تعاون اُن کے ساتھ ہوتا تھا۔ عوامی نمائندگان، سماجی کارکن اور معززین علاقہ جب بھی کوئی رفاعی اور فلاحی کام شروع کرتے تو آپ رضا کارانہ اُن کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔ بوائز اور گرلز ہائی سکولوں کے اجراء اور کامیاب کرنے میں آپ کی کاوش کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

حاجی صاحب ایک پُر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کا لباس علاقائی ثقافت کا مظہر اور طور طریقے نپے تُلے تھے۔ دوستوں کے مخلص اور قابلِ اعتماد دوست تاہم دشمنوں کے بارے ہمیشہ نیک توقعات رکھتے تھے۔ اُن کے مفید مشورے دانشمندانہ اور ہمدردانہ ہوا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اِس نیک انسان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام مرحمت فرمایا جائے۔

لفٹیننٹ کرنل (ر) عبدالرزاق ستی

7-8-1998

ہمدرد انسان

میں بچہ تھا۔ باپ کے سایہ سے محروم ہو گیا۔ دو ہاتھ آگے بڑھے۔ اگلے لمحے ایک گود میں تھا۔ میرے ماتھے پر نرم نرم بوسے اور میرے چہرے پر گرم گرم اتھرو ٹپک رہے تھے۔ مجھے اُس گود کی حِدت اور اُن ہونٹوں کی لمس آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ بچپن گزرا، جوانی آئی اور پھر ذمہ داری کا دور آیا۔ یقین کیجئے ہر مرحلے میں مجھے ایک ہمدرد سرپرستی حاصل رہی۔ جب کبھی کوئی مشکل آن پڑی اُنہوں نے مجھے حکیمانہ تدبیر کا مشورہ دیا۔

آج راجا محمد اکرم خان ہمارے بیچ نہیں۔ اُنہیں مرحوم لکھتے ہوئے میری اُنگلیاں کپکپا رہی ہیں۔ ایسے لوگ کب مرتے ہیں جو دوسروں کو اپنی زندگی میں حصہ دار بنا لیتے ہیں، دُکھ بانٹ لیتے ہیں اور دوسروں کا درد پوری شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔

راجا صاحب معنوی اور محاوری روپ میں ایک معلّم تھے۔ اُن کی تدریس اتنی مؤثر تھی کہ ذہنی طور پر ہر سطح کا طالب علم مستفید ہوتا تھا۔ اُنہوں نے اپنی ساری مہارتیں نیابتِ فیاضی سے اپنے طلباء میں منتقل کر دیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آج اُن کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے اور سینکڑوں معلمین اُن کے تدریسی مشن کو اُنہی کے انداز میں آگے بڑھا رہے ہیں۔

موصوف تعلیم عامہ پر یقین رکھتے تھے۔ اپنے دَور میں اُنہوں نے ذاتی اثر ورسوخ کے تحت دھن گراں، ڈونگا گھیتر، چلاورہ، پتریانہ اور دھیر کوٹ کیٹھوالاں میں پرائمری سکول اجراء کروائے۔ دھیر کوٹ میں بوائز اور گرلز مڈل سکول اور ہائی سکول کے قیام میں اُن کی انتھک کاوشوں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ راقم نے جب دھیر کوٹ ہائی سکول میں امتحانی سنٹر قائم کروانے کی کوشش شروع کی تو آپ ہر قدم میرے راہنما اور سرپرست رہے۔ پنشن پا جانے کے بعد بھی سکول کے معاملات میں اُن کا پُرخلوص تعاون مجھے ہر دم حاصل رہا۔ گاؤں کے فلاحی اور رفاعی کاموں میں آخری دم تک اُن کی دلچسپیاں قائم رہیں۔

المختصر محترم راجا صاحب ایک بہترین معلم، مثالی منتظم، دُور بین سیاستدان اور سچے سماجی کارکن تھے۔ ہزاروں شاگردوں کے ہمراہ دِل کی اتھاہ گہرائی سے دُعا گو ہوں کہ اُن کی نیک زندگی کا دائمی زندگی میں بے حساب اجر ملے۔ آمین

راجا محمد اختر
ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول دھیر کوٹ

مجسّم صفاتِ انسان

راجا محمد اکرم خان ایک مثالی معلم، باتدبیر منتظم، دوراندیش انسان اور معاملہ فہم سماجی کارکن تھے۔ دستار، گفتار، اور رفتار میں بلامبالغہ معتدل اور پُر وقار شخصیت کے مالِک تھے۔ اُن کی زندگی کا ہر رُخ ممتاز اور ہر عمل قابلِ تقلید تھا۔

میرے نزدیک وہ چلتے پھرتے ایک مؤثر مبلغ تھے اور لوگ بے ساختہ اُن کے قول اور فعل کی پیروی کرتے تھے۔ وہ حاجت مندوں کی حاجت اِس انداز سے پوری کر دیتے تھے کہ کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کے سر پر ہاتھ رکھنے والے حاجی محمد اکرم آج اِس دُنیا میں نہیں مگر اُن کے شب و روز کے احسن کام اور بے لوث نیکیاں ایک طویل دور تک یاد رکھی جائیں گی۔ میں خود یتیمی اور غریبی کی آزمائش سے گزرا۔ جب بھی تنگ دستی ہوئی حاجی صاحب نے نہایت ہی خاموشی سے ہماری ضروریات پوری کر دیں۔

راجا صاحب راولپنڈی ایجوکیشن ریجن Region میں اپنے دَور کے نامور اور کامیاب ترین اساتذہ میں شامل رہے۔ اُن کے سکول کے سالانہ نتائج کبھی بھی شاندار سطح سے نیچے نہیں رہے۔ اُن کی تدریس اور تربیت اتنی مؤثر تھی کہ آج بھی اُن کے شاگرد اساتذہ اُن کے طریقۂ تدریس اور نظم وضبط کو اختیار کرتے ہوئے کامیاب مدرس تسلیم ہو رہے ہیں۔ موصوف اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں جس بھی ادارے میں گئے اپنے مخصوص اندازِ فکر اور منفرد طریقۂ تدریس کے پابند رہے۔ اساتذہ کی بہبود کا خاص خیال رکھا، طلباء کو پدرانہ شفقت دی اور والدین سے مکمل رابطہ رکھا۔ اِن صفات کی بدولت وہ جہاں بھی رہے عوام کا اُنہیں سچا احترام حاصل رہا۔

راجا محمد اکرم پنجاب ٹیچرز یونین کے فعال اور مخلص کارکن تھے۔ اساتذہ کے حقوق کی خاطر ہمیشہ مجلسِ عمل کے سرگرم رُکن ہوا کرتے تھے اور یونین کی تحریکوں میں صفِ اول میں دیکھے جاتے تھے۔ بے شک بہتر انسان وہی ہوتے ہیں جو دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

راجا ضیاء الحق (مرحوم) سابق ہیڈ ماسٹر
فیڈرل گورنمنٹ ہائی سکول چھتر اسلام آباد

بابائے اساتذہ

حاجی راجا محمد اکرم خان نے بروز جمعہ 26 جون 1996ء اکیانوے سال کی طویل عمر میں وفات پائی۔ اُن کا اکیڈمک کیریئر شاندار اور پروفیشنل کیریئر قابلِ تقلید رہا ہے۔ کم وبیش چالیس سالہ سروس میں 31 برس اول مدرس، سنیئر مدرس، اور رئیسِ مدرسہ کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ اُن کی تدریس سے فیضیاب ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ سینکڑوں کامیاب معلّم بنے۔ سول اور ملٹری افسران کی بھی خاصی تعداد ہے اور دیگر شعبہ جات میں شہرت پانے والے آج بھی اپنی کامیاب زندگی کی وجہ اپنے اُستاد کی تعلیم وتربیت مانتے ہیں۔

حاجی صاحب تدریس کو ایک مقدس فریضہ مانتے تھے اور اپنے تدریسی فرائض میں کوتاہی کو ایک ناقابلِ معافی گناہ کہا کرتے تھے۔ کئی موقعوں پر اُنہیں یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مسجد اور مدرسہ دونوں مقدس اور لازم وملزوم ہیں۔ دونوں دینی اور دنیوی تعلیم وتربیت کے ادارے ہیں اور اِن میں بنیادی سیرت سازی ہوتی ہے۔

حاجی صاحب ٹیچروں کے مفادات کی تحریکوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ پنجاب ٹیچرز یونین مری کے بانیوں میں شمار ہیں۔ متعدد بار صدارت اور نظامت کے عہدوں پر فائز رہے۔ ضلعی یونین کی مجلسِ عاملہ میں اساتذہ کے مفادات کی اُنہوں نے ہمیشہ سچی اور مؤثر ترجمانی کی۔ ضلعی اور تحصیل کی سطح پر اُن کی نمائندگی اور مشاورت قابلِ بھروسہ شمار کی جاتی تھی اور اساتذہ کا اُنہیں ہمیشہ اعتماد اور تعاون حاصل رہا ہے۔

سیاسی طور پر راجا صاحب سچے اور پکے مسلم لیگی تھے۔ قائدِ اعظم، علی برادران اور علامہ اقبال کو اپنا راہنما مانتے اور طلباء کو اُن کی پیروی کرنے کا درس دیتے رہے۔ ضلعی سطح پر مسلم لیگی قیادت اُن کی رائے کا احترام کرتی تھی۔ راجا حسن اختر، مولوی سراج الحق، خواجہ محمود احمد منٹو اور راجا ظفر الحق کے مخلص دوستوں میں شمار تھے۔

حاجی صاحب مرحوم پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے مرید تھے۔ جب بھی فرصت ملتی وہ دربار شریف میں حاضری دیتے اور اپنی ذہنی پریشانیوں میں شفاء پاتے۔ پیر صاحب کی شاعری کے پرستار تھے اور اُن کے شعر گنگنایا کرتے تھے۔ قوالیوں کے بہت شوقین تھے۔ کبھی کبھی قوالیاں سننے

کے لئے خصوصی طور پر گولڑہ شریف چلے جایا کرتے تھے۔

پنشن پانے کے بعد اکثر اوقات گاؤں کے اصلاحی اور فلاحی کاموں میں صرف کیا کرتے تھے۔ جامع مسجد کی تعمیر نو اور توسیع میں اُن کی کاوشیں شامل ہیں۔ گاؤں کی رفاعی ضرورتوں کا اُنہیں ہر دم احساس رہتا تھا اور اِس غرض کے لئے وہ متعلقہ محکموں میں درخواستیں بھیجتے اور افسران سے ہمیشہ رابطہ میں رہتے تھے۔

حاجی صاحب کی دو بیویوں سے اولاد ہے۔ اِس وقت چھے بیٹے اور چھے بیٹیاں بقیدِ حیات ہیں۔ بڑا بیٹا ہونے کے ناطے میں موصوف کی جوانی، بڑھاپے اور ضعیفی دور کا شاہد ہوں۔ اُنہوں نے اپنی طویل زندگی کی بے شمار خوبصورت یادیں اپنی اولاد کو ورثے میں دی ہیں۔ میں نے اُن کے ماتھے پر کبھی شکن نہیں دیکھی اور قہقہے لگاتے بھی نہیں سُنا۔ وہ ایک وضعدار شخص تھے۔ گھر اور باہر، جلوت اور خلوت ہر حال میں پُر وقار، مہذب اور مؤدب رہنے کے عادی تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

حاجی محمد سعید احمد دھیر کوٹ کیٹھوالاں

قابلِ تقلید شخصیت

مجھے مرحوم کی تلامذہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ 1946ء میں ورنیکلر مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر بن کر ہمارے سکول میں آئے۔ اِس سے قبل وہ اِس سکول میں فرائض انجام دے چکے تھے۔ لوگ اُن کی اچھی تدریس اور بہترین نظم وضبط کے گرویدہ تھے۔ حاجی صاحب مرحوم دھیر کوٹ کیٹھوالاں سے پیدل چل کر وقت سے پہلے ملوٹ ستیاں سکول میں پہنچ جاتے تھے۔ اساتذہ وتلامذہ اپنے صدر معلم کی پیروی کے پابند تھے۔

حاجی صاحب مرحوم سنیئر کلاسز کو ریاضی خود پڑھاتے تھے۔ سردیوں کی تعطیلات میں آٹھویں جماعت کے طلباء کو مڈل سٹینڈرڈ امتحان کی تیاری کے لئے سکول میں حاضر رکھتے تھے۔ اس دوران متعلقہ ٹیچرز دن رات طلباء کو پڑھاتے اور تیاری کرواتے تھے۔ نادار بچوں کے اخراجات اساتذہ مل کر برداشت کرتے تھے۔ وظیفے اور فائنل امتحان کے نتائج ہمیشہ توقع سے بڑھ کر نکلتے

تھے۔ مرحوم طلباء کو اپنے بچے سمجھتے تھے۔ جب کوئی بچہ بیمار پڑ جاتا تو اُس کی عیادت کیلئے اُس کے گھر پہنچ جایا کرتے تھے۔ والدین سے مکمل رابطہ رہتا اور غریب بچوں کے واجبات اور کتابوں کے اخراجات کا خاموشی سے اہتمام کرلیا کرتے تھے۔

راجا صاحب مرحوم کے ہزاروں شاگردوں میں میں بھی شامل تھا وہ باپ کی طرح شفیق اور مہربان تھے۔ اپنے طلباء کی ہر ضرورت کا وہ ذمہ دارانہ خیال رکھتے تھے۔ سکول کے نظم ونسق اور تدریس کے معاملات میں وہ بہت باضابطہ اور قدرے سخت گیر تھے مگر مدرسہ کی تعمیر وترقی اور فلاح وبہبود میں اساتذہ کے تعاون اور علاقائی معززین کی مشاورت پر سچا یقین رکھتے تھے۔ اُن کی تدریس اتنی مؤثر تھی کہ اُن کے پڑھائے مضامین آج بھی مجھے یاد ہیں۔ یہ اُن کی بنیادی تدریس اور تربیت کا اثر ہی ہے کہ اُن کے شاگرد ہر شعبہ زندگی میں کامیاب نظر آرہے ہیں۔ میں اُن کی زندگی کے آخری دور میں بھی ملاقات سے مستفید رہا ہوں۔ جب بھی کچھ دیر ساتھ بیٹھنے کا موقع ملتا وہ اپنے شاگردوں کے نام لے لے کر اُنکے احوال پوچھتے تھے۔

سیاسی طور پر راجا محمد اکرم پکے اور سچے مسلم لیگی تھے۔ وہ روزنامہ ''زمیندار'' اور بعد ازاں ''نوائے وقت'' کے مستقل قاری تھے۔ تحریکِ پاکستان کے واقعات اپنے طلباء کو بڑے مؤثر انداز میں سُنایا کرتے تھے۔ جب قائدِ اعظم کی وفات ہوئی تو موصوف نے ملوٹ ستیاں مڈل سکول کی گراؤنڈ میں ایک بڑے جلسے کا اہتمام کیا جس میں علاقائی معززین اور اکابرین نے شرکت کی اور قائدِ اعظم کی جدوجہد کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہر سال قومی تقریبات منانے کا خصوصی انتظام کرتے تھے اور والدین کے علاوہ عوام کو بھی شرکت کی دعوت دیا کرتے تھے۔

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مرحوم پکے مسلمان، سچے پاکستانی اور بے لوث سماجی کارکن تھے۔ وہ عمدہ تعلیم اور اچھی تربیت کے ذریعے علاقائی بچوں کو ترقی پذیر ہوتے دیکھنا چاہتے تھے اور اس مشن میں وہ ایک حد تک کامیاب رہے۔ ہزاروں شاگردوں کی پُرخلوص دُعاؤں کے ساتھ میری دُعا بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنی خصوصی رحمت سے نوازے۔ آمین

محمد عادل ستی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

ترتیب

حصہ اوّل ..... تاریخ

باب۔۱ **زیرو پوائنٹ** ..... صفحہ ۴ تا ۱۳

تاریخ کا اندازِ فکر۔ ماضی پر مٹی ڈالو

ایک رکاوٹ۔ پرانے زمانے

باب۔۲ **لوک داستانیں** ..... صفحہ ۱۴ تا ۳۵

ایک رات کی بات۔ داستان ۱

داستان ۲ ۔ داستان ۳

باب۔۳ **آثارِ پارینہ** ..... صفحہ ۳۶ تا ۵۰

مٹتے آثار۔ قدیم بستیاں۔ قدیم جیران

باب۔۴ کیٹھوال تمدّن.....صفحہ ۵۱ تا ۸۶

چند سوال۔منفرد رسم ورواج۔ اوہام۔سماجی ترکیب دیہی نظام۔نسبی رشتے۔وراثت۔ طبعی انفرادیت زبان۔ معروف نسبی سلسلے (طوالت)

باب۔۵ تلاش.....صفحہ ۸۷ تا ۱۱۹

آرین۔ ہخامنشی کا عروج وزوال۔ ہخامنشی تمدّن

باب۔۶ یافت ومتفرق.....صفحہ ۱۲۰ تا ۱۳۷

کیٹھوال ہخامنشی خاندان کی ایک شاخ ہیں۔ متفرق

حصہ دوم

شجرہ جات Pedigree Tables.....صفحہ ۱۳۸ تا ۲۰۴

قبیلہ کیٹھوال

---- حصہ اوّل ----

تاریخ

باب۔۱

زیرو پوائنٹ

موضوعات: تاریخ کا اندازِ فکر

ماضی پر مٹی ڈالو

ایک رکاوٹ

پرانے زمانے

استفادہ: کتابیں اور لوگ

تاریخ کا اندازِ فکر

قبائل واقوام ہوں یا عقائد ومعاشرتی ادارے، اُن کا مطالعہ تاریخی پس منظر میں پیدا کرنا چاہیے تاکہ حقائق ظاہر ہوسکیں۔ اس اندازِ فکر کو تاریخ کی اصطلاح میں Historical Mindedness کہتے ہیں۔ مطالعہ وتحقیق کے اس تاریخی انداز فکر کے سبب آج بنی نوع انسان کا ارتقائی سفر تاریخ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ تاریخ چونکہ ایک متحرک اور تغیّر پذیر حقیقت ہے اس لئے حقائق کا مطالعہ اُن کے عالمِ حرکت وتغیّر میں ہی کرنا درست ہے۔

یہ سچ ہے کہ انسان کا ارتقائی سفر غاروں سے ہوا اور آج کا مہذب تمدّن بے شمار صدیوں کے انسانی تجربوں اور تحریروں کا حاصل ہے۔ آج تہذیب وتمدّن جس شکل و صورت میں ہے اور جس مقام پر ہے یہ آخری منزل نہیں۔ آج کا شاندار حال کل کا ماضی ہوگا اور ہر ماضی کی طرح تاریخ کے سینے میں محفوظ ہوجائیگا۔ زندگی کا کوئی شعبہ اپنے ماضی سے بے ربط نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ ماضی مِٹ جاتا ہے اور حال سے اُس کا تعلق نہیں رہتا، یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اور یہ کہنا کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے یہ اُس سے بھی بڑا جھوٹ ہے۔ سچ تو صرف یہ ہے کہ جن لمحوں میں جو واقعات اور سانحات بیت گئے سو بیت گئے۔ اُن بیتے لمحات کو کسی بھی دور میں واپس لانا فی الحال ناممکن ہے۔

ماضی پر مٹی ڈالو

تاریخ محض مُردوں کی سرگذشت نہیں اور نہ ہی ہنری فورڈ کے مطابق عالمِ خواب ہے۔ مگر اسے کیا کہیے گا کہ ماضی ہی اصل میں سب کچھ ہے۔ ماضی سے انکار سارے سرمایۂ ہستی سے انکار ہے۔ حیاتیات آج تک زندگی کے مادۂ اولیٰ سے بے نیاز نہیں ہو سکی۔ ارتقاء کا کوئی مبلغ مخلوق اولیٰ کو نہیں بھول سکا۔ فرانس کے فلسفی برگسان کے تخلیقی ارتقاء کی بنیاد قوتِ حیاتیہ پر ہے جو زندگی کا مبداءِ اصل ہے۔ مگر کہنے کو یہ ماضی ہے۔ ریاضی اُس نقطۂ موہوم کو نظر انداز نہیں کر سکتی جس کی حرکت سے یہ تمام اجسام پیدا ہوئے۔ علمِ کیمیاء سالمہ یا برقیہ یا اثیریہ کو مادۂ اولیٰ تسلیم کرنے پر مجبور ہے اور مذاہب اپنی اپنی جگہ ''کُن'' کے تصوّرِ قدیم پر قائم ہیں۔

دُنیا کے تمام تمدنوں کی بنیاد ماضی کے حالات و تجربات پر ہے۔ ہم اِس وقت کیا ہیں اور آنے والے دور میں کیا ہوں گے یہ اِس پر موقوف ہے کہ ہم پہلے کیا رہ چکے ہیں۔ جس فرد، خاندان یا قبیلے کا کوئی ماضی نہیں اُس کا حال بے حال اور مستقبل غیر یقینی ہوتا ہے۔ آئر لینڈ کا آسکر وائلڈ کہتا ہے کہ ''جو آدمی بھر کر اپنے ماضی میں نظر نہیں ڈال سکتا وہ کسی مستقبل کا حقدار نہیں''۔ سچ اور حقیقت یہ ہے کہ زندگی ایک مسلسل اور مربوط واقعہ ہے جسے ماضی، حال اور مستقبل کے ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یونان کا فلسفی ہرقلی طوس زندگی کو دریا کہتا ہے اور برگسان کے مطابق ایک مسلسل بہاؤ ہے جس میں دائمی حرکت ہے۔

جو لوگ ماضی کو مُردہ کہتے ہیں وہ جان لیں کہ ماضی کو ہمیشہ سے ثبات حاصل ہے۔ ایرانیوں اور عربوں کو اپنے ماضی پر فخر ہے۔ کول، دراوڑ، بھیل اور سنتال اقوام کی خصوصیات آج بھی بھارت کے تمدّن میں موجود ہیں۔ یونان اور رُوم کی قدیم عمرانیات نے ہی جدید تمدّن کو جنم دیا ہے۔ مصر، آسوریہ، کلدان، بابل، ایران و توران کی تہذیبوں کو اہل یونان نے وحشیانہ تمدّن قرار دیا تھا۔ مگر یونان نے ہی اپنی تحریروں میں انہیں باقی رکھا ہوا ہے۔

ماضی کو مٹی کے ڈھیر تلے دبانے والے تاریخ کے مجرم ہیں۔ وہ اپنے اسلاف کے وجود سے منکر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو خصوصیات قبیلے کے اسلاف اور مورثِ اعلیٰ کی تھیں وہ آج تک کسی نہ کسی صورت افراد یعنی اولاد کے اندر باقی ہیں۔ یہ ہی منفرد اور مخصوص جسمانی، ذہنی اور تمدنی امتیاز کسی ماضی سے مسلسل ہے۔ اگرچہ لاعلمی کی دُھند میں واضح طور نظر نہیں آ رہا ہے۔ ماضی سے انکار اور ماضی سے لاعلمی اپنے حال سے انکار اور لاعلمی کے مترادف ہے۔ ماضی یقیناً ہے اور ماضی سے ہی حال اور مستقبل کی زندگی کا ایک تسلسل قائم ہے۔ ماضی پر مٹی ڈالنے والے بہت ناسمجھ ہیں۔

(ماخوذ و تلخیص از تاریخ الاعوان مرتبہ ملک شیر محمد خان اعوان)

ایک رکاوٹ

برصغیر پاک و ہند کی اکثر اقوام کے آباؤاجداد تارکین وطن تھے جو مختلف وجوہات کے تحت مختلف ادوار میں اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آئے اور مستقل آباد ہو گئے اور رفتہ رفتہ مقامی تمدن میں مدغم ہو گئے۔ اب صدیوں بعد ان اقوام وقبائل کے نسلی تمدن وثقافت کی کھوج کرنا خالصتاً سائنٹیفک تحقیق کا موضوع وعمل ہے اور یونیورسٹی سطح پر ریسرچ سکیم کا فیلڈ ہے۔ خصوصاً مسلم قبائل واقوام جو قبول اسلام کے بعد مکمل طور پر اپنے ماضی سے کٹ کر عالم گیر اسلامی معاشرت کا حصہ بن گئے ان اقوام وقبائل کا اصلی اور قدیم ثقافتی وتہذیبی ورثہ اسلامی عقائد کے زیرِ اثر اتنا ہو چکا ہے کہ اب ان کے نسلی اور نسبی تعلق کے بارے میں تحقیق کرنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ آج کے بعد مسلمان عقائد سے متصادم یا اسلام میں داخل ہونے سے قبل کے کسی بھی تعلق کو قبول کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں۔ ہر کوئی قریشی یا کم سے کم عربی نژاد ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات میں ایسی کوئی پابندی نہیں کہ حسب ونسب کی لکیریں مٹا دی جائیں۔ حق اور سچ یہ ہے کہ نسلی، ثقافتی اور تاریخی وجغرافیائی شناخت کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہوا جائے۔

کیٹھو قبیلے کے افراد کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ صرف کیٹھوال ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ اُن کے آباؤاجداد کو کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ اُن کا نسلی اور نسبی تعلق فرضی ناموں کے ساتھ کسی بڑے قبیلے کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ حتیٰ کہ 1860ء میں حکومت برطانیہ نے اقوام وقبائل کے شجرے مرتب کیے تو اکثر خانوادوں نے ڈوم اور میراثیوں کو منہ مانگی رقم دے کر اپنی پسند کے شجرہ جات تصدیق کرا لیے۔ کیٹھوال قبیلے کے سرداروں نے اُسی شجرہ نسب پر اکتفا کیا جو قدیم روایت

کے تحت لوگوں کے حافظے میں محفوظ تھا۔ یہ شجرہ اگرچہ مختصر اور نامکمل ہے پھر بھی یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ اس میں جھوٹ کی آمیزش ہرگز نہ ہے۔ کیٹھوالوں کا یہ تفخر بجا لگتا ہے کہ اُن کے سرداروں نے اپنے قبیلے کی گم شدہ نسبی کڑیاں فرضی ناموں سے مکمل نہیں کیں اور نہ ہی کسی نامور خاندان سے نسلی رشتہ جوڑنے کی کوشش کی۔ اس طرزِ عمل کو تاریخ میں اخلاقی عظمت کہتے ہیں۔ تاہم قبیلے کی موجودہ نسل اور ماضی قریب کی نسلوں پر یہ الزام بھی دھرا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ثقافتی اور نسلی ورثے کو محفوظ رکھنے میں غفلت برتی ہے جس سے قبیلے کی تاریخ کے تسلسل میں تعطل پیدا ہوا ہے۔

جو ہوا سو ہوا۔ سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنا فضول ہے۔ مگر لکیر کے گہرے مطالعے سے لکیر چھوڑنے والے کے بارے میں بہت سے اندازے اور قیاس کیے جا سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قبیلے کا ماضی گہری دھند میں اوجھل ہے مگر علم اور جستجو والے بمصداق ''جوینده یابنده'' سچی لگن اور کاوش سے کچھ نہ کچھ ضروریات پا لیتے ہیں۔

سرِ دست کیٹھوال نام کے لوگ اپنی نسلی انفرادیت کے ساتھ نامعلوم دَور سے ایک قطعۂ ارض پر موجود ہیں۔ گردونواح میں آباد دیگر قبائل اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اُن کے آباؤ اجداد کی آمد سے پہلے کیٹھوال نام کا ایک قبیلہ آباد تھا۔ ایسے کوئی شواہد اور آثار نہیں ملتے کہ کیٹھوالوں سے پہلے اس علاقے میں کوئی قوم آباد تھی۔ ان حالات میں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ اس پہاڑی علاقے کے پہلے آبادکار کیٹھوال ہی تھے۔ صدیوں کے سفر میں لسانی، ثقافتی اور تمدّنی تغیرات رونما ہوتے رہے۔ اثر و نفوذ کا قدرتی عمل جاری رہا۔ آج یہ قبیلہ اُس اجتماعی تمدّن کا ایک حصہ بن گیا ہے جو گردونواح کے قبیلوں اور خاندانوں کے امتزاج سے پیدا ہوا ہے۔ ان قبائل کو لسانی اور تہذیبی لحاظ سے الگ الگ کرنا خاصا مشکل ہے۔ البتہ گہرے مطالعے اور سائنٹیفک ریسرچ سے ہر قبیلے اور خاندان کی فطری انفرادیت کا احتیاط سے جائزہ لے کر ان کے ماضی کے بارے میں ایک حد تک اندازہ اور قیاس کیا جا سکتا ہے۔ میں ان ہی اصولوں اور طریقوں کی پیروی میں کیٹھو قبیلے کی تلاش میں وسیع و بسیط تاریخ کی دُنیا میں داخل ہو رہا ہوں۔

پرانے زمانے

سردیوں کی راتیں، برف باری، سائیں سائیں کرتی یخ ہوائیں، دن اتنے چھوٹے کہ سب کام ادھورے اور راتیں اتنی لمبی کہ کاٹے نہ کٹیں۔ گھر سے باہر نکلنا دشوار اور مسلسل گھر کے اندر رہنا عذاب۔ ایسے میں زندگی کے طویل سفر کے تھکے ماندے محنت کش اور روزی کی تلاش میں دیس بدیس جنگی محاذوں پر لڑنے والے بوڑھے سپاہی سرِ شام کھانے سے فارغ ہوکر پڑوس میں اُس بوڑھے کے گھر کا رُخ کرتے جو طویل عمر کے سبب اکثر علیل رہتا ہے۔

اُس زمانے کے گھر اور معمولات بہت حد تک ایک جیسے ہیں۔ مٹی، گارے اور پتھروں سے بنا ہوا ایک بڑا کمرہ جو عموماً 28×18 فٹ کا ہوتا ہے جسے ایک دیوار سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ایک حصہ میں مال مویشی اور دوسرے میں اہلِ خانہ رہتے ہیں۔ دو چولہے ہیں ایک مردوں کیلئے اور دوسرا عورتوں کیلئے۔ ریں اور کاہو کی لکڑی ان چولہوں میں دن رات جلتی رہتی ہے۔ انگیٹھی چمنی کا رواج نہ ہے۔ چولہے کے عین اوپر کچی چھت میں دھواں نکلنے کیلئے ایک بڑا سوراخ ہے جسے ''اوغون'' کہتے ہیں۔ دروازے کی دراڑیں مٹی سے لیپ دی گئی ہیں کہ سردی سے بچا جائے۔ عورتوں والے چولہے پر مٹی کے بڑے دیگچے میں ''کہونیاں'' (مکئی کے دانے، چھلیاں، لوبیا اور نمک مرچ) پک رہی ہیں۔ یہ مرکب غذا بڑی لذیذ اور سردیوں کا توڑ ہے۔ چولہے کے گرد بیٹھے ہوئے اور گپ شپ میں مصروف بوڑھوں کو بڑے بڑے مٹی کے پیالوں میں یہ کہونیاں پیش کی جاتی ہیں۔ زیادہ عمر والے بوڑھے چارپائیوں پر کمبل اوڑھے نیم دراز ہیں۔ کچھ چولہے کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے پیڑھیوں پر بیٹھے ہیں اور دیگر چولہے کے اردگرد آگ کی تپش سے لطف اندوز رہے ہیں۔ قریب ہی ایک کونے میں بھیڑ یا بکری کی کھال کا ایک مصلیٰ پڑا ہے۔

یہ بوڑھے سب دُکھ درد بھول کر سُننے سُنانے میں کھو گئے ہیں۔ قدیم دیومالائی داستانیں، دیس دیس کے محاذوں کی جنگی کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، آباؤ اجداد کے روایتی واقعات، سیف الملوک، ہیر رانجھا، سسّی پنوں، سوہنی ماہیوال، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، شاہ بہرام کے رومانی قصوں کے علاوہ قصص احسن یعنی قرآنی حکایات اور صوفیائے کرام کے کشف و کرامات ان لمبی سرد راتوں کے موضوعات ہیں۔ عورتوں کی محفل میں امام حسن حسینؓ، امام قاسمؒ، یوسف زلیخا، نورنامہ، بڈھی نی مداح جیسی کتابوں کو منظوم سنایا جاتا ہے۔

کبھی کبھی ڈوم اور مراثی بھی ان خانگی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں اور وہ قبیلے اور خانوادوں کے شجرے، اہم واقعات، قصیدے اور مرثیے بھی سناتے ہیں۔ جس رات کو کوئی مراثی یا ڈوم آجائے تو لوگ صبح تک اُن کی باتیں سنتے رہتے ہیں۔ نہ معلوم دور کی سرد راتیں گزارنے کا یہ ہی انداز ہے۔

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں لوگوں کا حافظہ بہت تیز تھا یا آج کے دور کی یہ بات مان لیتے ہیں کہ اُن کی معلومات محدود تھیں۔ جنہیں وہ گاہے گاہے دوہراتے رہتے تھے۔ اسے پرانے زمانے کی ریت کہا جائے، عادت بولیں یا مشغلہ مگر آج کے شعبۂ تاریخ و سوشیالوجی میں اسے سینہ بسینہ منتقل ہونے والی روایات کہتے ہیں۔ سُنی سنائی آباؤ اجداد کے تسلسل کے خاندان اور قبیلے کی سچی باتیں ہیں اور یہ ہی روایات آج کی مہذب دُنیا کی تاریخ، تمدّن اور سائنسی علوم کی بنیاد ہیں۔

جب کوئی بوڑھا کوئی واقعہ سنانے سے پہلے یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ اور اُس نے اپنے باپ سے جس کی عمر ایک سو دس سال تھی نے اپنے دادا سے یہ بات اس طرح سُنی ہے کہ ..... واقعہ پیروں فقیروں کی کرامات کا ہو، دیومالائی داستانوں جیسا یا قبیلے اور خاندان کے اندر رونما ہونے والے حالات کا یا قدیم دور کی زندگی کے معمولات کا تذکرہ ہو یہ سب کچھ لوک ورثہ ہے اور اَن لکھی تاریخ ہے۔

1940-50ء کا عشرہ میرا بچپن ہے۔ اُن دنوں سکولوں میں موسمِ سرما کی تعطیلات کا شیڈول 20 دسمبر تا 31 مارچ مقرر تھا۔ یہ چھٹیاں ہر سال میں اپنے ننہال گاؤں (پڑہنہ) میں گزارتا تھا۔ پڑہنہ کی مرکزی بستی کو ''گراں'' کہتے تھے جو قدرے نشیبی جگہ تھی اور شدید سردیوں میں اس گاؤں کی بکھری بکھری آبادی سردیاں گزارنے ''گراں'' میں رہائش اختیار کرلیا کرتی تھی۔ موسم کی شدت اور کام سے فراغت کے ان شب و روز میں لوگ وقت گزارنے کیلئے مل بیٹھتے تھے اور سنتے سناتے تھے۔ ویسے بھی یہ جنگِ عظیم دوم کا دَور تھا۔ بستی کے نوجوان سات سمندر پار (دور دراز) محاذوں پر جنگ میں مصروف تھے۔ گھر گھر پریشان اور بے چین تھا۔ ایسے میں بڑے بوڑھے مل بیٹھ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے تھے۔

یہ اتفاق تھا کہ میرے چھوٹے ماموں وزیر محمد فوج سے لاعلاج قرار پا کر گھر میں علیل پڑے تھے۔ دُور دراز کے عزیز و اقارب اکثر عیادت کیلئے آتے تھے اور بستی والے گئی رات تک مریض کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ماموں فوت ہو گئے۔ مگر دوسرے ماموں امیر افضل جو نیوی میں تھے اسی طرح کی بیماری میں مبتلا ہو کر گھر بھیج دیے گئے۔ ہمدردی اور بیمار پُرسی کا سلسلہ پہلے کی طرح جاری رہا۔

نانا صاحب کا میں واحد نواسا تھا۔ جو موسمِ سرما میں اکثر اُن کے ساتھ رہتا تھا یا میری ایک خالہ زاد بہن تھی جس کی والدہ شیر خوارگی کے دوران فوت ہو گئی تھی اور اب وہ نانی صاحبہ کی پرورش میں تھی۔ ہمارے علاوہ اُس گھرانہ میں کوئی اور نابالغ فرد نہ تھا۔ اُسی دور کی بات ہے کہ میں بڑے بوڑھوں کی گود میں بیٹھ کر اُن لمبی ٹھنڈی راتوں میں اُن کی باتیں بڑی غور سے سُنا کرتا تھا۔ 1960ء تک ان محافلِ شبانہ کا کسی نہ کسی صورت میں رواج باقی رہا مگر نئی تہذیب کی تیز روشنی میں بیتے دور کی راہ دکھانے والے ٹمٹماتے دِیے بے قدری کی ہوا میں ہمیشہ کیلئے بجھ گئے۔ اب ماضی ایک بڑے خلا کے اُس پار ہے اور خلا کو پاٹنا بہت دُشوار ہے۔

نصف صدی بعد 2005ء میں مجھے ان پرانی اور بھولی بسری باتوں کی ضرورت پڑی تو میں نے اپنے ہم عمروں کی ہر چوکھٹ پر دستک دی، آباؤ اجداد کے بارے میں پوچھا، روایات اور لوک حکایات کے بارے میں بات کی مگر ہر کسی نے اپنے ماضی کو نفرت سے گھورا اور پھر بڑی بے حسی سے لاعلمی، لاتعلقی اور بے خبری کا اظہار کیا۔ اس صورتِ حال میں اب کوئی چارہ نہیں کہ میں اپنے بچپن کی مدھم مدھم یادوں سے تاریخی سفر کا آغاز کروں۔

2006ء میں ستر سالہ بیتی یادوں کو من وعَن جگانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے مگر اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جائے کہ تاریخ عالم کے پہلے باب نے حافظہ کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ دنیا کے تمام تمدنوں اور تہذیبوں کی تواریخ کا ماخذ روایت ہے اور روایت نے حافظہ کے پروں پر سفر کیا ہے۔ آج کیٹھوال یہ کہتے ہیں کہ وہ اس علاقے میں پہلے آبادکار ہیں اور پڑوس کے قبائل یہ مانتے ہیں کہ اُن کی آمد سے قبل یہ قبیلہ اس علاقے میں موجود تھا۔ اگر علاقائی تاریخ یا کوئی روایت کیٹھوالوں کے اس دعویٰ کی تردید نہیں کرتی تو کیٹھوال قبیلے پر لکھنے والوں کو یہ پہلا سنگِ میل شمار کر کے ماضی کی تلاش کا سفر شروع کرنا ہوگا۔

میں نے مٹے مٹے نشانوں اور مدھم مدھم حوالوں کے ساتھ سفر کا آغاز کیا ہے۔ میں نے کیا سفر کیا اور سوئے منزل کتنا چلا اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔

باب۔۲

لوک داستانیں

موضوعات: ایک رات کی بات

داستان۔ ۱

داستان۔ ۲

داستان۔ ۳

استفادہ: 1940-1950ء کا دَور

سینہ بہ سینہ یادیں

سُنی سُنائی باتیں

روایات

ایک رات کی بات

نصف صدی سے چند برسوں پہلے کی ایک سرد رات ہے۔ جنوری کا تیسرا عشرہ ہے۔ دو دِن سے برف باری جاری ہے۔ لوگ اور مویشی گھروں میں پابند ہیں۔ ماموں چند روز زیادہ بیمار ہیں۔ پڑوسی اور قرابت دار چولہے کے گرد چارپائیوں اور پیڑھیوں پر بیٹھے ہیں۔ تیز آگ سے قدرے گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ بوڑھوں نے اپنے فوجی بوٹوں کے تسمے ڈھیلے کر دیے ہیں اور برانڈیوں کے بٹن کھول رکھے ہیں۔ ان میں اکثر جنگِ عظیم اول کے سپاہی ہیں۔ ان دنوں یہ بوڑھے خوش خوش نظر آتے ہیں۔ جنگِ عظیم ختم ہو چکی ہے اور ان کے بیٹے اور عزیز جلد یا بدیر گھروں کو لوٹنے والے ہیں۔

میں مستری صاحب دین کی گود میں تھا۔ وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ حضرت قاسم موہڑویؒ کے قرابت دار اور مُرید تھے۔ جب بھی میں گھر سے آتا راستے میں اُن کی پن چکی (جندر) پڑتی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر چکی بند کر دیتے اور یہ کہتے ہوئے ''میرا بیٹا تھک گیا ہے'' مجھے اپنے کندھے پر بٹھا کر گھر لاتے تھے۔ جب تک وہ گھر میں بیٹھتے مجھے اپنی جھولی میں بٹھائے رکھتے تھے۔ آج رات بھی روایتی داستانوں کا دور چل رہا تھا۔ ابھی ابھی ایک بوڑھے نے حضرت ابراہیمؑ کا ایک واقعہ ختم کیا جس میں غار کا ذکر تھا۔ قریب بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے نے میرے گال تھپتھپائے اور بڑے پیار سے کہا ''کھوڑ کی پیدائش تو بھی کوئی کہانی سُنا'' یاد رہے کہ کیٹھوال ستیوں کو کھوڑ کی پیدائش کہہ کر تنگ کیا کرتے تھے۔ قبیلہ ستی کے مورثِ اعلیٰ کی ولادت ایک غار میں ہوئی تھی جو آج بھی غارِ ستی کے نام سے محفوظ ہے۔ بابا صاحب دین نے میری وکالت کرتے ہوئے کہا ''لالہ! غار کا تعلق تو پیغمبروں، اولیاؤں اور صوفیوں سے ہے انسانی تمدن غار کے احسانات کو کیسے بھول سکتا ہے، میرا بیٹا شیر ہے اور شیر غاروں میں پیدا ہوتے ہیں اور غاروں میں رہتے ہیں''۔

قریب کی ایک چارپائی پر نیم دراز ایک بوڑھا آدمی اُٹھ بیٹھا۔ پہلے خوب کھانسا، نزدیک پڑے حقے کے دو چار لمبے لمبے کش لئے اور پھر کہنے لگا ''لالہ صاحب دین! پدرم سلطان بود ہم سکندرِ اعظم کی اولاد ہیں، کیا ہوا جو آج ہم کنگال ہو گئے، اجداد تو بادشاہ تھے''۔ چولہے کے قریب بیٹھے ایک معمر ترین آدمی نے آگے جھکتے ہوئے چمٹے سے چولہے میں جلتی ہوئی لکڑی کو چھیلا جس سے آگ تیز ہو گئی۔ پیڑھی کو جس پر بیٹھا تھا پیچھے گھسیٹا اور دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے کہنے لگا ''جانتے ہو سکندرِ اعظم کون تھا؟ وہ ایک یونانی نوجوان بادشاہ تھا جسے دُنیا فتح کرنے کا جنون تھا۔ اُس نے ایران فتح کیا اور پھر ٹیکسلا پہنچ گیا۔ اُس وقت ہمارے آباؤ اجداد ٹیکسلا میں آباد تھے۔'' کمرے کے ایک کونے سے آواز آئی ''تو پھر کیوں ہمارے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ ہم سکندر ذوالقرنین کی اولاد ہیں؟'' عین اُسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ قدرے کم عمر کا ایک بوڑھا اٹھا۔ ایک مضبوط لکڑی سے جکڑے ہوئے دروازے کو کھولا۔ پڑوس کا ایک بوڑھا باہر کھڑا اپنی برانڈی پر سے برف جھاڑ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ پیچھے مڑا اور سب کو سلام کہتے ہوئے اندر آ گیا۔ سب نے اُسے خوش آمدید کہا۔ چولہے کے قریب بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے نے اُسے بیٹھنے کیلئے پیڑھی پیش کی۔ اُس نے بیٹھنے سے پہلے برانڈی کو چولہے کے قریب ستون (تھم) کی میخ کے ساتھ لٹکایا، رومال سے چہرہ صاف کیا، پیڑھی کو پاؤں سے آگ کے قریب سرکایا اور بیٹھتے ہوئے پوچھا ''بیمار کا کیا حال ہے، سویا ہوا لگتا ہے شاید کچھ آرام ہے'' سب سر اثبات میں ہلے۔ اُس نے پیڑھی کو مزید آگے سرکایا۔ بازو چولہے کے گرد پھیلا دیے یوں لگتا تھا جیسے آگ کو اُس نے اپنی گود میں رکھ لیا ہے۔ چولہے سے ہٹ کر بکری کے بالوں والے کمبل لپٹے ہوئے بوڑھے مزدور نے لمبی کھنگار کے بعد پوچھا ''بھائیو! آج دیر سے آئے ہو کہاں تھے؟'' بوڑھے نے جرکن لیدر (Jurkin Leather) کے اوپر والے بٹن کھولے اور جیب سے ایک ڈوری سے بندھی ویسٹ اینڈ واچ جیسی گھڑی نکالی۔ آگ کی روشنی میں وقت دیکھتے ہوئے کہنے لگا ''ابھی تو دس بجے ہیں، آج پنشن لینے کوٹھی (مری) گیا تھا۔ طوفانی برف ہے۔ مال روڈ سُنسان ہے۔ کہیں کہیں کوئی صاحب، میم اوور کوٹ پہنے گھومتے دکھائی دے رہے تھے۔ پول صاحب کے ہوٹل سے ٹوپے تک بہت برف تھی۔ گلی (گلہڑہ گلی) پہنچے تو گھُپ اندھیرا ہو گیا تھا۔ شیرو ہوٹل بند کر رہا تھا۔ اُس نے گرم گرم قہوہ پلایا

اور مُٹھا (چیڑ کی گندہ بیروزہ والی لکڑیاں جو مٹھ جوڑ کر روشنی کیلئے جلائی جاتی تھیں) بھی دیا۔ تھوڑی دیر پہلے گھر پہنچا، روٹی کھائی اور آپ کے پاس آ گیا ہوں''۔ ایک دوسرے بوڑھے نے مذاق کے لہجے میں کہا کہ آج پنشن لی ہے اور اُن کیلئے کیا لایا ہے؟ اُس نے قسم کھاتے ہوئے کہا کہ آج کوئی ہٹی کھلی نہ تھی ورنہ کچھ نہ کچھ وہ ضرور لاتا۔ بوڑھے کو اب قدرے گرمی محسوس ہو رہی تھی اُس نے سَرج کی پتلون کے پائنچوں پر لپٹی گرم پٹیاں اُتار دیں۔ فوجی بوٹوں کے تسمے کھولے اور اونی جرابوں سمیت پاؤں سینکتے ہوئے بولا'' سب کیوں چُپ چاپ ہیں؟ آج کہانی وانی نہیں چل رہی، ہاں! باہر کھڑے سُنا تھا شاید سکندر اعظم کی کوئی بات ہو رہی تھی''۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ایک بہت ہی بوڑھے آدمی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اُس نے ڈوگروں کا راج دیکھا ہے، نے اپنے سر پر سے اُونی ٹوپی اُتار کر جھولی میں رکھتے ہوئے (شاید آگ کی تپش تیز ہوگئی تھی) کہنے لگا ''لالہ کہتا ہے کہ ہم یونانیوں کی اولاد ہیں پڑھے لکھے بھی کہتے ہیں کہ سکندر کی فوج کے کچھ سپاہی مسلسل جنگی مہمات سے تنگ آ کر ٹیکسلا کے نواحی پہاڑوں میں روپوش ہو گئے تھے ہوسکتا ہے کہ ہمارے اسلاف اُن سپاہیوں کی اولاد میں ہوں''۔ بوڑھے نے اپنی گرم جرسی کو گلے کی طرف کھینچا اور شرٹ انگولا (گرم اونی فوجی قمیض) سے پاسنگ شو سگریٹ کی ڈبیا نکالی۔ ساتھ ہی بیٹھے ہوئے آدمی کو ہدایت کی کہ سب کو سگریٹ دو۔ اُس نے سگریٹ پینے والوں کو ایک ایک سگریٹ دیا اور پھر چولہے سے دہکتا ہوا کوئلہ چمٹے سے پکڑ کر ہر ایک کے سگریٹ کو سُلگایا۔ جب سب کے سگریٹ سلگ چکے تو اُس معمر ترین آدمی نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

''میں نے اپنے بزرگوں سے کچھ یہ بھی سنا ہے کہ جب میجر ایبٹ مری آیا تو اُس وقت میں تگڑا اپٹھا تھا۔ ڈوگروں کا برائے نام ہمارے علاقہ پر کنٹرول تھا۔ عملاً یہ آپ راجی کا دور تھا۔ روزی تنگ تھی۔ نوجوان تلاشِ روزگار کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ سِکھ فوج کا ہیڈ کوارٹر قلعہ سنگھنی (نزد کلر سیداں) تھا۔ ہمارے علاقہ (موضع کا نام یاد نہیں) کا ایک آدمی سِکھ فوج میں جمعدار تھا۔ وہ جب بھی چھٹی پر آتا تھا ایک دو نوجوانوں کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور سِکھ فوج میں بھرتی کروا دیتا تھا۔ جمعدار صاحب ڈوگروں کے خلاف تھے۔ اُن دنوں سکھ فوج انگریزوں کے ایک بڑھے حملے کا مقابلہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھی۔ جمعدار صاحب معمول کے مطابق چھٹی پر

آئے۔ہم نوجوان بھرتی ہونے کی خاطر اُن کے پاس پہنچ گئے۔میرے ساتھی (نام لیے مگر مجھے یاد نہیں رہے) بھرتی کر لیے گئے مگر میں کم عمری کی وجہ سے بھرتی نہ ہوسکا۔چند سالوں کے بعد برطانیہ کی حکومت قائم ہوگئی اور ہم بہت سے نوجوان انڈین آرمی میں بھرتی ہوگئے۔

ایک دفعہ غالباً 60-1859ء گرمیوں کا موسم تھا۔میجر کریکرافٹ راولپنڈی کے ڈپٹی کمشنر مری آئے ہوئے تھے۔قبائل کے سرداروں اور دیگر معززین علاقہ کو ملاقات کی دعوت دی گئی۔سُنا ہے کہ میجر موصوف کے ساتھ انگریز تاریخ نویس اور ادیب بھی مری آئے ہوئے تھے۔ وہ علاقائی لوگوں سے مل کر علاقائی تہذیب وتمدن کے بارے میں معلومات حاصل کررہے تھے۔ اس اجلاس میں ڈپٹی کمشنر نے علاقائی سرداروں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے قبیلے کی مختصر تاریخ، رسم ورواج اور شجرہ جات تحریری طور پر پیش کریں تاکہ بندوبست اراضی میں قبائل کو پورا پورا قانونی تحفظ دیا جائے۔اُن دنوں علاقہ کوٹلی کومری (کوہ مری) سے مربوط رکھنے کیلئے ڈاک ٹریک (Dok Track) بنایا جارہا تھا۔تاکہ ڈاک کا نظام قائم کیا جائے۔یہ راستہ ہمارے گاؤں میں سے گزرتا تھا۔اسی راستے کے قریب ہمارے گاؤں میں علاقہ چارہان کے معززین کا ایک بڑا جرگہ نمبردار کے بڑے ڈوگے (کھیت) میں منعقد ہوا۔اتفاق سے میں چھٹی پر تھا اور دیگر نوجوانوں کے ساتھ میں بھی جرگہ کی کاروائی سننے چلا گیا۔جرگے کا موضوع قبیلہ کیٹھوال کی تاریخ، رسم ورواج اور شجرہ جات کو تحریری شکل میں لانا تھا تاکہ قبیلے کا یہ ریکارڈ حکومت کو پیش کیا جائے۔چارہان کے اکثر معززین اور نمبرداروں نے باری باری اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کُرسی خواں (شجرہ جات وواقعات زبانی سنانے والے) بھی اس جرگہ میں بلائے گئے تھے۔آخر میں ایک ایسے بوڑھے کی رائے طلب کی گئی جس کے بارے میں اجلاس کو بتایا گیا کہ اس کی عمر 120 اور 130 سال کے درمیان ہے۔اسی دوران چند نوجوان ایلومنیم کی بڑی بڑی کیتلیاں اور ٹوکروں میں مٹی کے پیالے اُٹھائے جلسہ گاہ میں آگئے۔جلسہ کی کاروائی تھوڑی دیر کیلئے رُک گئی۔ ٹوکروں والے نوجوانوں نے جلسہ میں بیٹھے ہوئے ہر فرد کو مٹی کا ایک ایک پیالہ تھمایا اور پھر کیتلی والے گرم گرم چائے پیالوں میں ڈالتے گئے۔اُن دنوں چینی کا نام ونشاں تک نہ تھا۔عام گھروں میں گُڑ کی چائے چلتی تھی اور امیر لوگ کھانڈ کی چائے پیتے تھے۔

چائے کا دور ختم ہوا تو بوڑھا دو آدمیوں کے سہارے جلسہ گاہ میں کھڑا ہوا اور مکمل ہوش وحواس سے کہنے لگا میں اُن لوگوں کا ہم عصر ہوں جن کا دعویٰ ہے کہ اُن کی عمریں 120 سے 130 سال تک ہیں۔ میں نے مغل دور کا ڈھلتا ہوا سورج دیکھا ہے۔ مغلوں کی پیدل فوج میں سپاہی تھا۔ میرے والد اور دادا نے بھی بڑی لمبی عمر پائی ہے۔ میں نے اپنے باپ دادا اور ان کے دوستوں کو اپنے آباؤ اجداد کے حوالوں سے باتیں کرتے ہوئے سُنا ہے کہ کیٹھوالوں کا نسلی تعلق سکندر ذوالقرنین کے خاندان سے ہے۔ یہ سکندر ایران کا ہفت اقلیم شہنشاہ تھا۔ میں نے بڑے بوڑھوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سُنا ہے کہ ایران کی مشرقی اقلیم کی راجدھانی ٹیکسلا تھی۔ اُس دور میں مفتوحہ علاقوں اور ملکوں کے حکمران صرف بادشاہ کے خاندان کے افراد ہی ہوا کرتے تھے۔ یہ حکمران بھی اپنے سالار، مشیر اور محافظین اپنے خاندان کے رکھتے تھے۔ یہ کہاوت بھی کیٹھوال خاندان میں مشہور ہے کہ ذوالقرنین کے جانشینوں کے دور میں کیٹھوالوں کے آباؤ اجداد ٹیکسلا شہر میں آ کر آباد ہوئے تھے اور ایک دور میں جب ہندو راجاؤں کا اس علاقے پر تسلط قائم ہوا تو ہمارے اسلاف نے غیر یقینی شہری زندگی ترک کر کے نواحی پہاڑوں میں رہائش اختیار کر لی اور قدیم اسلاف کی طرح زراعت اور گلہ بانی میں مصروف ہو گئے۔ میں نے کبھی کسی سے نہیں سُنا کہ کیٹھوال یونانیوں کی اولاد ہے۔ آج تک یہ ہی سُنتے آئے ہیں کہ ہمارا تعلق ذوالقرنین کے خاندان سے ہے۔''

رات بہت بیت گئی۔ باہر اڑھائی فٹ کی برفباری ہو چکی تھی۔ بوڑھوں نے اپنے بوٹوں کے تسمے باندھے، برانڈیاں اور کمبل تانے، مُٹھے جلائے اور معمول کی طرح گھروں کا رُخ کر گئے۔

یہ ایک بستی کی ایک رات کی بات تھی۔ اُس دور میں ہر بستی میں اس طرح کی راتیں اُترتی تھیں۔ ان سرد لمبی راتوں میں چولہوں کے گرد آگ کی تپش میں یادوں کا سفر سینے سینے چلتا رہتا تھا۔ مگر آج نہ وہ راتیں ہیں اور نہ کھلنے والے سینے۔ کس سے سُنیں بیتے دنوں کی داستاں۔

داستان۔۱

داستان گو صدیوں پرانی روایت کے حوالے سے کیٹھو قبیلے کی ایک کہانی سنایا کرتے تھے۔ سینہ بہ سینہ سنائی جانے والی اس کہانی کے مطابق صدیوں پہلے چار ہان گاؤں سے شمال مشرق دریائے جہلم تک پھیلے پہاڑوں میں کیٹھو قبیلے کا راج تھا۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب راجا جیرسی (Jairsi) اس قبیلے کے سردارِ اعلیٰ تھے۔ راجا جیرسی کے پاس پیادہ اور سوار جوانوں کا ایک مضبوط لشکر تھا۔ راجا کی دو مقامات پر رہائش تھی۔ سردیوں میں موضع چلاورہ میں تخت پوش اور گرمیوں میں سانٹھ بن میں قیام کرتے تھے۔ زراعت (کھیتی باڑی) اور گلہ بانی اس قبیلے کا آبائی پیشہ تھا۔ چاول اور مکئی اُن کی پسندیدہ غذا تھی۔ نشیبی اور آبی جگہوں پر وہ چاول (تہائیں) اور بالائی مقامات پر مکئی اور آلو کاشت کرتے تھے۔ جب کہ اُن کے ریوڑ تمام علاقے میں آزادانہ چیرتے اور پلتے تھے۔ غلہ اور مویشی اس قبیلے کی دھن دولت تھی۔

راجا جیرسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُن کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی اُن کے اپنے قبیلے سے تھی جسے لوگ رانی بیگم پکارتے تھے۔ اس کے بطن سے 12 بیٹے اور ایک بیٹی تھی جبکہ دوسری بیوی کسی کشمیری خاندان سے تھی جس سے صرف ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سُورسی (Soorsi) تھا۔ بارہ بیٹوں کے ناموں میں کافی اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے تاہم چند ناموں پر مکمل اتفاق ہے جیسے گُورسی، بُورسی، شِیرسی، ناگ سی، چترسی اور ایکاسی۔ دیگر نام مختلف شجروں میں مختلف لکھے گئے ہیں۔ البتہ بیٹی کے نام اباں (Abban) پر اتفاق ہے مگر راوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ اصل نام ''شعلہ'' یا ماناں (Mandan) تھا مگر تمام بھائی اکلوتی بہن ہونے کے نتیجے میں لاڈ سے اُباں (Ubban) یعنی چکوری کہتے تھے۔ بعد میں لفظی تبدیلی سے اَباں مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ راجا جیرسی نے لمبی عمر پائی۔ وہ کم وبیش سوا صدی زندہ رہے۔ جب وہ فوت ہوئے تو اُن کی بیٹی کنواری تھی مگر پوتے پوتیوں کی تعداد خاصی بڑی تھی۔

بہت دن گذرے۔لگ بھگ نصف صدی پہلے قبیلے کے بڑے بوڑھے اباں کے بارے میں دو داستانیں سنایا کرتے تھے۔ اِن کہانیوں کی وارداتوں اور تفصیلات کو وہ سچ مانتے تھے۔ ماضی قریب میں جب نئی تہذیب کا رنگین بلب روشن ہوا تو لوگ دھیرے دھیرے چولہے کی تپش اور دیوے کی لَو میں اُبھرنے والے قصے اور کہانیاں بھولتے چلے گئے۔ آج ہر کوئی بیتے دنوں کی بلیک اینڈ وہائٹ فلم دیکھنے سے گریزاں ہے۔

داستاں گو سنایا کرتے تھے کہ راجا جیری کی بیٹی بہت خوبصورت تھی۔ اُس کے حسن و جمال کے قرب و جوار میں چرچے ہونے لگے۔ اسے اتفاق کہیے کہ ایک موسمِ گرما میں دریائے جہلم کے اُس پار سے دو امیر زادے سیر و شکار کرنے پتریاٹہ کے نواحی جنگلوں میں آ نکلے۔ پیاس نے ستایا اور پانی کی تلاش میں اُس جگہ آ نکلے جہاں کچھ بھیڑ بکریاں ستا رہی تھیں اور کچھ بے دلی سے چر رہی تھیں۔ نوجوانوں کو یقین ہو گیا کہ پانی کا چشمہ ضرور قریب ہوگا۔ وہ چند قدم آگے بڑھے تو سامنے چشمہ تھا اور قریب ہی نوجوان لڑکیاں کھیل کود میں مصروف تھیں۔ اجنبیوں کو دیکھ کر لڑکیاں چشمے سے ہٹ کر بیٹھ گئیں۔ چرواہے بھی چشمے پر آ گئے۔ امیر زادوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ کچھ روز ان جنگلوں میں شکار کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چرواہوں نے امیر زادوں کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دی اور شام کو وہ ان مہمانوں کو اپنی بستی میں لے آئے۔

گرمیوں میں راجا جیری اپنے خاندان کے ہمراہ چلاورہ سے سانٹھ بن منتقل ہو جایا کرتے تھے۔ سانٹھ بن کو اُس دور میں سانٹھ راتھل کہتے تھے۔ اکثر گھرانے گرمیاں گزارنے کیلئے اپنے مویشی اور ریوڑ لے کر بالائی مقامات پر چلے جایا کرتے تھے۔ یہ بالائی مقامات ڈنہ Danna کہلاتے تھے۔ سانٹھ بن سے لے کر پتریاٹہ کی چوٹی تک گھنے جنگلات تھے۔ نرم گھاس اور چارہ پتوں والے درختوں کی اِن جنگلات میں بہتات تھی۔ شکار کیلئے چرند پرند کی بھی کمی نہ تھی۔ روایت ہے کہ اُس دور میں پائنیز Pines فیملی کے درخت نہ تھے بلکہ چوڑے پتوں والے سدا بہار اور موسمی درخت عام تھے۔ چوڑے پتوں والے درخت اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ البتہ ریں، بڑیں، کالا بکھ، کنگر، بن اکھوڑ وغیرہ اب بھی اِن جنگلوں میں اپنی بقا کی ناکام جنگ میں مصروف نظر آتے ہیں۔

قدیم داستانوں کے مطابق یہ امیر زادے دریائے جہلم کے اُس پار علاقہ کشمیر کے رہنے

والے تھے۔بعض روایتوں میں ان کا تعلق بمبہ اور کھکھہ قبیلوں سے بتایا جاتا ہے۔مگر مستند تاریخ میں کھکھے اور بمبے Bombay کشمیر کے ان علاقوں میں بہت بعد کے زمانے میں آئے۔ان نوجوانوں کے نام کورا اور بُچا(Kora, Bucha) بتائے جاتے ہیں۔کورا ایک ماہر شکاری تھا اور بُچا اپنے علاقے کا نامور پہلوان۔بُچا بہت خوبصورت جوان تھا مگر اُس کے دونوں کان معمول سے چھوٹے تھے۔اس لئے لوگ اُسے بُچا پہلوان کہتے تھے۔

یہ نوجوان کئی دن سانٹھ بن کی بستی کے مہمان رہے۔دن بھر جنگلوں میں شکار کرتے اور رات شکار کے ساتھ بستی میں لوٹ آتے۔چند روز کے قیام میں ہی وہ بستی والوں میں اتنا گل مل گئے کہ مہمان کی تفریق جاتی رہی۔وہ رات کی بیٹھکوں میں عام آدمیوں کی طرح شریک ہونے لگے۔ان بے تکلفی کے شب و روز میں بُچا پہلوان کا راجا جیری کی بیٹی اباں سے رابطہ ہو گیا اور ایک رات کورا اور بُچا پہلوان اباں کو ورغلا کر فرار ہو گئے۔

راجا جیری بہت ضعیف ہو چکے تھے۔اُنہوں نے اس عُمر میں اپنا تمام علاقہ اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔وگہل اور چلاورہ کے علاقے اپنے بیٹے ناگ سی کے حوالے کیے۔موجودہ کوٹلی گاؤں اور اُس کی شمال مشرقی بستیاں اپنے دوسرے بیٹے کورسی Korsi کو دیے جنہوں نے اپنے نام کی نسبت سے کورینہ کی بستی قائم کی۔اُس دور میں دریائے جہلم کے ساتھ کے علاقے کو کاہنڈی Kahndi کہتے تھے۔موجودہ کوٹلی بستی کے جنوب مغرب کا علاقہ تیسرے بیٹے بُورسی Boorsi کو ملا جن کے نام پر برحد گاؤں ہے۔چارہان کا علاقہ چتراسی Chatrasi کے حصہ میں آیا۔سورسی کو کوئی جائیدادی حصہ نہ دیا گیا۔راجا جیری کے قبیلہ کا ایک قدیم رواج تھا کہ باپ دادا سے وراثت میں ملنے والے علاقے صرف اُس اولاد کو ہی وراثت میں ملتے تھے جن کی ماں باپ کے قبیلے سے ہو۔البتہ راجا کے اپنے مفتوحہ علاقے خاندان سے باہر دیگر خانوادوں سے تعلق رکھنے والی بیویوں کی اولاد کو وراثت میں ملتے تھے۔سورسی کی والدہ دوسرے قبیلے سے تھی۔اس لئے اُنہیں کوئی علاقہ نہ دیا گیا۔

راجا جیری اپنے چھوٹے بیٹے شیری کے ساتھ رہتے تھے۔اُن کی دونوں بیویاں، بیٹی اور بیٹا سورسی بھی اُن کے ساتھ تھے۔بیٹی غائب ہونے کے دن راجا جیری گھر میں نہ تھے۔اُنہیں ناگ سی کچھ دنوں کیلئے چلاورہ لے گیا تھا۔شیری نے اپنے تمام بھائیوں کو اپنے پاس بلوایا اور اس

واقعہ سے آگاہ کیا۔ راجا جیری کو عمداً بے خبر رکھا گیا کیونکہ اِس عمر میں وہ یہ صدمہ برداشت کرنے کے قابل نہ تھے۔ بھائیوں نے قرب وجوار کا چپہ چپہ چھان مارا مگر اباں کا نام ونشان نہ مل سکا۔ بالآخر بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ اباں کے بارے میں راجا جیری کو خبر کر دی جائے۔ ایک دن رانی بیگم اپنے بیٹوں کے ہمراہ چلاورہ میں آئی اور بیٹی کے اغوا اور بازیابی نہ ہو سکنے کے بارے میں تفصیلاً بتا دیا۔ بوڑھا راجا غصے سے چارپائی سے اُٹھا مگر چکر آ گیا۔ اُن کا جسم کانپا اور پھر چارپائی پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ صدمہ اتنا شدید تھا کہ وہ دوبارہ ہوش میں نہ آ سکے اور کئی دن کو ما Coma کی حالت میں رہنے کے بعد رحلت کر گئے۔ اُنہیں چلاورہ میں ہی سپرد خاک کر دیا گیا۔

اباں کی تلاش جاری رہی۔ شاید زمین کھا گئی یا آسمان میں اُڑ گئی۔ کہیں سے کوئی حوصلہ افزا خبر نہ مل رہی تھی۔ ماں اور بیٹے اب مایوس ہو چلے تھے کہ ایک روز گھومتا پھرتا ایک جوگی سانٹھ بن آنکلا۔ اتفاق سے رانی بیگم بھی کچھ دنوں کیلئے یہاں آئی ہوئی تھی۔ رانی بیگم بیٹی کے سانحہ کے بعد اکثر بیمار اور تنہا رہنے لگی تھیں۔ جوگی نے انہیں دوا دینا چاہی مگر انہوں نے دوا لینے سے انکار کر دیا۔ جوگی نے رانی بیگم کی اس کیفیت کی وجہ پوچھی تو اُسے بتایا گیا کہ اُن کی اکلوتی بیٹی کو دو نوجوان اغوا کر کے کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ جوگی نے اُن کا حلیہ پوچھا اور پھر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا کہ اِس شکل وصورت کی ایک لڑکی میں نے سوآں ندی کے اِس پار ایک بستی میں دیکھی ہے۔ (موجودہ کرور) مگر وہ دوخطرناک نوجوانوں کے ساتھ ہے۔ جن سے پوری بستی دہشت زدہ ہے۔ وہ کچھ دن اس بستی میں رہنا چاہتا تھا مگر اُن کے ڈر اور خوف سے اِدھر نکل آیا۔

رانی بیگم نے جوگی سے تفصیلات سننے کے بعد اپنے بیٹوں کو طلب کیا اور اباں کو ہر حالت میں واپس لانے کی ہدایت کی۔ بیٹے اور پوتے پوری تیاری سے تلاش میں نکل پڑے۔ پوری بستی کو چھان مارا ہر کسی سے پوچھا مگر کورا اور بُچا کے خوف سے ہر زبان بند رہی۔ یہ بستی خانہ بدوشوں کی تھی جو ہر سال موسم گرما کے اختتام پر اپنے مویشیوں اور ریوڑوں کے ساتھ سردیاں گزارنے اس علاقے میں آجایا کرتے تھے۔ شاید یہ کشمیری خانہ بدوش کورا اور بُچا کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اسی لئے انہوں نے انہیں مکمل تحفظ دے رکھا تھا۔ جوگی کی اطلاع تو سچ تھی مگر بھائیوں اور بھتیجوں کی تلاش ناکام رہی۔ یوں راجا جیری کا گھرانہ ایک بار پھر نا اُمیدیوں اور مایوسیوں کی زد میں آ گیا۔

کچھ دنوں بعد ایک مذہبی تہوار آ گیا۔ یہ تہوار ہر سال موسم گرما کے اختتام اور موسمِ سرما کی مد پر منایا جاتا تھا۔ اِمسال یہ تہوار چلاورہ میں راجا کی رہائش ''رنگ محل'' میں منانے کا فیصلہ وا۔ راجا جیری کا پورا خاندان کچھ دنوں کیلئے رنگ محل میں منتقل ہوا۔ اس بار اباں کی گمشدگی اور راجا یری کی وفات کے باعث تہوار بہت سادگی سے منایا گیا۔ موسم صاف تھا باہر دھوپ میں دوپہر کے کھانے کا اہتمام ہوا۔ رواج کے مطابق رانی بیگم اور اس کی تمام اولاد کیلئے ایک چوکی لگائی گئی جبکہ سوری اور اُس کی ماں دوسری چوکی میں تھے۔ اس موقع پر سوری کی ماں کو اپنے بیٹے کی تنہائی پر بڑا کھ ہوا۔ اُس نے رانی بیگم سے التجا کی کہ اُس کے اکلوتے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ بٹھالے۔ رانی بیگم نے صاف انکار کر دیا مگر اگلے ہی لمحے ایک شرط لگا دی کہ اگر تیرا بیٹا میری بیٹی اباں کو تلاش کر کے پس لے آئے تو میں تیرے بیٹے کو اپنا بیٹا تسلیم کرلوں گی اور اباں کی واپسی پر ایک بڑی ضیافت وں گی جس میں تمہارے بیٹے کو اپنے بیٹوں کے ساتھ بٹھا کر ہم سب اکٹھے کھانا کھائیں گے۔ سوری کی ماں یہ شرط جو کہ اُس کے خیال میں ناممکن تھی، سُن کر مایوس ہوگئی مگر سوری نے اِس رط کو ایک چیلنج مان کر قبول کرلیا۔

چند دنوں بعد سوری اپنی ماں سے اجازت لے کر اِس خطرناک مُہم پر روانہ ہوگیا۔ سُوری یک دلیر اور ذہین نوجوان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ قریہ قریہ گھومنے والے جوگی کی خبر غلط نہیں ہوسکتی۔ اُس نے کافی سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب نکالی۔ سیدھا پہاڑ کی چوٹی (اباں ناں پہاڑ) پر پہنچا جہاں ے جوگی کی بتائی ہوئی بستی سامنے نظر آتی تھی۔ رات بھر اُسے نے پہاڑ پر تیز آگ جلائے رکھی۔ اُن ں رات کو آگ اور دن کو رنگین جھنڈیوں سے پیغام دیے جاتے تھے۔ چند دن سوری کو کوئی جواب ملا مگر اُسے یقین تھا کہ ایک روز اُسے جواب ملے گا۔ چنانچہ ایک رات اُس بستی سے ہلکی سی آگ ہوئی۔ سوری سمجھ گیا کہ اباں اِس بستی میں موجود ہے۔

اگلے دن شام سے پہلے وہ بستی سے قریب جنگل میں پہنچ گیا۔ اُبھرے ہوئے ایک ے پتھر کی اُوٹ میں بیٹھ کر ایک تجربہ کار شکاری کی طرح ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کے سامنے رے بکھرے کچے مکانوں کی ایک بستی تھی۔ بستی سے کچھ فاصلے پر گھنے جنگل سے متصل الگ ے نیا نیا بنا ہوا ایک کچا مکان تھا۔ مکان کے چھوٹے سے آنگن میں ایک درخت تلے ایک عورت ے پر روٹیاں پکا رہی تھی۔ اسی اثناء میں ایک چاک و چوبند جوان جو تیر کمان سے مسلح تھا ایک

چٹان کے عقب سے نمودار ہوا اور تیز تیز قدموں سے مکان کے اندر داخل ہوگیا۔ دو چار منٹ بعد وہ ایک چارپائی اُٹھائے باہر آیا اور چولہے کے قریب چارپائی بچھا کر دراز ہوگیا۔ وہ تھکا تھکا لگتا تھا۔ نوجوان عورت اُٹھی اور درخت کے تنے کے ساتھ پڑے مٹی کے گھڑے سے ایک پیالے میں پانی اُنڈیل کر اُسے دیا جو اُس نے لیٹے لیٹے پی لیا۔ تھوڑی دیر بعد کھانا تیار ہوگیا اور دونوں چارپائی پر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہوگئے۔ سورسی نے اباں اور بُچا پہلوان کو پہچان لیا۔

بُچا پہلوان بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ جلد گہری نیند سو گیا۔ سورسی کو جب یقین ہوگیا کہ بُچا پہلوان سو گیا ہے تو چٹان کی اوٹ سے سامنے آ گیا۔ اباں نے اُسے پہچان لیا اور دوڑتی ہوئی اُس کے پاس گئی بہن اور بھائی نے سرگوشی کی۔ اباں نے بتایا کہ بُچا عموماً گہری نیند سو جایا کرتا ہے اور اُس کا ساتھی چند دنوں کیلئے اپنے وطن گیا ہوا ہے۔ اباں اپنے بھائی کو دبے پاؤں گھر لے آئی۔ درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تلوار نیام سے نکال کر سورسی کو دی۔ جس نے پوری قوت سے بُچے پہلوان پر وار کر دیا۔ گردن تن سے جُدا ہوگئی۔ لاش تھوڑی دیر تڑپی اور پھر ہمیشہ کیلئے ٹھنڈی ہوگئی۔ اگلی صبح تک بہن اور بھائی جنگلوں اور ویرانوں سے ہوتے ہوئے سانٹھ بن کی بستی میں پہنچ چکے تھے۔

راجا جیری کے گھرانے میں خوشیوں کی بارات آ گئی۔ ہر سمت سے مہمان آنے لگے اور رانی بیگم کے سکھ پلٹے لمحوں میں شریک ہوتے گئے۔ رانی بیگم کو سورسی کی ماں سے کیا ہوا وعدہ یاد تھا۔ اُس نے اس موقع کو مناسب خیال کرتے ہوئے اپنے خاندان کے تمام افراد کی دعوت کا اہتمام کیا۔ دعوت کا مقام سانٹھ بن طے پایا۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاہانہ ضیافت تھی۔ ڈنگر بکرے ذبح ہوئے اور گھی چاول تیار ہوئے۔ کڑاہی میٹھی ڈش تھی۔ مہمانوں کی پُرتکلف تواضع کی گئی۔ رانی بیگم نے مہمانوں کے سامنے سورسی اور اُس کی ماں کو اپنے دسترخوان پر دیگر بیٹوں اور پوتوں کے ہمراہ بٹھا کر کھانا کھایا۔ مہمانوں اور اپنے خاندان کے افراد کی موجودگی میں اعلان کیا کہ سورسی کی ماں سے کیا ہوا وعدہ آج وہ پورا کرتی ہے۔ خاندان کی قدیم رسم سے تجاوز کرتے ہوئے سورسی کو اپنے دیگر بیٹوں کی طرح بیٹا قرار دیتی ہے اور سورسی کو راجا جیری کی وراثت میں شریک کرتے ہوئے چارہان کا شمال مشرقی علاقہ اُس کے حوالے کرتی ہے۔ روایت ہے کہ اِس ضیافت کے بعد سورسی اپنی ماں کے ساتھ اپنے علاقہ میں چلے گئے اور سوراسی کے نام سے اپنی نئی بستی آباد کر لی۔

داستان۔۲

1940-50ء کے دور میں کیٹھوالوں سے یہ سوال اکثر پوچھا جاتا تھا کہ اُن کی افرادی قوت دیگر قبائل کی نسبت بہت کم کیوں ہے حالانکہ یہ قبیلہ اس خطۂ ارض میں سب سے قدیم ہے۔ بڑے بوڑھے اس سوال کے جواب میں ایک قدیم داستان سنایا کرتے تھے۔ اس داستان کو عرفِ عام میں ''اَباں ناں واقعہ'' کہتے تھے۔ ڈوم اور میراثی مرثیے اور نوحے گا کر سناتے تھے اور کیٹھوال اس داستان میں ذکر واقعہ کو سچ مانتے تھے۔

داستان کے مطابق کشمیر کا ایک نامور پہلوان بُچا پہلوان موجودہ کرور گاؤں کے نواح مین قتل ہو گیا۔ دو تین دن تک کسی کو اس قتل کا علم نہ ہو سکا کیونکہ جس مکان میں یہ رہائش پذیر تھا وہ بستی سے ذرا ہٹ کر جنگل کے ساتھ تھا۔ اتفاق سے بستی کا کوئی آدمی جنگل کی طرف گیا جب وہ اس مکان کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے صحن میں پڑی ایک چارپائی پر خون آلود لاش دیکھی۔ سر تن سے جُدا نیچے زمین پر پڑا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ فوراً بستی میں آیا اور لوگوں کو لاش کے بارے میں بتایا۔ اہلِ بستی فوراً موقع پر پہنچے مرنے والے کی شناخت ہوگئی۔ چونکہ لاش بدبو چھوڑ چکی تھی اس لئے اہلِ بستی نے لاش امانتاً دفن کر دی اور دو پیادے اطلاع کیلئے اُس کے علاقے میں بھیج دیے۔

کورا اور بُچا شکاری دوست تھے جن کا تعلق دریائے جہلم کے اُس پار کشمیر کے علاقے سے تھا۔ وہ شکار کیلئے اکثر دُور دراز علاقوں میں چلے جایا کرتے تھے۔ جس مقام کو پسند کرتے وہاں قیام کر لیتے اور جس طرح کا شغل چاہتے اختیار کر لیتے تھے۔ لُوٹ مار اور قتل وغارت سے انہوں نے علاقہ میں اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ لوگ اُن سے اتنے ڈرتے کہ اُن کی رہائش کے قریب سے بھی نہ گزرتے تھے۔

کچھ ہی دنوں بعد کورا اپنے ساتھیوں سمیت کرور پہنچ گیا۔ دفن شدہ لاش نکالی اور اپنے گاؤں لے گیا۔ لاش دفن کرنے سے پہلے کورا اور اُس کے ساتھیوں نے عہد کیا کہ وہ بُچا پہلوان

کے قتل کا ضرور بدلہ لیں گے۔اُن کے خیال کے مطابق یہ قتل اباں نے کیا ہے۔وہ بُچا پہلوان کو قتل کرنے کے بعد واپس اپنے آبائی گاؤں چلی گئی ہے۔ چنانچہ کورا نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور راجا جیری کی رہائشی بستی پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ سردیاں پورے جوبن میں تھیں رانی بیگم اپنی بیٹی اباں کے ساتھ چلاورہ میں مقیم تھیں۔کورا اور اُس کے ساتھی اُجرتی ڈاکوؤں کے ساتھ پتریاٹا جنگل میں پہنچ گئے۔ دن کے وقت وہ مختلف روپ دھار کر بستیوں میں نکل جاتے۔اور بڑے انجانے پن سے راجا جیری کے خاندان کے بارے میں معلومات حاصل کرتے اور رات جنگل میں روپوش ہو جاتے۔کئی دنوں کی کوشش کے بعد اُنہیں یقین ہو گیا کہ اباں اپنی ماں کے ساتھ چلاورہ میں رہتی ہے۔ایک رات رانی بیگم کے گھر پر ایک ڈاکہ پڑا اور ڈاکو اباں کو اُٹھا کر لے گئے۔

راجا جیری کا گھرانہ ایک بار پھر دُکھ اور مصائب کا شکار ہو گیا۔دو چار دن میں اس امر کی تصدیق ہو گئی کہ مقتول بُچا پہلوان کا دوست کورا ایک منظم اور مسلح ڈاکے کے ذریعے اباں کو اغوا کر کے اپنے گاؤں لے گیا ہے۔بڑے بوڑھے سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور واقعہ سے نبٹنے کیلئے ایک بڑے جرگے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

راجا جیری کے بیٹوں نے سانٹھ بن کے مقام پر ایک بڑے جرگے کا بندوبست کیا جس میں قبیلے کے تمام معززین اور اکابرین نے شرکت کی۔اُس وقت تک اس خبر کی تصدیق ہو چکی تھی کہ کورا اور اُس کے ساتھی اباں کو اغواء کر کے اپنے علاقے میں لے گئے ہیں۔ایک روایت کے مطابق اس علاقہ سے مراد مظفر آباد کے نواحی گاؤں تھے۔ایک دوسری روایت میں سری نگر میں جھیل ڈَل کا نام لیا جاتا ہے۔جبکہ ایک تیسری روایت بھی ہے جس کے مطابق ملوٹ ستیاں سے کوہالہ تک دریائے جہلم کے اُس پار آزاد کشمیر میں کورا اور بُچا کا وطن تھا۔یہ بھی سُنایا جاتا ہے کہ ان دو جوانوں کا تعلق بمبہ یا کھکھہ قبیلے سے تھا جن کی بستی کے قریب ایک گہری ڈَل (جھیل) تھی۔

جرگہ میں پورے غور وخوض کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اباں کی بازیابی راجا جیری کے خاندان اور قبیلے کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا ہے۔اباں کو ہر حالت میں واپس لانا ہے۔یہ بھی طے پایا کہ عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو چھوڑ کر تمام افراد اُس لشکر میں شامل ہو جائیں جو اباں کو ڈاکوؤں کی قید سے چھڑانے کیلئے علاقہ کشمیر میں جائے گا۔

مشہور عام روایت ہے کہ غیرت کے نام پر مَر مٹنے کے لئے ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ اُس دور میں کیٹھوالوں کے علاقہ میں زندہ پیر کے نام سے کوئی ولی اللہ رہتے تھے۔ سالار لشکر نے آستانے پر حاضری دی۔ اور اُن کی دُعاؤں کے ساتھ یہ لشکر اُس خونی مہم پر روانہ ہو گیا جس کے نتیجہ میں راجا جیری کے قبیلے کا کوئی نوجوان، جوان اور ادھیڑ عمر کا مرد زندہ نہ بچ سکا۔ آن کی خاطر ترتیب پانے والے اس لشکر نے ملوٹ ستیاں اور کوہالہ کے درمیان غالباً چھپریاں کے مقام سے کشتیوں کے ذریعے دریائے جہلم عبور کیا۔ اُس پار کے علاقائی سرداروں کو جب اِس بڑے لشکر کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی تو اُنہوں نے فوراً ایک جرگہ طلب کیا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ اُن کے بس کی بات نہیں، دُشمن سے مقابلہ کرنے کی خاطر ایک خوفناک منصوبہ تیار کر لیا۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق سرداروں نے گاؤں کی حدود سے کافی باہر ایک وفد کی شکل میں حملہ آور لشکر کا میزبانوں کی طرح استقبال کیا۔ عزت واحترام سے مہمانوں کی حیثیت سے اُنہیں اپنے گاؤں لے گئے۔ ہلکی پھلکی تواضع کے بعد دونوں طرفوں سے معززین کا ایک مشترکہ جرگہ ہوا۔ کیٹھوالوں کی تمام شرائط مان لی گئیں۔ بظاہر کشت وخون کے بغیر معاملہ طے ہو گیا۔

رات کو ایک پُر لطف ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ مہمان اور میزبان گئی رات تک آگ تاپتے اور گپ شپ لگاتے رہے۔ قبیلے میں معروف عام روایت ہے کہ دُشمن نے طے شدہ حکمت عملی کے مطابق مہمانوں کی شب بسری کا انتظام ایک منجمد ڈل پر کیا۔ ڈل مقامی زبان میں اُس ٹھہرے ہوئے پانی کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں کے درمیان رُک کر جھیل کی صورت اختیار کر لے۔ شدید سردیوں میں یہ رُکا ہوا پانی منجمد ہو کر شیشے کی صورت فرش بن جاتا ہے۔ اُن دنوں موسم شدید سرد تھا۔ کورے کے فرش پر خشک پتوں اور گھاس کی موٹی تہہ بچھا کر مہمانوں کیلئے گرم بستر لگا دیے گئے۔ چھت پر ترپال تان کر موٹے کمبلوں کی دیواریں اُٹھا دی گئیں۔ بظاہر مزید آسائش کی خاطر چاروں طرف چولہے رکھ کر اُن میں آگ بھی جلا دی گئی۔ سفر سے تھکے ہوئے مہمان لیٹتے ہی گہری نیند سو گئے۔ میزبانوں کو جب اطمینان ہو گیا کہ سب لوگ سو گئے ہیں تو انہوں نے مہمانوں کے ارد گرد منجمد فرش کے اوپر آگ تیز کر دی۔ تھوڑی دیر میں کورا پگھلا اور سونے والے بڑی خاموشی سے ڈل کی تہہ میں پہنچ گئے۔ ایک فرد بھی زندہ نہ بچ پایا جو سرگذشت سنا سکتا۔

کئی دنوں بعد کسی رحم دل انسان نے اس المناک حادثے کی خبر قبیلے تک پہنچا دی۔

بوڑھوں اورعورتوں پر کیا گزری ۔یوں سمجھیں کہ ایک قیامت بپا ہوگئی جس میں پورا قبیلہ بھسم ہوگیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس حادثے کے دوسرے دن اباں بھی اس گہری جھیل میں کُود کر اپنوں سے جاملی۔

تبصرہ

ان دونوں داستانوں میں کوئی بھی واقعہ ماورائے عقل نہیں۔معمول کی وارداتیں ہیں۔ اِن میں مبالغہ آمیزی کی بجائے اختصار زیادہ ہے۔ داستانیں سُننے والے اور مابعد پڑھنے والے مزید سُننا اور پڑھنا چاہتے ہیں مگر راوی اور راقم کے پاس اور لکھنے کیلئے کوئی تفصیل نہیں۔ایسا لگتا ہے کہ اہلِ قبیلہ ان لوک داستانوں Loc Tales میں کوئی دلچسپی نہ لیتے تھے۔شاید اس لئے کہ ان کہانیوں میں قبیلے کے آباؤاجداد کی ناکامی اور تضحیک کا پہلو بھی ہے یا روایتی عادت کہ اُنہیں ماضی سے کوسروکار نہیں۔ وجوہات کچھ بھی ہوں مگر اس قبیلے سے متعلق مراثیوں اور ڈوموں نے زمان ومکاں کے بارے میں حقائق میں کمی بیشی ضرور کی ہے۔اہلِ قبیلہ بھی ان بنیادی داستانوں میں کبھی کبھی اپنے خیال اور قیاس کو شامل کرتے رہے ہیں۔ اِس دور کے اہل قلم جب یہ قدیم لوک داستانیں سُنتے ہیں تو اُن کے ذہن میں اِس طرح کے سوال اُبھرتے ہیں:

۱۔ یہ کہ ان کہانیوں کے کردار کورا اور بُچا کا تعلق اگر کھکھ بمبہ قبیلے سے تھا جو سری نگر کے نواح میں مقتدر قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا تو تواریخ کشمیر میں اِس نام کے قبیلے کے اقتدار کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ کھکھ اور بمبہ دو الگ الگ قبیلے ہیں جن کی اپنی تواریخ میں اس عظیم واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ کھکھ راجہ مل کا بیٹا تھا جو محمود غزنوی کے دَور میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا اور بعد میں تُرک وطن کر کے کشمیر کے پہاڑوں میں آبسا۔ بمبہ قبیلے کی تاریخ کے مطابق اُن کے آباؤاجداد عربی النسل تھے اور تبلیغِ اسلام کی خاطر کشمیر میں وارد ہوئے تھے۔مگر ''سانحہ ڈَل'' اِن قبائل کی آمد سے قبل کا ہے۔ چار ہان کے نواح میں آباد تین بڑے قبیلے ستی، دھنیال، اور ڈھونڈ جن کی اپنی تاریخ کافی پرانی ہے وہ کیٹھو والوں کو اس خطۂ ارض میں قدیم ترین قبیلہ مانتے ہیں۔

۲۔ ڈل سے مراد داستان گو سری نگر کی مشہور عالم جھیل بتاتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ دریائے جہلم کے اُس پار نواحی بستیوں کی کسی ڈل (جھیل) کا یہ سانحہ ہے جس کے آثار شاید آج

بھی موجود ہوں گے۔ سری نگر کی جھیل ڈل میں پیش آنے والا یہ حادثہ قرینِ قیاس نہیں۔ کیوں کہ کسی تاریخ میں اِس سانحہ کا ذکر نہیں ملتا۔

۳۔ کیٹھو زندہ بچ جانے والا واحد بچہ تھا جس کی اولاد آج چارہان، گہل، پڑہنہ اور دھیر کوٹ میں آباد ہے۔ اگر راجا جیری کی نسل سے زندہ بچ جانے والے کیٹھو کی اولاد کیٹھوال ہے تو راجا جیری کے قبیلے یا خاندان کا کیا نام تھا اور سوری خاندان کو کیٹھوال کیوں کہتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ راجہ جیری کے اسلاف میں کسی مقتدر شخصیت کا نام کیٹھو ہوا ہو جو اِس قبیلے کا حقیقی مورثِ اعلیٰ ہو۔

نصف صدی پہلے کیٹھوالوں کے اسلاف کے بارے میں یہ روایت مقبول عام تھی کہ اُن کے اسلاف کا نسلی اور نسبی تعلق سکندر ہفت اقلیم کے خاندان سے ہے۔ بعض لوگ سکندر سے مراد سکندرِ اعظم مقدونی لیتے تھے۔ بڑے بوڑھے سکندر ذوالقرنین کا نام بھی لیتے تھے اور کوئی لوگ صرف ذوالقرنین کہتے تھے جن کا ذکر قرآنِ پاک میں ہے۔ مگر قبیلے میں معروف ترین روایت یہ تھی کہ کیٹھوالوں کا نسلی تعلق ذوالقرنین قرآنی سے ہے۔ اِس معروفِ عام روایت میں کافی وزن معلوم ہوتا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ اس روایت کو سنگِ میل مان کر ذوالقرنین تک پہنچنے کا سفر اختیار کیا جائے۔

سانحہ ڈَل کے بعد

ڈَل کے ہولناک حادثے کے بعد راجا جیری کے خاندان اور قبیلے میں کتنے لوگ زندہ بچے اس بارے میں کوئی معروف روایت قبیلے میں موجود نہیں۔ تاہم لوگوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر کچھ اِس طرح کے حقائق سامنے آتے ہیں:

راجا جیری کے زیرِ قبضہ ایک وسیع علاقہ تھا جو جنگلوں اور بیابانوں پر مشتمل تھا۔ راجا اپنے خانوادے اور مطیع وفرمانبردار خاندانوں کی مدد سے اِس بڑے علاقہ پر قابض تھا۔ اِس خطہ کوہسار کے تمام کاشتکار اور گلہ بان راجا کے باجگذار تھے۔ راجا جیری کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی اپنے خاندان سے تھی جس سے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ اِن کے ناموں کے بارے میں کوئی متفقہ

روایت نہ ہے۔ چند نام ایسے ہیں جو ہر روایت میں موجود ہیں۔ اِن کے نام کورسی، بورسی، شیرسی، ناگ سی، چترسی اور راگ سی ہیں۔ دوسری بیوی کشمیری نژاد تھی جس سے صرف ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سورسی تھا۔

راجا جیرسی نے آخری عمر میں زیرتصرف علاقے بڑے بیٹوں کے حوالے کر دیے تھے۔ کورسی کو دریائے جہلم کے ساتھ والے رقبہ جات دیے گئے جو زیر چھجانہ سے لے کر بہمن کوٹ تک پھیلے ہوئے تھے۔ کورسی نے اپنے نام کی مناسبت سے کورینہ کی بستی قائم کی۔ اُن کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام پیروز تھا۔ سیرا اور پورن پیروز کے بیٹا اور بیٹی تھے۔ سانحہ ڈل میں پیروز اور سیرا دونوں مارے گئے۔ ڈوم اور میراثی سیرا کے بارے میں نوحے بھی سنایا کرتے تھے جو پورن نے نوجوان بھائی کی بے وقت موت پر کہے تھے۔ اِس حادثہ کے کئی برس بعد پورن کی شادی ستی قبیلہ کے جدِ اعلیٰ کے پوتے بہرمن Behrman (موسن) سے ہوئی اور اپنے باپ کا سارا علاقہ اُسے رسم کے مطابق داج (جہیز) میں دے دیا گیا۔ دوسرے بیٹے بورسی کو نڑائی کا علاقہ دیا گیا جو موجودہ کوٹلی کے جنوب مغرب کے رقبہ جات پر مشتمل تھا۔ بورسی نے اپنے نام پر بورحد بستی کی بنیاد رکھی۔ بن سانٹھ اور اُس کے نواح کا سارا علاقہ راجا جیرسی نے اپنے تحت رکھا مگر تقسیم میں یہ علاقہ شیرسی کا تھا۔ موسم گرما میں راجا جیرسی اِس بیٹے کے ساتھ سانٹھ بن میں رہتے تھے۔ وگہل اور چلاورہ کا علاقہ ناگ سی کے حصہ میں آیا۔ راجا جیرسی موسم سرما میں چلاورہ میں قیام کرتے تھے۔ سانٹھ بن کے شمال مغرب میں اُونچے پہاڑوں کے دامن میں واقع تمام علاقہ چترسی کو مل گیا جو باپ کی زندگی میں ہی اپنے علاقہ میں چلے گئے تھے۔

راجا جیرسی کی دوسری بیوی سے واحد اولاد سورسی تھے۔ قدیم رسم کے مطابق دادا کی وراثت میں وہ اولاد محروم رہتی تھی جن کی ماں کا نسلی تعلق کسی دوسرے خاندان یا قبیلے سے ہو۔ سُورسی کو کوئی علاقہ نہ دیا گیا۔ راجا جیرسی کے اس عمل سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب علاقے راجا جیرسی کے باپ یا دادا نے حاصل کئے تھے۔ سورسی کے بارے میں یہ بھی روایت ہے کہ اُن کی پیدائش کے چند روز بعد ایک بیابانی درویش گھومتا ہوا آیا۔ نومولود کو دیکھ کر اس کا نام ''سورما'' تجویز کیا اور پیش گوئی کی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر بہت دلیر اور بہادر ہوگا۔ بعد میں یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔ جب پہلی بار جیرسی کی بیٹی اغواء ہوئی تو سورسی خطرناک ڈاکوؤں کے خلاف تنہا مہم پر نکل پڑا۔ جب

ڈاکو کو قتل کر کے بہن کو واپس لایا تو رانی بیگم نے وعدہ کے مطابق اسے اپنے بیٹوں کے مساوی درجہ دے کر جیری کی وراثت میں حصہ دار بنا دیا۔ موجودہ گلہڑہ گلی سے لے کر چھجانہ تک کا علاقہ سوری کے حوالے کیا گیا تھا۔

راجہ بوری نرینہ اولاد سے محروم تھے۔ اُن کی صرف ایک بیٹی تھی جس کا نام شعلہ بانو (سہلالہ یا صلالہ بانو) تھا۔ جب مورثِ اعلیٰ قبیلہ ستی حضرت بابا ستی کی اُن سے شادی ہوئی تو راجا بوری نے برحد گاؤں معہ دیگر نواحی بستیاں اُنہیں داج میں دے دیں۔ ناگ سی اور چتر سی کی اولاد کے بارے میں کوئی روایت اور ثبوت موجود نہیں۔ چارہان گاؤں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ اس بستی کا بنیادی نام ''چتر گراں'' جو بعد میں لفظی تبدیلی کے ساتھ چارہان بن گیا۔

شیری کا ایک بیٹا تھا جس کا نام بھاگ سی بتایا گیا ہے۔ ڈل سانحہ میں قبیلے کی روایت کے مطابق تمام مرد مارے گئے سوائے بھاگ سی کے ایک شیر خوار بیٹے کے جس کا نام قبیلے کے کسی جدِ اعلیٰ کے نام پر کیٹو (کے۔ٹو) رکھا گیا۔ کیٹو کا نام بعد میں علاقائی زبان کے اثر کے تحت کیٹھو بن گیا۔ چارہان کے گردونواح میں آباد کیٹھوال اسی کیٹھو کو اپنا جدِ اعلیٰ مانتے ہیں۔

راجا جیری، رانی بیگم، ناگ سی اور دیگر چار بیٹوں کی قبریں چلاورہ گاؤں میں موجود ہیں۔ کوری اور اُن کی بیوی کوٹلی بازار اور چوڑا بازار کے درمیان برلب سڑک کاہو کے ایک قدیم پیڑ تلے دفن ہیں۔ قبروں کے نشان اب باقی نہیں رہے۔ کاہو کا درخت جو قبروں کے عین اوپر ہے شعبۂ نباتات کے ماہرین کے مطابق تقریباً گیارہ سو سال پرانا ہے۔ تحصیل کوٹلی ستیاں کے موضع بُرحد میں چونترہ کے مقام پر ''دارہ'' نام کا ایک قدیم قبرستان ہے۔ مشہور عام روایت ہے کہ کاہو کے بہت بڑے اور قدیم درخت کے نیچے راجا بوری، راجا شیری، اُن کی بیگمات، راجا بوری کی بیٹی صلالہ بیگم، سنگی ستی، مومن ستی اور اُن کے اہل خانہ اسی قبرستان میں سپردِ خاک ہیں۔

یہ بھی ایک روایت ہے کہ سانحہ ڈل کے بعد سوری کی بیوی کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام منگا تھا۔ منگا کی اولاد سوری کہلاتی ہے۔ قبیلہ کیٹھو میں کوئی کہانی یا روایت دستیاب نہیں جس سے یہ معلومات حاصل ہو کہ سانحہ ڈل سے بچ جانے والے کیٹو اور منگا کے اوقات کیسے گزرے اور بوڑھوں اور مستورات پر کیا بیتی۔

داستان۔۳

پیر دس بندیؒ

بن بازار کے درمیان جامع مسجد کے ساتھ پیر دس بندیؒ کا روضہ مبارک ہے۔ مقبرے کے اندر دو پختہ قبریں ہیں۔ قبروں کی سمت اور رُخ معمول کے مطابق نہ ہے حالانکہ مقبرے کے قریب قدیم قبریں معمول اور رواج کے مطابق ہیں۔ کیٹھوالوں کا دعویٰ ہے کہ یہ مدفون ہستیاں اُن کے اجداد ہیں۔

آج کل یہ زیارت گاہ ''دربار کمیٹی'' کے تحت ہے۔ روزمرہ کا انتظام دربار کمیٹی چلاتی ہے۔ قرب وجوار سے زائرین آتے ہیں اور روحانی فیض پاتے ہیں۔ سالانہ عرس بھی منعقد ہوتا ہے۔ جس میں عقیدت مند ڈالیوں کے ساتھ حاضری دیتے ہیں۔ دربار کمیٹی کی جانب سے روضہ شریف کے باہر ''روحانی رابطہ'' کے حوالے سے صاحبِ روضہ کے مختصر کوائف بھی درج ہیں۔

پیر دس بندی کے بارے میں دستاویز دستیاب نہ ہے۔ نئی نسل لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔ جب کہ اِس دور کے بڑے بوڑھے وثوق سے کچھ کہہ نہیں پاتے۔ اِس صورت حال میں پرانے لوگوں جواب اس دُنیا میں نہیں، سے سُنی سنائی باتوں پر انحصار ایک مجبوری ہے۔

پرانے لوگ کہتے تھے کہ کیٹو قبیلے کے ایک جدّ اعلیٰ کلو Kullu تھے۔ جن کے دو بیٹے ساد Saad اور ساہو Sahu تھے۔ ساد سانٹھ بن میں اور ساہو علاقہ گہل میں آباد تھے۔ ساہو کے دس بیٹے تھے جن میں سے سات پیدائشی معذور اور گونگے تھے۔ جب کہ تین بیٹوں کی اولاد گہل، چارہان اور پڑہنہ میں آباد ہے۔ ساد کے بارے میں روایت تھی کہ اُن کا پہلا بیٹا ''مصری'' تھا۔ اُن کے بعد پیدا ہونے والے آٹھ بیٹے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تھے۔ اپنے اکلوتے بیٹے ''مصری'' کو سیر گراں میں آباد کیا تا کہ مقامی آفات واثرات سے محفوظ رہ سکے۔ بابا ساد اور ان کی

بیوی سانٹھی میں رہتے تھے اور اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

پرانی روایت کے حوالے سے ماضی قریب تک اِس خاندان کے بارے میں ایک کہانی مشہور تھی کہ ایک دن ایک جلالی درویش اپنے مریدوں کے ساتھ سانٹھی میں آئے۔ جب درویش بابا ساد کے گھر کے قریب سے گزر رہے تھے اسے اتفاق کہیے بابا ساد اُس وقت گھر میں موجود تھے۔ انہوں نے اِس پروقار درویش سے متاثر ہوکر اپنے گھر میں رُکنے، کچھ دم آرام کرنے اور خورد ونوش کی دعوت دے ڈالی جو درویش بابا نے قبول کرلی۔ میاں بیوی نے درویشوں کی بہت خاطر ومداوت کی۔ مختصر قیام کے دوران درویش بابا نے اِس گھر میں بچوں کی تفصیل معلوم کی تو بابا ساد نے بڑے دُکھی انداز میں صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ درویش بابا کو اس نیک دل گھرانے پر بڑا ترس آیا۔ اُس نے تھوڑی دیر کیلئے آنکھیں بند کیں اور مراقبے کی حالت میں چلا گیا۔ جب حالتِ معمول میں لوٹے تو مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ بابا تیری قسمت میں ایک اور بیٹا ہے۔ اُس کا نام ''دس بندی'' رکھنا وہ میری نذر ہوگا۔ جب دوبارہ آؤں گا تو اُسے ساتھ لے جاؤں گا۔ مگر یہ میرا وعدہ رہا کہ جب لڑکا جوان ہوگا تو تمہیں لوٹانے خود آؤں گا۔

درویش کا قول سچ ثابت ہوا۔ بابا ساد کے گھر ڈھلتی عمر میں ایک خوبصورت بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ''دس بندی'' رکھا۔ واضح رہے کہ دیگر قبائل میں بھی اسی طرح کے حالات میں دس بندی بچے پیدا ہوئے اور نامور ٹھہرے۔ دس بندی دراصل ''دست بند'' کا بدلا ہوا لفظ ہے۔ جس کا مفہوم ''رکاوٹ'' یعنی اولاد کی پیدائش یا اموات کا رُک جانا ہے۔ تین سال بعد ایک شام وہی درویش ہمراہ مریداں بابا ساد کے گھر آیا۔ رات قیام کیا اور بچہ طلب کیا۔ رات بھر کی سوچ بچار کے بعد میاں بیوی نے فیصلہ کیا کہ بچہ درویش کے حوالے کردیا جائے۔ کم از کم اُن کا بیٹا زندہ رہے گا اور بقول درویش جواں حالت میں واپس مل جائے گا۔ اگلی صبح درویش بچہ اپنے ساتھ لے گئے۔ پندرہ سال گزر گئے۔ والدین آس آس میں زندگی کے آخری دن گزار رہے تھے۔ انہیں اُمید تھی کہ اُن کا بیٹا ضرور واپس آئے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ گرمیوں کی ایک دوپہر وہی درویش ایک خوبصورت نوجوان کے ساتھ بابا ساد کے گھر آیا۔ بابا ساد گھر میں نہ تھے۔ وہ راتھل کی زمینوں پر کام کروا رہے تھے۔ درویش بابا نے نوجوان اُس کی ماں کے حوالے کیا اور سخت ہدایت کی کہ لڑکے کو کھانے کے لئے کوئی اناج کی طرح کی چیز ہرگز نہ دینا۔ پینے کیلئے دودھ اور پھلوں کا رَس دیا جائے۔ اِس لئے کہ یہ لڑکا

پچیس برس کی عمر تک ریاضت (چلہ کشی) کی حالت میں رہے گا۔ کچھ دم آرام کرنے کے بعد بابا درویش اپنے مریدوں کے ساتھ چلا گیا۔

اب مامتا جوش میں آئی۔ بے پناہ خوشی کے عالم میں درویش بابا کی ہدایت بھول گئی۔ مکئی کی روٹی کو تازہ مکھن کے ساتھ چوری کیا اور گرم گرم دودھ کے ساتھ لختِ جگر کو پیش کیا۔ اناج کے لقمے کے ساتھ ہی ریاضت کا دھاگہ ٹوٹ گیا۔ پہلا کھانا تناول کرنے کے بعد نوجوان دس بندی چارپائی پر نیم دراز ہوگئے ماں سمجھی بیٹا سوگیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پڑوس کی عورتیں بابا ساد کے درویش بیٹے کو دیکھنے کے لئے آئیں۔ ماں نے بیٹے کو جگانا چاہا مگر بیٹا ابدی نیند سو چکا تھا۔

بابا ساد کو فوراً کھیتوں میں اطلاع دی گئی۔ یہ خبر اتنی غیر متوقع تھی کہ بابا ساد صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے خبر لانے والے کو اِس ہدایت کے ساتھ واپس بھیجا کہ دو قبریں تیار کی جائیں۔ کچھ دیر بعد بابا ساد گھر پہنچے اور جواں سال بیٹے کی لاش دیکھ کر گر پڑے اور دم توڑ دیا۔ وصیت کے مطابق باپ اور بیٹا پہلو بہ پہلو دفن کر دیے گئے۔

یہ ایک قدیم روایتی داستان ہے جو اختصار سے تحریر کر دی گئی ہے۔ اب کے دور میں اِس کی تصدیق مشکل ہے۔ کیوں کہ لوگ آباؤ اجداد کے دور کی جانکاری نہیں رکھتے۔ لوگوں کا ماننا ہے کہ روضہ مبارک میں دو قبریں باپ اور بیٹا کی ہیں جو کیٹھوال قبیلے کی اکثریت کے جداعلیٰ ہیں۔ مقامی آبادی جو روضہ کے حوالے سے فقیر کہلاتی ہے پرانے دور سے مجاورت کے فرائض انجام دیتی آرہی ہے۔ اب روضہ مبارک کا انتظام دربار کمیٹی کے تحت ہے۔ دربار کمیٹی کی جانب سے آویزاں بورڈ پر درج معلومات حیران کُن ہے۔ مقبرے کے اندر قبروں کے رُخ کے بارے میں کوئی معقول معلومات نہیں مل پائی۔ البتہ احتیاط کے ساتھ یہ قیاس ہے کہ ابتدا میں قبروں کا رُخ درست ہوا ہوگا۔ کسی دور میں قبری ہموار ہوگئیں اور عقیدت مندوں نے بے احتیاطی سے قبروں کے نشان بحال کر دیے۔ جب مجاوروں نے اس مقام کو زیارت گاہ بنایا تو تعمیر نو میں احترام کے ملحوظ خاطر قبروں کی حالت جوں کی توں رہنے دی۔ موجودہ صورت حال میں بھی کسی تبدیلی سے عمداً گریز کیا گیا ہے۔

باب۔۳

آثارِ پارینہ

موضوعات: مٹتے آثار

قدیم بستیاں

قدیم جیران

استفادہ: مشاہدہ

مقامی لوگ

مٹتے آثار

کسی قبیلے یا علاقے کی تاریخ مرتب کرنے کیلئے ضروری ہے کہ موجودہ صورت حال سے اچھی طرح باخبر ہو کر ماضی کی جانب بڑھا جائے۔ سماجی وتمدنی زندگی کا غیر جانبدارانہ مشاہدہ اور مطالعہ کیا جائے، آثارِ قدیمہ تلاش کیے جائیں، لوک ورثہ جمع کیا جائے، جسمانی خدوخال میں امتیاز اور اختلاف کی جانچ کی جائے۔ مروجہ زبان کی کڑیاں ملائی جائیں اور معمر ترین لوگوں کی باتوں کو غور سے سنا جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ ماضی کا سفر لاحاصل نہیں ہوسکتا۔

کئی صدیاں گزریں ارضِ ستیاں کا بیشتر علاقہ کیٹو قبیلے کے زیرِ تسلط تھا۔ کوئی ایسی تحریر یا روایتی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ کیٹو قبیلے سے پہلے اس خطہ ارض میں کوئی قبیلہ یا خاندان آباد تھا۔ علاقے میں قدیم ترین بستیاں اور جیران (قبرستان) جن کے بھولتے بسرتے نام اور بڑی تیزی سے مٹتے ہوئے آثار کسی نہ کسی صورت اب تک ملتے ہیں۔ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جن پر اب قدیم آبادیوں کے کوئی نشانات نہیں ہیں مگر قدیم روایات کے حوالے سے لوگ یہ مانتے ہیں کہ یہ کیٹھوالوں کی بستیاں اور جیران تھے۔ نواحی قبائل اور خانوادوں میں متعدد طور طریقے ایسے ہیں جو کیٹھوال سماج سے اپنائے ہوئے لگتے ہیں۔ ان دُھندلے اور مٹتے ہوئے آثار کا تذکرہ اِس لئے ضروری لگتا ہے کہ شاید آنے والے وقتوں میں کسی ریسرچ کرنے والے کو اِن گم ہوتی ہوئی لکیروں کی ضرورت پڑے۔

قدیم بستیاں

ماڑی

آج کے موضع وگہل کا قدیم نام ''ماڑی'' تھا۔ روایت ہے کہ قبیلہ کیٹھو کے آباؤاجداد دریائے جہلم عبور کر کے اس خطہ ارض میں داخل ہوئے اور وگہل گاؤں میں پہلا قیام کیا۔ یہ علاقہ اُس دور میں جنگلوں اور بیابانوں پر مشتمل تھا۔ نو واردوں کو وگہل کا مقام پسند آیا اور یہاں مستقل آباد ہو گئے۔ نو آبادی کا نام ''ماڑی'' رکھا۔ ماڑی ایک بڑے سائز کے مکان کو کہتے ہیں جس کے گرداگرد حفاظتی دیواریں ہوں۔ اِس طرز کے بہت سے مکانات جب ایک محدود مقام کے اندر بنائے جائیں تو اِس چھوٹی سی بستی کو بھی ''ماڑی'' کہتے تھے۔

وگہل (ماڑی) میں قیام کے دوران اِس گمنام قبیلے کے نامعلوم راجا نے مزید علاقے زیرِ تصرف لانے سے پہلے افرادی قوت میں اضافہ کیا۔ اِس غرض کی خاطر علاقے میں بکھری ہوئی آبادی کو اپنے ساتھ ملایا اور اُن کے تعاون سے گردونواح کی بنجر زمینیں جو زراعت اور گلہ بانی کیلئے موزوں تھیں پہلی بار زیرِ کاشت لایا اور مناسب مقامات پر نئی بستیاں آباد کیں۔ چھجانہ، باڑین، وگہل، چلاورہ، دھن گراں اور دھیر کوٹ کی آبادیوں اور جنگلوں میں اُس دور کی آبادیوں کے آثار قدیم ناموں کے ساتھ آج بھی موجود ہیں۔

موجودہ وگہل میں ''تکلہ'' کے مقام پر لشکر کا کیمپ تھا۔ جہاں لڑاکا سپاہیوں کو تربیت دی جاتی تھی۔ ایک ''رسالہ لشکر'' مستقل طور پر ''جیون کوٹھی'' میں رہائش پذیر تھا۔ گھوڑوں اور خچروں کے لئے اصطبل موجود تھے۔

چلاورہ

چلاورہ میں اِس قبیلے کے حکمران خاندان کی سرمائی رہائش گاہ تھی۔ ''رنگ محل'' کے مقام پر محلات تھے اور ''تخت پوش'' کے مقام پر اِن کا خاندانی قبرستان تھا۔ مِٹے مِٹے آثار آج بھی موجود ہیں۔

کورینہ Korina

راجا کورسی نے اپنے نام کی مناسبت سے کورینہ بستی آباد کی۔ راجا جیری نے اپنی زندگی میں اُسے دریائے جہلم کے ساتھ کا علاقہ حوالے کر دیا تھا۔ کسی دور میں یہ علاقہ ''کاہنڈی'' کہلاتا تھا۔ بنیادی بستی کے کوئی آثار نہیں ملتے البتہ گردونواح میں قبیلے کے قبرستان اب بھی کسی نہ کسی صورت موجود ہیں۔

چونترہ Chontrah

راجا کورسی کے علاقہ سے جنوب مغرب میں دریائے سوآں تک کا علاقہ راجا بورسی کو وراثت میں ملا۔ اِس دور کے موضع ''برحد'' میں چونترہ کے نام سے علاقہ برحد کی پہلی بستی بسائی۔ مشرق کی جانب دریائے جہلم تک کا علاقہ اپنی اکلوتی بیٹی صلالہ بیگم کو جہیز میں دے دیا۔ صلالہ بانڈی کے نام سے صلالہ بیگم نے نئی بستی آباد کی۔ ستی قبیلے کی ابتدا اِسی بستی سے ہوئی۔ برحد گاؤں اور نواح میں کیٹھوالوں کی آباد کردہ بستیوں کے مقام اور نام آج تک لوگوں کو یاد ہیں۔

بَرچوہا Barchoha

موضع درنوئیاں کا قدیم نام برچوہا تھا۔ اِس بستی کے اولین آباد کار کیٹھوال قبیلے کے آباؤاجداد تھے۔ قدیم بستیوں کے آثار آج بھی ملتے ہیں۔

سانٹھ بن

راجا جیری کی گرمائی رہائش سانٹھ بن میں تھی۔ یہ بستی کیٹھو قبیلے کے آباؤاجداد نے بسائی تھی۔ سانٹھ سے متصل راتھل کی بستی ہے جس سے نیچے نالے تک کی تمام اراضی کسی دور میں آبی تھی اور چاول کی کاشت کیلئے بہت موزوں تھی۔ غالباً کیٹھو والوں کے آباؤاجداد کو سانٹھ کا علاقہ اِس لئے پسند تھا کہ اِس علاقہ کی نشیبی زمینیں کاشتکاری کیلئے مناسب تھیں اور بالائی جنگل میں نرم گھاس اور چارے والے پودوں کی بہتات تھی۔ یہ ارضیاتی خواص علاقہ چلاورہ میں بھی پائے جاتے ہیں جو اِس قبیلہ کی سرمائی آماجگاہ تھی۔

سُوراسی

روایت کے مطابق بیگم راجا جیری نے اپنے وعدہ کے مطابق گلہڑہ گلی سے چھجانہ تک کا غربی علاقہ اپنے سوتیلے بیٹے سوری کو دیا تھا۔ سوری نے اپنے علاقے میں ''سوراسی'' کے نام سے پہلی بستی بسائی۔ بعد کے دور میں جب کیٹو کی افرادی قوت بڑھ گئی تو سوراسی کے علاقہ میں دخل اندازی شروع کر دی۔ چونکہ آلِ سوری کم تعداد میں تھے اِس لئے آئے دن کے تنازعوں سے تنگ آ کر ترکِ علاقہ کر گئے اور پھر کبھی اِس علاقہ میں واپس نہیں آئے۔

چکہ اور سیری Chakka - Seri

بہیل Behail تحصیل کوٹلی ستیاں میں ''چکہ'' اور ''سیری'' دو قدیم بستیاں ہیں۔ مدھم مدھم آثار آج بھی تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ مقامی روایت ہے کہ یہ علاقہ کیٹھو والوں کا تھا۔ اِن بستیوں میں پرانے دور میں اِس قبیلے کے راجاؤں کی ''رنگ محل'' نام سے رہائش گاہیں تھیں۔ گردونواح کا تمام علاقہ راجا جیری کے زیرِ تسلط تھا۔ راجا اپنے اہل خانہ کے ہمراہ کبھی کبھی اِس علاقے میں آتے اور کچھ دنوں کیلئے اِن محلات میں قیام کیا کرتے تھے۔

ڈَنہ اور سیر Danna - Seir

سانٹھ سرولہ اور نشیبی مقامات کو ''ڈنہ'' اور ''سیر'' کہتے تھے۔ یہ بھی کیٹھو قبیلے کی بستیاں تھیں۔ اِن قدیم بستیوں کے قریب قدیم قبرستان بھی ہیں۔

دہرہ اور ماگری ناں ٹُپّہ Dehra-Magri Nan Tuppa

پھوفنڈی گاؤں سے شمال کی جانب ''دہرہ'' اور ''ماگری ناں ٹُپّہ'' کے نام سے کسی دور میں کیٹھو والوں کی دو بستیاں تھیں۔ بستیوں کے آثار اور قبرستانوں کے نشانات آج بھی ملتے ہیں۔ پرچھن بستی کی چوٹی پر ہموار جگہ کو ''چھتی'' Chhathi کہتے ہیں۔ اِس مقام سے جنگل کی طرف ''چھتی ناں بگلہ'' ''ٹنکیاں ناں بگلہ'' اور ''ہاروٹہ'' میں بھی قدیم آبادی کے آثار موجود ہیں۔

قدیم جیران

ارضِ ستیاں ایک دور میں کیٹو قبیلے کے آباؤاجداد کا وطن تھا۔ اکثر مقامات پر اِس قبیلے کے پرانے قبرستانوں کا وجود اِس حقیقت کا غماز ہے کہ یہ قبیلہ ماضی میں اس علاقے پر بلاشرکت غیر بااختیار رہا ہے۔ نامعلوم دور کے یہ گمنام قبرستان مقامی زبان میں ''جیران'' کہلاتے ہیں۔ اِن جیرانوں کی قدامت کا اندازہ کاہو، ریں، اور کاکڑائی کے اُن بڑے بڑے اور پرانے پیڑوں سے لگایا جاسکتا ہے جو کسی قبر پر بالے کے طور پر استعمال ہونے والی نیم سوختہ لکڑی کے پھوٹ کر درخت بن گئے ہیں۔ ماضی قریب تک علاقہ میں قبر کی چھت پر سبز لکڑی کے بالے استعمال ہوا کرتے تھے۔ قبرستانوں پر موجود اِس طرح کے پیڑ اپنی جسامت اور قدامت کے خود ترجمان ہیں۔

خطہ کوہسار میں کوہالہ سے لے کر پنجاڑ تک دریائے جہلم کے غربی سمت پھیلے ہوئے نامعلوم دور کے قدیم قبرستان اپنی بناوٹ کے اعتبار سے ایک ہی زمانے کے معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر قبریں کچی ہیں، قبروں پر کاہو، ریں اور کاکڑائی کی لکڑی کے بالے استعمال ہوئے ہیں۔ بالوں کے اوپر پتھر کی چپٹی سلیں (Slabs) رکھ کر اوپر مٹی ڈالی ہوئی ملتی ہے۔ نیم سوختہ یا سبز بالے پھوٹ کر اب پیڑ کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ سوکھی لکڑی کے بالے اب بھی قبروں پر دکھائی دیتے ہیں۔ متذکرہ درختوں کو دیمک نہیں لگتی اور اِن درختوں کی لکڑی دیرپا ہوتی ہے۔

اِن قدیم قبرستانوں میں اکثر قبریں پتھروں سے تیار کردہ ہیں۔ دیواروں میں پتھر تراش

کر لگائے گئے ہیں۔ بعض قبروں میں لکڑی کے تختے بھی ملے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ میّت کو لکڑی کی صندوق میں دفن کرنے کا رواج بھی تھا۔ بعض مقامات پر کچھ بڑے سائز کی قبریں بھی ملتی ہیں۔ اِن قبروں میں روایت کے مطابق دو (۲) لوگ دفن ہیں۔ دو بھائی، ماں اور بیٹا، باپ اور بیٹا، یا بیوی خاوند ایک قبر میں دفن ہونے کی روایت سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس قدیم قبیلے میں گہرے رشتوں کی بِنا پر ایک ہی قبر میں دو میتوں کا دفن کرنا کوئی عیب نہ تھا۔ بعض قبرستانوں میں چند ایک قبریں پختہ ہیں جو ''کنیاٹ'' پتھر سے بنائی گئی ہیں۔ شاید اُمراء اور رؤسا کی قبریں اس طرح بنائی جاتی ہوں۔ تمام قبروں کا رُخ ایک سمت نہیں ملتا۔ ہوسکتا ہے کہ موسمی اثرات کے تحت ایسا ہوا ہو یا منہدم شدہ قبروں کو دوبارہ قبروں کی شکل دیتے ہوئے رُخ کا خیال نہ رکھا گیا ہو۔ بعض مقامات پر ایسی قبریں بھی موجود ہیں جو غیر معمولی لمبی ہیں۔ مقامی طور پر اِن قبروں کو ''نوگزی قبر'' کہا جاتا ہے۔ مقامی آبادی ان قبروں کو اولیاءِ کرام کی قبریں مانتے ہوئے ہر جمعرات کو قبر پر دیوا جلاتے ہیں، اِن قبروں پر حاضری دیتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ کچھ لوگ گمنام سرداروں کی قبریں بتاتے ہیں جو امتیاز کی خاطر قدرے لمبی بنادی گئی ہیں۔

اگلے صفحات میں اُن قبرستانوں کا تعارف پیش ہے جو زمانوں کی سختیاں سہتے سہتے اب تک بقا کی جنگ میں مصروف ہیں۔ متعدد قبرستان اِنسان کی بے حسی اور طمع کا شکار ہوکر بُود و ہست سے محروم ہو چکے ہیں۔ باقی ماندہ چند قبرستانوں کا اس مقصد کیلئے تذکرہ کیا جارہا ہے کہ تحقیق اور دریافت سے دلچسپی رکھنے والے احباب اِن باقیات کا تحقیقی جائزہ لے سکیں۔

بسروٹی، نلہ اور دَہلی جاہ کے جیران

نرر Narrar تحصیل کہوٹہ میں زیارت پنج پیر اور فارسٹ ریسٹ ہاؤس کے درمیان بسروٹی Basrooti کے مقام پر ریں Rein کے ایک بڑے اور قدیم پیڑ تلے ایک پرانا قبرستان ہے۔ مقامی روایت کے مطابق یہ قبرستان کیٹھوالوں کا ہے۔ اِس قبرستان میں سُونپل ستی اور اُن کے خاندان کے افراد بھی دفن ہیں۔

پرنڈلہ Prindla گاؤں کی ایک بستی نلہ Nalah میں کاہو کے پرانے درختوں تلے کنیاٹ پتھروں سے تیار کردہ بہت سی قبریں ہیں۔ دَہلی جاہ Dahli Jah میں بھی ایسا ہی ایک قدیم قبرستان ہے جہاں قبروں کے نشانات موجود ہیں۔ مقامی لوگوں کے مطابق یہ کیٹھوال قوم کے قبرستان ہیں۔

چونترہ جیران Chauntra Jeeran

برحد گاؤں میں ایک قدیم پُر وقار قبرستان ہے۔ کاہو کے بہت پرانے اور قد وقامت والے درختوں کے نیچے نامعلوم دور کی بہت سی قبریں ہیں۔ اہل دیہہ اس مقام کو ''دارہ'' Darah اور اس قبرستان کو ''چونترہ جیران'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایک قبر بڑے سائز کی ہے۔ روایت کے مطابق اِس قبر میں دو سگے بھائی دفن ہیں۔ معروف روایت ہے کہ یہ قبریں کیٹھوال قبیلے کی ہیں۔ اسی قبرستان میں راجا بورسی اور راجا شیرسی دفن ہیں۔ اُن کی بیگمات اور قرابت دار بھی اسی گورستان میں محوِ خواب ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ راجا بورسی کی اکلوتی بیٹی صلالہ بیگم اُن کا بیٹا سنگی ستی اور پوتا بہرمن (مومن ستی) اور مومن ستی کا بیٹا تہری Tahri اور اُن کی بیگمات بھی اسی قبرستان میں دفن ہیں۔ برحد گاؤں میں ہی ''ترکھڑا'' ''پڑ'' اور ''پونول'' کی قدیم بستیوں اور قبرستانوں کے آثار بھی ملتے ہیں جنکے بارے میں روایت ہے کہ یہ بستیاں اور قبرستان کیٹھوال قبیلے کے آباؤ اجداد کی ہیں۔

کورینہ بازار کے نواحی قبرستان

کوٹلی گاؤں ''پٹی نی چک'' اور ہائر سیکنڈری سکول کے قریب قدیم قبرستانوں کے آثار ملتے ہیں۔ کورینہ بازار اور چورہ بازار کے درمیان برلب سڑک کاہو اور ریں کے پرانے درختوں تلے بہت پرانا قبرستان ہے۔ مشہور عام ہے روایت کے مطابق اِن درختوں کے عین نیچے راجا کورسی اُن کی بیگم اور دیگر اہلِ خانہ کی قبریں ہیں۔ یہ پیڑ کم وبیش بارہ سو سال پرانے ہیں۔ قدیم دور

میں قبروں پر پختہ پتھر کی سلیں Slabs استعمال ہوتی تھیں۔ اِن درختوں کے تنوں کے قریب اب بھی یہ سلیں اصل حالت میں موجود دکھائی دیتی ہیں۔ اِس قبرستان سے جانب مشرق کچھ فاصلے پر ایک دوسرا بڑا قبرستان ہے جو کاہو کے بڑے درختوں تلے ہے۔ بڑے درخت کے اِردگرد پتھروں کے بڑے بڑے تراشے ہوئے تختوں سے ایک بڑا چوک بنا ہوا ہے۔ روایت ہے کہ راجا کورسی اِس چوک پر بیٹھ کر علاقائی فیصلے کیا کرتے تھے۔ چوک کے آثار اب بھی واضح دکھائی دیتے ہیں۔ مرکزی جامع مسجد سے ملحقہ ایک قدیم قبرستان بھی کیٹھوال قبیلے سے منسوب ہے۔ آج کل اس قبرستان پر دو کانیں تعمیر ہو گئی ہیں۔

کورینہ کلاں میں جیران

کوٹلی بازار سے ساڑھے تین کلومیٹر کے فاصلے پر کورینہ کلاں کی قدیم بستی ہے۔ راجا کورسی کے علاقے کی یہ بنیادی بستی ہے۔ کسی دور میں کورینہ اور کورینہ کلاں ایک ہی گاؤں تھا۔ کورینہ کلاں میں قبیلہ کیٹھوال کی بہت سی نو آبادیاں تھیں۔ ان بستیوں کے ساتھ اِن ناموں سے ہی قبرستان موجود ہیں۔ چند ایک بستیوں اور قبرستانوں کے نام یہ تھے:

سامل تھل Samlathal، چمباں Chamban، دیوان Divan، کانویلہ Kanveela، لال سری Lal Sari وغیرہ۔ یہ سب بستیاں اور قبرستان کیٹھوالوں کے تھے۔

سانٹھ سرولہ اور سانٹھ انوالی کے جیران

سانٹھ سرولہ میں ''سیرے ناں جیران'' اور ''سیرے نی گور'' کیٹھوال قبرستان مانے جاتے ہیں۔ سانٹھ انوالی میں برلب سڑک نامعلوم دَور کا ایک بڑا قبرستان ہے۔ قدیم قبروں کے آثار موجود ہیں۔ روایت کے مطابق یہ قبرستان بھی کیٹھوال دور کا ہے۔

تخت پوش چلاورہ

چلاورہ گاؤں میں ''تخت پوش'' کے مقام پر بہت پرانا ایک قبرستان موجود ہے۔ دو قبریں اکٹھی ہیں۔ اِن قبروں کے شمال کی جانب تقریباً دو میٹر کے فاصلے پر سات قبریں ترتیب سے ہیں۔ یہ سب قبریں کنیاٹ پتھر سے تیار شدہ ہیں۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب آج کل یہ قبریں تیزی سے بے نشاں ہو رہی ہیں۔ 1970ء میں جب پہلی بار میں اس قبرستان پر گیا تو اِن قبروں کے نشانات بالکل واضح تھے۔ اِس قبرستان سے متصل حاجی ڈھیر وخان سے میری ملاقات ہوئی۔ اُس وقت حاجی صاحب علاقہ بھر کے معمر ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ گفتگو کے آداب، طور طریقے، قبائل کے بارے میں معلومات اور علاقائی واقعات سے باخبری اِس قدر جامع اور مؤثر تھی کہ آج بھی اِس بات کا قائل ہوں کہ جہاں گردی کے دوران اِس خطۂ ارض سے اُن جیسا سیانہ اور مہذّب بزرگ کوئی دوسرا دِکھنے میں نہیں آیا۔ اُس وقت اُنہوں نے اپنی عمر اسّی سال سے زیادہ بتائی تھی۔

حاجی صاحب نے بڑی ہمدردی اور پیار سے اپنی یاداشت کے سب دریچے ایک ایک کر کے کھول دیے۔ مجھے ایسا لگا جیسے قدیم تاریخ کے اوراق بڑی احتیاط سے اور پوری ترتیب سے میرے سامنے کُھل رہے ہیں۔ وہ خود مجھے قبرستان پر لے گئے اور ایک ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر تفصیل سے بتایا۔ دو قبروں کے بارے میں بتایا کہ یہ قبریں راجا جیری اور رانی بیگم کی ہیں۔ سات قبریں راجا جیری کے اہل خانہ کی ہیں۔ سوائے تین کے باقیوں کے نام نہ بتا سکے۔ یہ تین نام ایکاسی، ناگ سی، اور راگ سی تھے جو راجا جیری کے بیٹے تھے۔

حاجی صاحب نے اس قبرستان کے قریب وہ مقام بھی بتایا جہاں راجا جیری کی سرمائی رہائش گاہ تھی اور یہ رہائش گاہ ''رنگ محل'' کہلاتی تھی۔ قریب کی ایک اونچی جگہ سے وہ تمام نشیبی جگہیں بتائیں جن پر کیٹھوال کبھی چاول کاشت کرتے تھے۔ اِس کے بعد حاجی صاحب اپنے گھر

لے گئے اور خوب تواضع کی۔ اِس دوران مجھے کیٹھوالوں کی قدیم داستانیں سنائیں اور ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک کتاب دکھائی جو قدیم فارسی زبان میں تھی۔ اِس میں کیٹھوالوں اور ستیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ اُن دنوں میں تاریخِ ستیاں ترتیب دے رہا تھا۔ ستی قبیلے کے بارے میں سب کچھ نوٹ کر لیا مگر کیٹھوال قبیلے کے حالات وواقعات کا صرف سرسری مطالعہ کیا۔ مجھے آج افسوس ہو رہا ہے کہ میں کیٹھوال قبیلے کے بارے میں سب کچھ نہ لکھ سکا۔ حاجی صاحب نے کیٹھوال قبیلے کے آباؤاجداد کا ایک چھوٹا سا شجرہ بھی لکھوایا جو آج میرے لیے گوہرِ نایاب ہے۔ حاجی صاحب جب تک زندہ رہے وہ اس قبرستان کی دیکھ بھال کرتے رہے۔

وگہل میں قدیم جیران

موضع وگہل میں ''چوکی''، ''جیون کوٹھی'' اور ''پڑاں ناں کھیتر'' کے مقامات پر کیٹھو قبیلے کے قدیم قبرستان موجود ہیں۔ روایت کے مطابق کیٹھوالوں کے آباؤاجداد جب پہلی بار اِس علاقہ میں وارد ہوئے تو موجودہ گاؤں میں ''ماڑی'' کے نام سے پہلی بستی بسائی۔ ''پڑاں ناں کھیتر'' کے قدیم قبرستان میں راجا مقرب کی آخری آرام گاہ ہے جسے مقامی لوگ ''سلطان ناں جیران'' کہتے ہیں۔ اِن مقامات پر یہ قدیم قبرستان کیٹھوال قبیلے سے منسوب ہیں۔ آج کل اِن کے آثار بھی آخری ہچکی لے رہے ہیں۔

سانٹھ بن کے قدیم جیران

بمقام بن بازار روضہ پیر دس بندیؒ کے قریب ایک قدیم قبرستان ہے۔ قبریں منہدم ہو چکی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اِس قبرستان میں کیٹھوال قبیلے کے پرانے لوگ دفن ہیں۔

بن بازار سے کنیاٹی روڈ پر بازار سے ملحقہ کیٹھوالوں کا قدیم قبرستان ہے۔ اِس قبرستان میں اکثر قبریں کنیاٹ پتھر کی تھیں۔ اب یہ قبرستان تجاوزات کی زد میں ہے۔

بازار سے تقریباً ایک کلومیٹر جنوب مشرق کی جانب سانٹھی کے مقام پر ایک پروقار اور پُرجلال زیارت ہے۔ ایک قدیم ریں کے درخت تلے ایک چوک بنا ہوا ہے اور ساتھ میں بہت پرانی قبریں ہیں۔ عقیدت مند پورے احترام سے حاضری دیتے ہیں اور اپنی مرادیں پاتے ہیں۔ پرانی روایت کے مطابق طرف راول کے تاجا خان اور اُن کے خاندان کے افراد اِس قبرستان میں دفن ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک نامعلوم سیّد ولی اللہ بھی اِس جگہ پر دفن ہیں۔ بہرحال قرب وجوار کے لوگ اِس زیارت کا بہت احترام کرتے ہیں اور فیض بھی پاتے ہیں۔

چھنگو اڑیاں (اپر پڑھنہ) جیران

ریں کے ایک قدیم درخت تلے ایک مقبرہ ہے۔ آس پاس چیڑھ اور کنگر کے پیڑ ہیں۔ زیارت گاہ عام وخاص ہے۔ ہر جمعرات دُور دُور سے لوگ زیارت کیلئے آتے ہیں۔ منّت، چڑھاوے کی رسم ادا کرتے ہیں۔ رات کو اہتمام سے دیا جلایا جاتا ہے۔ مقبرے کے اندر تین قبریں ہیں۔ مدفون کے بارے میں کوئی واضح روایت نہیں ملتی۔

قدیم جیران لوئر پڑھنہ (بمقام لڑی)

ریں، کاہو، کنگر اور چیڑھ کے درختوں تلے ایک قدیم قبرستان ہے۔ اِس قبرستان میں اکثر قبریں کنیاٹ پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ اخروٹ کے بڑے درخت کے نیچے ایک پختہ قبر ہے۔ روایت ہے کہ یہ قبر پیر بخش کی ہے جن کا تعلق پتی تاجا سے ہے۔ دیگر پختہ قبروں میں اِسی پتی کے حیات اللہ، کرم شیر اور دیگر اہلِ خانہ دفن ہیں۔ یہ قبرستان لڑی Larri کے مقام پر ہے۔

بری امام کی بیٹھکیں

حضرت بری امامؒ نے 1660ء تا 1700ء اِس علاقہ میں چلہ کشی کی۔ مختلف مقامات پر

قیام کر کے ریاضت کی۔ اُن کے چلے جانے کے بعد لوگوں نے عقیدت سے چلہ گاہوں پر یادگاری چوک تعمیر کر دیے جو بعد میں بیٹھک کے نام سے مشہور ہو گئے۔

''ہاڑوَنی'' Harvanni کے مقام پر ایک پُر وقار بیٹھک ہے جس کے قریب میٹھے پانی کا ایک سدا بہار چشمہ ہے۔ گرداگرد ریں، چیڑھ اور بیس کے درخت ہیں۔ یہ مقام کوٹلی مری روڈ کے قریب ہے۔ اسی طرح کی ایک بیٹھک ریتلی ڈھیری میں قدیم قبرستان کے ساتھ ہے جو بیٹھک بری امام سے منسوب ہے۔

سیر گراں

مسجد کے قریب ریں کے ایک بڑے درخت کے نیچے چار دیواری کے اندر ایک کچی قبر ہے۔ اِس قبر کے بارے میں کوئی متفقہ اور واضح روایت نہ ہے۔ مقامی آبادی کے کسی جدِ اعلیٰ کی یہ قبر ہو سکتی ہے۔

زیارت زندہ پیر دھن گراں

جنڈالہ کے مقام پر ایک قدیم قبرستان ہے۔ چار دیواری کے اندر دو قبریں ہیں۔ روایت ہے کہ یہ قبریں زندہ پیر اور اُن کی بہن کی ہیں۔ اِن کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق دھیر کوٹ میں آباد کیٹھو والوں کے اجداد اِس قبرستان میں دفن ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ قبر رَندہ خان Randa Khan کی ہے پتی سکندر اور پتی لنگر کے جداعلیٰ ہیں۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ یہ معروفِ زمانہ زندہ پیر کی زیارت ہے۔

عام لوگ زیارت کیلئے آتے ہیں اور لوگوں کا ماننا ہے کہ مرقد پر حاضر ہونے والوں کی حاجات پوری ہوتی ہیں اور بیماروں کو شفا نصیب ہوتی ہے۔ لوگوں کا یہ بھی تجربہ ہے کہ بے ادبوں کو اس مقام سے سزا ملتی ہے۔

روضہ پیر دس بندیؒ

بن کے مقام پر پیر دس بندی کا مقبرہ ہے۔ مقبرے کے باہر ایک بورڈ آویزاں ہے جس پر روحانی حوالے سے معلومات درج ہیں۔ مقبرے کے اندر دو قبریں ہیں جو باپ بیٹے کی بتائی جاتی ہیں۔ کیٹھوال پیر دس بندیؒ کو اپنے اجداد میں شامل کرتے ہیں۔

دربار کا انتظام چھے ارکان پر مشتمل دربار کمیٹی کے سپرد ہے۔ ہر سال بیساکھ کی 13، 14 اور 15 تاریخ کو تین دن عُرس ہوتا ہے۔ زائرین ڈالیوں کے ساتھ عرس میں شامل ہوتے ہیں۔

باب۔۴

کیٹھوال تمدّن

موضوعات: چند سوال
منفرد رسم ورواج
اوہام
سماجی ترکیب
دیہی نظام
نسبی رشتے
وراثت
طبعی انفرادیت
زبان
معروف نسبی سلسلے

استفادہ: فیلڈ ریسرچ
سرکاری ریکارڈز

چند سوال

آج کی نسل تعلیم یافتہ ہے یا ان پڑھ چار سوالوں کے جواب چاہتی ہے۔

۱۔ اگر راجا کیٹو قبیلہ کیٹھو کے مورثِ اعلیٰ تھے تو راجا جیری کا تعلق کس قبیلے سے تھا اور سوری کیوں کیٹھوال کہلاتے ہیں؟

۲۔ اگر راجا کیٹو سانحہ ڈل کے بعد زندہ بچ جانے واحد معصوم بچے تھے تو کیٹھوالوں کے زیرِ تسلط علاقے میں وارد ہونے والے قبائل کی نسبت آبادی میں شرح اضافہ کیوں چند ہزار تک محدود رہا؟

۳۔ کیٹو قبیلہ کا شجرہ نسب 1860ء اور 1884ء کے بندوبست ہائے اراضی کے مطابق کیوں مختصر اور نامکمل ہے؟

۴۔ قبیلے کے ارباب اقتدار نے اپنے اسلاف کے آثار قدیمہ کو محفوظ رکھنے کی خاطر کیوں توجہ نہ دی۔ حالانکہ ہم عصر قبائل اور خانوادوں نے اپنے ماضی کی باقیات کو برقرار رکھا ہوا ہے۔

یہ مُسلمہ حقیقت ہے کہ آثارِ قدیمہ، تمدنی روایات اور لوک ورثہ Lok Versa کی بنیاد پر تاریخ مرتب اور مدوّن ہوتی ہے۔ مستقبل کے محقق کیلئے یہ بنیادی ماخذ ہوتے ہیں اور انہی کی پیروی کرتے ہوئے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آج یہ کتنا عجیب لگتا ہے کہ کیٹھوال جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اس خطہ ارض کے قدیم ترین اور پہلے آبادکار ہیں تحصیل مری کے جنوب مشرق اور تحصیل کہوٹہ کے شمال مغربی علاقے اُن کے اسلاف کے تسلط میں تھے مگر اِن پہاڑوں اور وادیوں میں اُن کے اقتدار کی کوئی باقیات سوائے ٹوٹے پھوٹے قبرستانوں کے نہیں ملتی۔

1945-55ء کے معمر ترین لوگوں سے سُنی ہوئی باتوں کی تصدیق اب تقریباً ناممکن ہے۔ اُس دور کے دس سالہ لڑکے اب ساٹھ سال سے تجاوز کر گئے ہیں۔ اِن ڈھلتی عمروں کو اپنے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اگر اِن کے ماضی کو چھیڑنے کی کوشش کی جائے تو یہ خوف زدہ ہو کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ روایات کا وہ قدیم سرمایہ جو لوگ اپنے سینوں میں محفوظ کیے ہوئے تھے نئی نسل نے

اسے بے کار جان کر قبول نہ کیا۔ اِس طرح ماضی سے روایتی رابطہ کی اب تو یہ صورتِ حال ہے کہ قدیم تمدن اپنے پورے لوک ورثہ کے ساتھ عام زندگی میں اجنبی ہو کر رہ گیا ہے۔

کیٹھوالوں کا یہ دوسرا بڑا سانحہ ہے۔ سانحہ ڈل میں اُن کی افرادی قوت ڈوب گئی اور آج بے حسی کی جھیل میں اُن کی عظمتِ رفتہ غرق ہو گئی ہے۔ ستر اور اسّی سال کے بوڑھوں کو اپنے اسلاف کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔ بیسویں صدی کے نصف میں لگ بھگ ایک صدی کی عمر والے بوڑھے ہوش وحواس میں تھے۔ وہ ایک صدی پہلے کی باتیں کرتے تھے۔ اُن کے معمولات اور اندازِ کلام کو آج کے ستر سالہ بوڑھوں نے دقیانوسی قرار دے کر تاریخی غلطی کی۔ اس غلطی سے نسلی خلاء Generation Gap پیدا ہو گیا ہے۔ قبیلے کا حال مکمل طور پر ماضی سے کٹ چُکا ہے۔

اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں لوگ ماضی کی روایات، رسم ورواج، توہمات، اعتقادات، آداب واقدار، غرض اجداد کے نام بھی بھول چکے ہیں۔ کس قدر ناسمجھ اور ناعاقبت اندیش ہیں آج کے بوڑھے، جوان اور ذمہ دار لوگ جو صدیوں پرانا اپنے آباؤ اجداد کا گھر اُن کی ہڈیوں سمیت کوڑیوں کے مُول بیچ رہے ہیں۔ کتنے کوتاہ عقل ہیں یہ سب لوگ جو آج کی ضرورت جانتے ہیں اور آنے والے کل سے بے خبر ہیں۔

کیٹو بچے ان سوالوں کے جواب کس سے سُنیں۔ جواب دینے والے ایک صدی پہلے گزر گئے۔ اب کے بوڑھے اندھے، گونگے اور بہرے ہیں۔ کوئی قدیم آثار، کوئی روایت اور تحریر موجود نہیں۔ ماضی اور حال کے درمیان گہری دُھند ہے۔

ایسی صورتِ حال میں صرف ایک حیلہ اور وسیلہ باقی رہ گیا ہے کہ کمزور یادوں کو چھیڑا اور کریدا جائے۔ فضولیات کے ڈھیر سے معقول باتوں کو پوری احتیاط سے الگ کیا جائے اور حقائق سے قریب تر باتوں کے سہارے آگے بڑھا جائے۔

قارئین! یہ بات ذہن میں رہے کہ میرا سفر معلوم سے نامعلوم کی طرف ہے۔ کمزور اور ضعیف حوالے ہیں۔ سفر کے نشانات اُکھڑے اُکھڑے، بکھرے بکھرے اور مٹے مٹے ہیں۔ میری منزل تاریخِ عالم میں ایک بے نام قبیلے (روایت کی بنیاد پر) کی تلاش ہے۔ میرا سفر کس حد تک کامیاب رہا، فیصلہ آنے والا دور کرے گا۔

منفرد رسم ورواج

Distinctive Customs

اس کتاب میں کیٹو قبیلے کے صرف اُن رسم ورواج کا تذکرہ ہے جو نامعلوم دور سے قبیلے کے آباؤاجداد اختیار کئے ہوئے تھے اور صدیوں سے مختلف علاقوں اور تمدنوں میں رہنے کے باوجود اب بھی کیٹھوال کسی نہ کسی صورت اِن رسم ورواج کو مانتے ہیں۔ یہ بنیادی رسم ورواج، عقائد اور اوہام جن کو وہ آج تک بھول نہیں پائے کسی بڑے تمدن سے لازماً ربط رکھتے ہیں۔ ان منفرد اور مخصوص رسم ورواج کی مدد سے اُس تمدن تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا کوئی مہم جُو خاندان صدیوں کی جہاں گردی کے بعد اِس خطہ کوہسار میں مستقل آباد ہو گیا مگر زیادہ مدت چین سے نہ رہ سکا۔ قدرتی آفات اور سانحات نے اُسے سکڑنے اور بکھرنے پر مجبور کر دیا۔ اب یہ قبیلہ صرف علاقہ چارہان (چارہان، گہل، پڑہنہ اور دھیرکوٹ) میں اپنی بقا کی آخری جنگ لڑنے میں مصروف ہے۔

صدیوں سے نواحی قبائل کے ساتھ میل جُول سے جو نئی علاقائی معاشرت وجود میں آ گئی ہے اس کو نہیں چھیڑا گیا۔ کیوں کہ اس آسان موضوع پر ہر کوئی قلم کُشائی کر سکتا ہے۔

پیدائش Birth

کیٹو قبیلے میں بیٹے کی پیدائش باعثِ فخر سمجھی جاتی ہے۔ نرینہ اولاد کی تعداد خاندان کی قوت شمار ہوتی ہے۔ نئے جوڑے کے ہاں اگر پہلی اولاد مادینہ ہو تو باعثِ سعادت ہے مگر مادینہ اولاد کا زیادہ ہونا بدبختی خیال کی جاتی ہے۔

حاملہ عورتوں کو بدصورت انسانوں، جانوروں اور پودوں سے دُور رکھا جاتا ہے۔ عام

خیال ہے کہ اِس دوران ماں کی کوکھ میں بچے کی شکل بن رہی ہوتی ہے اور ماں کی نظر، خواہش، سوچ اور خوراک کا بچے پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ آخری تین مہینوں میں ماں بننے والی عورت کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ ندی، نالے اور چشمے پر اکیلے نہ جایا کرے۔ کپڑے دھونے اور وزن اُٹھانے سے پرہیز کرے۔ دن کے وقت اونچے اور گھنے پیڑ تلے نہ بیٹھے اور نہ سونے کی کوشش کرے۔ اندھیرے میں تنہا گھر سے باہر کھلی جگہ پر نہ آئے۔ چاندنی رات میں دیر تک کھلے آسمان تلے نہ بیٹھے اور دوپہر کے وقت تراہوں اور چوراہوں پر سے گزرنے سے باز رہے۔ پرانی عورتیں تجربوں کی بنیاد پر مانتی ہیں کہ خفیہ مخلوق ماں اور بچے کو اکثر نقصان پہنچاتی ہے۔ چاند گرہن کے دوران حاملہ عورت کو چلتے پھرتے رہنا چاہیے۔ غیر ضروری اور ناپسندیدہ حرکات سے بچے کی جسمانی صحت پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ حاملہ عورتیں آپس میں ملاقات سے پرہیز کرتی ہیں اور بچوں کے ماتم میں شریک نہیں ہوتیں۔

بچے کی ولادت خاندان یا پڑوسی کی ایک عمر رسیدہ خاتون کی نگرانی میں روایتی انداز سے ہوتی ہے۔ یہ خاتون نومولود کو پاک وصاف کرنے کے بعد جسم کے ہر حصے کو چھیڑتی ہے تاکہ بچہ روئے اور زندگی کا دور دورہ ہو۔ یہ مانا جاتا ہے کہ بچے کی پیدائش پر جو عورت پہلی بار بچے کو ہاتھ لگاتی ہے اُس کے اکثر عادات واوصاف بچے میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

نومولود کی پہلی خوراک گائے یا بکری کے دودھ کے چند قطرے ہوتی ہے جسے ''گھڑوت'' کہتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کا اعلان بندوق داغ کر یا گولہ چھوڑ کر کیا جاتا ہے مگر بچی کی پیدائش پر خاموشی رہتی ہے۔ پہلی خوراک کے حوالے سے بکری اور گائے کو ماں کا درجہ دیا جاتا ہے۔ بچے کی ماں بتیس دن تک صرف اپنا دودھ پلاتی ہے اور بیماری کی صورت میں بکری یا گائے کا دودھ دیا جاتا ہے۔ بتیس (32) دن میں بچہ اپنی زندگی کی پہلی منزل طے کر لیتا ہے۔ اِن بتیس دنوں کے دودھ کی قبیلے میں بڑی اہمیت ہے۔ مائیں اپنے بچوں سے ''بتیس دھاریں دودھ'' کا حق مانگتی ہیں، واسطہ دیتی ہیں اور عہد لیتی ہیں۔

شادی Marriage

کیٹھوالوں کو اپنے خالص خون پر فخر ہے اور اُن کا یہ تفخر اُن کے نامعلوم ماضی سے مربوط ہے۔ دیگر خواہ وہ کتنے ہی نامی گرامی ہوں نہ رشتہ ناطہ طے کرتے تھے اور نہ دیتے تھے۔ قدیم رواج اور روایت کے مطابق وہ دیگر قبائل اور خانوادوں کو اپنے سے کم تر سمجھتے تھے۔ ''سانحہ ڈَل'' کے بعد راجا جیری کی اولاد خطرے کی حد تک تفریطِ آبادی کا شکار ہوگئی۔ اُس وقت یہ مجبوری آن پڑی کہ ہلاک ہونے والوں کی جوان بیٹیاں ہم مرتبہ نواحی قبائل میں بیاہ دی جائیں۔ چنانچہ راجا بورسی نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی قبیلہ ستی کے مورثِ اعلیٰ سے کر دی اور علاقہ برحدا اپنی بیٹی کو داج میں دیا۔ اس کے بعد دونوں قبیلوں کی اولاد میں شادی بیاہ کی ایک نئی رسم چل نکلی جو آج تک قائم ہے۔

کم سنی کی شادی کا رواج نہ تھا۔ البتہ اگر بچپن میں رشتہ طے ہوگیا اور لڑکے نے دُور دراز محاذ جنگ یا مہم پر جانا ہے تو بندھن طے پا جاتا تھا اور رُخصتی پلٹنے پر ہو جاتی تھی۔ دیگر قبیلوں سے شادی ہو کر آنے والی لڑکیوں کی اولاد کو عمر بھر گھٹیا دودھ کا طعنہ سہنا پڑتا تھا۔ کیٹو قبیلے سے باہر بیاہی جانے والی لڑکیاں ہمیشہ اپنے آپ کو برتر سمجھتی تھیں اور یہ احساس برتری آج تک قائم ہے۔

ایک سے زائد شادیوں کا عام رواج نہ تھا۔ تاہم کسی مجبوری یا ضرورت کے تحت دوسری اور تیسری شادی کر لیتے تھے۔ مثلاً بھائی مر گیا اور منگیتر یا بیوہ سے دوسرا بھائی شادی کر لیتا تھا۔

جہیز Dowry

بیٹیوں کو جہیز کی صورت میں بہت کچھ دیا جاتا تھا۔ قطعاتِ اراضی، نیا گھر آباد کرنے کے لئے بنیادی سامان اور مویشی خصوصی طور پر بیٹی کو ملتے تھے۔ صاحبِ ثروت اپنی بیٹیوں کی خدمت کیلئے اپنے مزارعین میں سے مرد یا عورت اپنی بیٹی کی تاحیات خدمت کی خاطر ساتھ بھیجتے تھے۔ یہ خادم ''گُلا'' یا ''گُلی'' کہلاتا تھا۔ بیٹی اپنے سُسرال گھرانے میں اسے اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ ان

کی شادی کرواتی، اپنی زمین سے ٹکڑا زمین دیتی تا کہ یہ مکان بنالے۔ اسطرح یہ خادم اپنی مالکہ کے ساتھ مستقل آباد ہو جاتا تھا۔ ایسے گھرانے آج بھی علاقے میں موجود ہیں جو کیٹھوال شمار ہوتے ہیں یا اُنہوں نے کسی دوسرے قبیلے سے نسبت قائم کر لی ہے۔

تکفین و تدفین Funeral Rites

نامعلوم دور سے مردوں کو دفن کرنے کا رواج ہے۔ پرانے زمانے میں میت کو صندوق میں دفن کرتے تھے اور صندوق میں مردے کے ساتھ چند قیمتی اشیاءِ ضرورت بھی رکھتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میت کے کفن پر آیاتِ کریمہ لکھنا، قرآن یا پنجسورہ کو مردے کے سینہ پر رکھ کر دفن کرنا اور مردے کو قرآنِ کریم کے سائے تلے سے گزارنا جیسی رسموں کا اضافہ ہوا ہے۔ قبل از اسلام قطبی ستارہ کو متبرک مانا جاتا تھا۔ سات ستاروں کی قسمیں کھاتے اور عہد و پیماں کرتے تھے۔ سات ستاروں کے نام کی منتیں بھی مانتے تھے۔ بہت پرانی قبروں کا رُخ قطبی ستارے کی جانب مشاہدہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی روایت ملتی ہے کہ میت کو دفنانے کے بعد قبر پر کاہو کی ہری شاخوں کو مسخ کیا جاتا تھا اور قبر پر کاہو کا درخت لگانا اور ہری شاخیں رکھنا بھی مستعمل تھا۔

نصف صدی قبل تک اِس عجیب و غریب رسم کے حوالے بھی ملتے تھے کہ میت دفنانے کے بعد ملاؤں کی ایک ٹیم قبر پر بٹھائی جاتی تھی جو بتیس دن تک لگاتار حاضر رہ کر پڑھتے رہتے تھے۔ کسی رات کے پچھلے پہر قبر پر کچھ تغیرات رونما ہوتے ہیں جن سے مرنے والے کی نئی زندگی کے بارے میں طرح طرح کے انکشافات کئے جاتے تھے۔ ملاؤں کی فراہم کردہ معلومات کی تصدیق کیلئے قبر کشائی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس بارے میں بہت سی خوبصورت اور خوفناک کہانیاں بھی قبیلے میں معروف تھیں۔ بتیس روزہ خدمت کا ملاؤں کی ٹیم کو پورا پورا معاوضہ ملتا تھا۔

تجہیز و تکفین اور دیگر مذہبی رسومات کی ادائیگی کیلئے ہر بڑی بستی میں ایک خاندان بسایا جاتا تھا جس کی کفالت پوری بستی کرتی تھی۔ بستی والے اس خاندان کا بہت احترام کرتے اور ان کی ہدایات پر عمل کرتے تھے۔ جب یہ قبیلہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا تو ملاّ گھرانے کو یہ اختیارات

حاصل ہو گئے اور پرانے رسم ورواج معمولی تبدیلی کے ساتھ جاری وساری رہے۔

کیٹھوال آبادیوں میں کوئی بڑا قبرستان نہیں ملتا۔ لگتا ہے کہ ہر خاندان کا اپنا الگ قبرستان تھا۔ یہ لوگ کسی کی زمین یا قبرستان میں اپنا مردہ دفن کرنا معیوب سمجھتے تھے۔ اِسے خودداری سمجھا جائے یا خود پرستی مگر ایسا طرزِ عمل آج بھی موجود ہے۔

قبر کُشائی

قبر کی نگرانی کرنے والی ملاؤں کی جماعت کو کسی ایک رات مدفون کے بارے میں کچھ آثار مل جاتے تھے جن سے یہ قیاس کر لیا جاتا کہ اگلے جہاں میں اُس کی کیا حالت ہے۔ عموماً بتیس یا چالیس روز بعد قبر کُشائی عمل میں آتی تھی۔ قبر کُشائی کے دو مقصد تھے۔ اولاً میاں صاحب کے بیان کی تصدیق ہو جائے جو کئی راتیں جاگنے کے بعد اُن کے مشاہدے پر مبنی ہے۔ ثانیاً قبر پر سے تمام مٹی ہٹا کر کنیاٹ پتھر سے پختہ کرنا ہوتا تھا۔

قبر کُشائی کا ایک طریقہ کار تھا جو میاں صاحب کی ہدایت اور نگرانی میں تکمیل پاتا تھا۔ دن مقررہ پر صبح سویرے قبر پر قرآن خوانی کا اہتمام ہوتا تھا، بعد دوپہر قبر پر دُعا کی جاتی اور پھر اکثر لوگ قبرستان چھوڑ دیتے تھے۔ مولوی صاحب اپنی ٹیم کے ساتھ قبر پر رُک جاتے اور چند دلیر لواحقین کے ساتھ قبر کُشائی کا عمل شروع کر دیتے۔ مولوی صاحب کی ہدایت پر قبر پر موجود تمام لوگ کپڑے سے منہ اور ناک ڈھانپ لیتے اور قبر پر کی مٹی ہٹا دیتے۔ پھر دو آدمی آگے بڑھ کر قبر کے سرہانے آر پار کھڑے ہو جاتے۔ اب مولوی صاحب ذرا اونچی آواز سے تلاوت کرتے اور ساتھ ہی قبر پر لمبی لمبی پھونکیں مارتے جاتے۔ تھوڑی دیر کے اِس عمل کے بعد مولوی صاحب آگے بڑھ کر پہلے سے کھڑے دو آدمیوں کو اشارے سے ہدایت دیتے کہ سرہانے کی ایک سل Slab ہٹا دیں۔ تلاوت اور پھونکوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ اب کی بار قبر پر موجود ہر آدمی کوئی نہ کوئی مقدس دُعائیں ضرور پڑھتا۔ قبرستان پر ایک انجانے ڈر اور خوف کا عالم طاری رہتا۔ اتنے میں مولوی صاحب بڑی احتیاط سے آگے بڑھتے اور جھک کر قبر میں جھانکتے اور باہر کھڑی اُن کی جماعت اونچی آواز سے

کلمات شریف کا ورد کرتے جاتے تھے۔ اگر میت کی حالت معمول کے مطابق ہوتو لواحقین کو دیکھنے کی دعوت دی جاتی بصورتِ دیگر قبر فوراً بند کرنے کی ہدایت کی جاتی تھی۔ قبر کو پختہ کرنے یا بند کرنے کے بعد شام کو ختم شریف کی دعوت ہوتی تھی۔

پرانے لوگوں کو اس رسم کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے راقم نے خود سُنا۔ وہ لوگ مدفون کے بارے میں ایسی خوفناک اور دہشت ناک وارداتیں سُناتے تھے جنہیں آج بھی یاد کر کے ڈر جاتا ہوں۔ 50-1940ء کی دہائی میں یہ رسم مکمل طور پر ختم ہوگئی تھی۔

پہلی اولاد First Issue

کیٹھوال قبیلے میں بڑے بیٹے کو خصوصی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ خاندان کو وارث مل جاتا ہے۔ والدین کو اپنا مستقبل محفوظ دکھائی دیتا ہے۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی صورت میں اُس کی جلد شادی کر دی جاتی ہے۔ دیگر بھائیوں کی موجودگی میں وہ الگ گھر بساتا ہے مگر بھائی بہنوں کی پرورش میں والدین کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ والدین عموماً چھوٹے بیٹے کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ صرف مادینہ اولاد ہوتو کسی ایک بیٹی کو اپنے شراکت داروں میں بیاہ کر والدین اپنے ساتھ رہائش پذیر کر لیتے ہیں اور خدمت کے عوض اپنے مکانات حصہ گھریلو سامان اور قطعہ اراضی اُسے دے دیتے ہیں۔

بستی گاؤں اور برادری میں باپ کی عدم موجودگی میں بڑا بیٹا گھرانے کا نمائندہ ہوتا ہے۔ والدین اور اہلِ خانہ بڑے بیٹے کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اسی طرح بڑی بیٹی خواہ اُس کی شادی خاندان سے باہر دُور دراز ہو والدین اپنے گھریلو معاملات میں اُس سے ضرور مشورہ کرتے ہیں۔ ماضی قریب تک کیٹھوال گھرانوں میں والدین زندگی بھر اناج، مویشیوں اور درختوں کے پھل میں اپنی بیٹیوں کا حصہ ہر سال محفوظ کر دیتے تھے اور پورے اہتمام سے اُن تک پہنچاتے تھے۔ کیٹھوال والدین عموماً بیٹیوں کے گھر کی چیزیں استعمال میں لانے سے گریز کرتے تھے اور خالی ہاتھ بیٹیوں کے گھر کبھی نہ جاتے تھے۔

اوہام
Superstitions

ابھی ابھی آنکھ لگی تھی کہ ایک زوردار چیخ سے بستر پر اُٹھ بیٹھا۔ پسِ دیوار کوئی عورت ہچکیاں بھر کے روتی ہے۔ چھت پر کسی کچلی ہوئی لاش کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ برتن ٹوٹتے ہیں۔ روشنی گل ہو جاتی ہے۔ ہر شے گھومنے لگتی ہے اور پھر وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔

وہ رات کے اندھیرے میں سُنسان راستے پر جا رہا تھا اچانک پیچھے سے قدموں کی چاپ سُنائی دی اُس نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ کھڑے کھڑے شانے پر ہاتھ کا بوجھ محسوس ہوا، پائل کی چھن چھن اور کسی بڑھیا کے بین کی آواز۔ سامنے اُونچا پیڑ ہلنے لگا جیسے کوئی بڑا پرندہ اُس پر آ بیٹھا ہو۔ وہ آگے بڑھا پیچھے گھونگھرو بجنے لگے، وہ رُک گیا، چاروں طرف دیکھا، کُچھ نہ تھا، اب وہ سخت خوفزدہ ہو گیا۔ اتنے میں ایک گرجدار آواز گونجی اور وہ چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

کوئی گھر میں سویا ہوتا ہے۔ آدھی رات کے قریب مکان کی چھت پر پتھر برسنے لگتے ہیں۔ گھر کے برتن آپس میں ٹکرانے لگتے ہیں۔ سبز روشنیاں نظر آتی ہیں۔ بچے یا عورت کے رونے کی آواز آتی ہے اور کبھی نام لے کر پکارتے ہوتے ہیں۔

اسی طرح کے ان گنت واقعات لوگ سچ مان کر سُناتے ہیں۔ عاملوں سے رجوع کیا جاتا ہے اور وہ ان واقعات کی تصدیق کر کے روحانی علاج تجویز کرتے ہیں۔

دُنیا میں ہر تمدّن خواہ وہ تہذیب یافتہ ہو یا پسماندہ توہمات کو ضرور مانتا ہے۔ انسان اپنی آفرینش سے آج تک اوہام کو سچ مانتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم اور بہترین عقیدہ رکھنے کے باوجود ہر کوئی مافوق الفطرت طاقتوں پر یقین رکھتا ہے۔ انسان ترقی کے آسمان پر پہنچ گیا مگر غار کے زمانے کے اَن دیکھے خوف سے آج بھی جان نہیں چھڑا سکا۔ گویا اوہام ایک ایسا اَن دیکھا اور سُنا سنایا تجربہ ہے جس پر صدیوں سے عمل کیا جا رہا ہے۔

عمرانیات کے ماہرین کے نزدیک اوہام کا تعلق قدیم دیومالائی اعتقادات سے ہے جب انسان فطرت کے گوناں گوں مظاہر سے خوف زدہ رہتا تھا اور حقائق کی تلاش میں شکوک وشبہات کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ اپنے ناقص اور کمزور تجربات کی بنیاد پر اس نے بعض مفروضات قائم کر کے اِن پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ یہ انسان کی مجبوری تھی مگر آگے چل کر ان ہی مفروضات کی کوکھ سے عالم گیر سچائیوں نے جنم لیا جو آج کے مسلمہ حقائق ہیں۔

بظاہر جدید دور کی جدید تعلیم اور سائنس نے اوہام کی ہر سطح پر حوصلہ شکنی کی ہے مگر اوہام انسان کی روزمرہ زندگی میں اتنے رَچ بَس گئے ہیں کہ آج کا ترقی یافتہ انسان بھی مصائب اور ناقابلِ علاج بیماریوں کی صورت میں توہم پرستی کا معتقد نظر آتا ہے۔ انسانی زندگی پر ستاروں کے اثرات، ہاتھ کی لکیروں میں مستقبل کی تصویر، ماتھے پر مقدر کی تحریر، پرندوں کی غیب دانی، پیرِ کامل کا مافوق الفطرت طاقتوں پر کنٹرول، تعویز گنڈوں اور جنتر منتر سے بیماریوں کا علاج وغیرہ پر وقت کے نامور سکالروں کا بھی پختہ یقین پایا گیا ہے۔

نفسیات اور عمرانیات کے علماء کا متفقہ خیال ہے کہ جب کوئی معاشرہ معاشی بحران اور فکری انتشار کا شکار ہو جاتا ہے تو عامۃ الناس احساسِ محرومی اور عدم تحفظ کے احساسات تلے مختلف اوہام کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تقدیر پرستی کے رُجحانات کو تقویت ملتی ہے اور مافوق الفطرت قوتوں سے اُمیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ امیر لوگ اپنی لامحدود خواہشات کی تکمیل کیلئے اِن توہمات کا سہارا لینے لگتے ہیں۔

چڑیل، ڈائن، رُوحی، دیو، پری، جن، بھوت، گھوڑا ڈنچ، بلا، آفت، آفریت، ہمزاد، سایہ، نظر، چک، دلیل، عام جادو، کالا جادو، ٹونا، تعویذ، دم، منتر، جنتر، کالا علم اور دیگر بہت سی ایسی قوتیں اور ناقابلِ یقین عمل ہیں جو عام انسانی آنکھوں سے مشاہدے میں نہیں آتے مگر نفسیاتی نگاہ کے تجربہ میں آتے ہیں اور لوگ اثر ونفوذ بیان کرتے ہیں۔ (تفصیل ''ستی سماج'')

کیٹو قبیلے میں بھی ایسے اوہام موجود ہیں جن کی عقل اور مذہب میں کوئی گنجائش نہیں پھر

بھی لوگ عملی زندگی میں اُنہیں قبول کیے ہوئے ہیں۔ یہاں صرف اُن مخصوص اور منفرد توہمات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے توسط سے اُس نامعلوم قدیم تمدن تک پہنچنے کی کوشش کریں گے جس کا یہ قبیلہ کبھی ایک حصہ تھا۔

زچہ و بچہ

زچگی کے دوران مرجانے والی عورت ''روحی'' کا رُوپ دھار لیتی ہے اور رات کے اندھیرے میں اپنے گھر کے آس پاس بچے کی تلاش میں رہتی ہے۔ بستی کے دیگر زچہ و بچہ کو احتیاط سے رکھا جاتا ہے۔ بچہ مردہ پیدا ہو یا نومولود مر جائے تو ایسے بچے کا ''پچھاواں'' بڑا نقصان دہ ہوتا ہے۔ ایسے ماتم والے گھر حاملہ عورتیں عموماً جانے سے گریز کرتی ہیں۔ ماتم میں شریک مرد وزن قبرستان سے واپسی پر ماتم والے گھر کے قریب راستے پر جلتی ہوئی آگ کے گرد چکر ضرور کاٹتے ہیں تاکہ ''پچھاواں'' کے منفی اثرات زائل ہوسکیں۔

ہر بچے کی دو مائیں ہوتی ہیں۔ ایک جسمانی ماں جو بچے کی پرورش کرتی ہے اور دوسری روحانی ماں جو بچے کو لوریاں سُنا کر سلاتی ہے۔ خوبصورت خواب دکھاتی ہے۔ کبھی ہنساتی ہے تو کبھی رُلاتی ہے۔ ماں کی عدم موجودگی میں بچے کو طرح طرح کی چیزیں دکھا کر بہلاتی ہے اور شیطانی اثرات سے بچاتی ہے۔

بچوں کو تراہوں اور چوراہوں سے گزارتے وقت کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ ندی، نالوں، چشموں، اونچے درختوں کے سایوں اور تیز چاندنی سے دور رکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ طاغوتی قوتیں ایسے میں بچوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

میت

میت کی روح تین دن تک اپنے گھر کے قریب رہتی ہے۔ اِس دوران قربانی، صدقہ اور کلام پاک کی تلاوت کرنا چاہیے۔ میت کو اکیلا نہیں چھوڑا جاتا کیوں کہ وہ حرکت میں آکر نقصان کا

باعث ہوسکتا ہے۔ میت دفن کرنے کے بعد قبرستان تیزی سے چھوڑ دیتے ہیں کہ مرنے والے کا حساب کتاب شروع ہوگیا ہے۔

گھر

تعمیر مکان میں رُخ طلوعِ آفتاب یا غروبِ آفتاب کی جانب مبارک ہے۔ صبح سویرے اور مغرب کے وقت گھر کا دروازہ بند رکھنا نحس ہوتا ہے۔ تعمیرات میں عقب کی دیوار سے پیچھے توسیع کرنا اہل مکان کیلئے خسارے کا باعث ہے۔ قطب کی جانب پاؤں کر کے سونا بڑا پاپ ہے۔ کاہو (زیتون) درختوں کا بادشاہ ہے۔ گھر کے سامنے کاہو کا پیڑ مبارک ہوتا ہے۔ اونچے درختوں پر مافوق الفطرت مخلوق کا بسیرا ہوتا ہے۔ گھر کے قریب دائمی ندی اور چشمہ احتیاط طلب ہوتا ہے کیونکہ خواجہ کبھی کبھار آتے ہیں اور انجانے میں اُن کی عزت وتکریم مین کوتاہی ہوسکتی ہے۔ چشموں پر کاہو کے پیڑ تلے بنے ہوئے چوک پر متعدد خواہشات کیلئے نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔ ان مقامات پر چراغ بھی جلائے جاتے ہیں۔

پانی اور آگ

پانی اور آگ مقدس ہیں اور زندگی ان کی محتاج ہے۔ چشمے کے نزدیک کپڑے دھونا، نہانا، غلاظت پھینکنا چشمہ کی دیوی کو ناراض کرنے کے مترادف ہے۔ آگ زندگی کی مشین کو قوت وحرکت دیتی ہے۔ چولہے میں جلتی ہوئی آگ کے پاس جوتے پہن کر بیٹھنا، آگ میں تھوکنا اور گندگی جلانا بہت بڑا گناہ ہے۔

سفر

سفر اور کام پر سویرے سویرے نکل پڑنا فائدہ مند مگر آغاز ہی میں راستے میں عورت کا کالی بلی کا مل جانا اور عورت کا پیچھے سے آواز دینا نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ سفر ملتوی کر دینا مناسب ہے۔ سفر کے دوران بائیں طرف کوّے کا بولنا خطرے کا پیغام سمجھا جاتا ہے۔

جانور

صبح گھر کے سامنے کوّا یا کھپّر بولے تو کسی اہم پیغام یا مہمان آنے کا امکان ہوتا ہے۔ مغرب کے وقت کوئی مرغ بانگ دے یا کوئی مرغی کسی وقت بھی بانگ دینے لگے تو اُسے ذبح کر دیا جاتا ہے۔ کُتے رات کے وقت آسمان کی طرف منہ کر کے کُو کنے لگیں تو یہ کسی آسمانی آفت کے آنے کی پیش گوئی سمجھی جاتی ہے۔ پھنڈ اور پھاوڑا (گیدڑ کی قسمیں) قبرستان پر بولیں تو گاؤں کے کسی سردار کی موت قریب جانی جاتی ہے۔ اگر یہ کھلی بستی میں بولیں تو بستی میں کوئی موت واقع ہونے والی ہے۔

شِرل Shirl

شِرل ایک تصوراتی مخلوق ہے جو نہ انسان نہ جن اور نہ ہی فرشتہ ہے مگر ان تینوں میں دخول پا کر معصومیت، نیکی اور فطری حالت کی سچی نمائندگی کرتی ہے۔ عام بول چال میں ایک تصوّراتی استعارہ ہے جو نایاب اور بے مثال شَے کیلئے بولا جاتا ہے۔ عجیب الخلقت شے کو بھی شِرل کہتے ہیں۔

مقدس درخت Holy Trees

بزرگوں سے روایت ہے کہ ''اِکری'' Ikkri اور'' کاہو'' کے پیڑ قبیلہ کیٹو کے قدیم دور سے دوست چلے آرہے ہیں۔ نہ جانے کتنا پرانا ساتھ تھا جو اَب نبھایا جارہا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان درختوں کے پھول، پھل، پتے اور لکڑی انسانوں اور حیوانوں کی مکمل خوراک ہیں اور اکثر بیماریوں کی مجرّب دوا بھی ہیں۔ میں نے لوگوں کو اِکری کے پھول کھاتے اور کاہو کے تازہ نرم پتوں کا قہوہ لیتے دیکھا ہے۔ ماضی قریب تک کاہو کو مقدس اور اکری کو حیات بخش پیڑ مانا جاتا تھا۔

سماجی ترکیب

Trible Set-up

زمین کے ساتھ جذباتی لگاؤ کے مدِنظر یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ کیٹو قبیلہ نامعلوم دور سے مستقل رہائش کا عادی تھا۔ زراعت، گلہ بانی اور سپہ گری ذریعہ روزگار تھے۔ اپنے خالص خون پر بڑا ناز تھا اور دیگر قبائل سے میل جول پسند نہ کرتے تھے۔ خصوصاً شادی بیاہ کے معاملے میں مرتبے کا خیال ہمیشہ پیشِ نظر رہتا تھا۔ اسلاف کی اقدار اور رسم ورواج کا بہت احترام کرتے تھے۔

نصف صدی پہلے قبیلوی معاشرت کا اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو قبیلے کی تنظیم کے چار مرحلے یا اکائیاں نظر آتی ہیں۔ یہ قبیلے کی نسبی ترتیب ہے۔

ا۔ خاندان Family

خاندان کی اصطلاح کئی معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ انگریزی لفظ فیملی اور ہندی لفظ گھر یا گھرانہ بھی خاندان کے لئے مستعمل ہے۔ خاندان یا گھرانہ بنیادی اکائی ہے جس میں ماں، باپ، بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، دادا اور دادی شامل ہوتے ہیں۔ یہ سب لوگ دادا یا باپ کی سرپرستی میں اکٹھے رہتے ہیں۔ اگر بیٹے دو چند ہوں تو والدین عموماً چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتے ہیں۔ دیگر بیٹے شادی کے بعد الگ ہو کر نیا گھر بسا لیتے ہیں۔

۲۔ ٹبّر۔کُنبہ۔ویل Tabbar

ایک جدّ امجد کی اولاد جو کئی گھرانوں یا خاندانوں پر مشتمل ہوتی ہے ٹبّر کہلاتی ہے اور اپنے جدّ امجد کے نام سے منسوب ہوتی ہے۔ ایک ٹبر کے خاندان مختلف مواضعات اور مقامات میں رہائش پذیر ہو سکتے ہیں مگر اُن کی پہچان جدامجد کے نام سے ہوتی ہے۔

۳۔ بڑی شاخ

جدِّ اعلیٰ کے قبیلہ کی اولاد میں جب شراکت دار وارثان پیدا ہو جائیں تو ہر شریک اپنے قبیلے کے اندر اپنی اولاد کا جدِّ امجد بن جاتا ہے اور اُس کی اولاد اپنی شاخ کے جدّ امجد سے شناخت پاتی ہے۔ قبیلے کی یہ بنیادی نسبی تقسیم ہوتی ہے۔

۴۔ قبیلہ

مقامی زبان میں قوم اور قبیلہ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قبیلہ ایک نسلی اور مربوط نسبی تنظیم ہے۔ جو ایک مورثِ اعلیٰ کی اولاد پر مشتمل ہوتا ہے۔ روایات میں ہر قبیلے کا بانی دیو مالائی کہانیوں کا غیر معمولی کردار ہوتا ہے۔ اُس کی پیدائش اور جوانی حیرت انگیز حادثات اور واقعات کی مظہر بیان کی جاتی ہے۔ اہلِ قبیلہ اپنے جدّ اعلیٰ کی حیثیت پر نازاں رہتے ہیں۔

برادری Community

کیٹو سماج میں برادری ایک مؤثر، معروف اور مفید ادارہ ہے۔ ایک گاؤں، بستی یا ایک ڈھوک میں رہنے والے تمام افراد بلاتفریق رنگ، نسل اور سماجی معاشی حیثیت کے، ایک برادری کے مساوی رُکن شمار ہوتے ہیں۔ صدیوں پرانے رسم ورواج اور روایات برادری کا ضابطۂ حیات یعنی غیر تحریری دستور ہے جس کی تعمیل ہر فرد پر لازم اور ناگزیر ہے۔

برادری کوئی منتخب یا سوچا سمجھا ادارہ نہیں ہوتا بلکہ نامعلوم دور میں انسان کی معاشرتی ضرورت اس کی تخلیق کا سبب بنی اور آج تک اِس کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ برادری کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم شدہ ہے اور اس کی ہدایات اور فیصلہ جات کو قبولیتِ عامہ نصیب ہے۔ برادری کی حیثیت سے پہلوتہی کرنے والے افراد ہمیشہ کی طرح آج بھی معاشرتی سُکھ اور سماجی عزت سے محروم رہتے ہیں۔ برادری کے اختیارات لامحدود ہوتے ہیں اور ہر کوئی برادری کے احکامات ماننے کا پابند ہوتا ہے۔

جرگہ Jirga

برادری اپنے اختیارات ''جرگہ'' کے ذریعہ استعمال کرتی ہے۔ جرگہ کوئی مستقل ادارہ نہیں بلکہ بوقت ضرورت طلب، منتخب یا نامزد کیا جاتا ہے۔ جرگہ کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ اجتماعی معاملات میں برادری کے تمام افراد پر مشتمل جرگہ طلب ہوتا ہے جس کی صدارت معمر ترین یا معزز ترین شخص کرتا ہے۔ ہنگامی صورتِ حال میں بھی برادری کا مکمل جرگہ ہوتا ہے۔ افراد، خاندان اور کنبوں کے درمیان معاملات پر خصوصی جرگہ طلب کیا جاتا ہے جو برادری میں سے منتخب یا نامزد افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ جرگہ گاؤں یا برادری کی عدالت ہے جو رسمی قوانین کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی تنازعات اور مسائل حل کرتی ہے۔

دیوان Deevaan

برادری کے عام اور خاص اجلاس پرانے وقتوں میں ایک مقررشدہ جگہ پر ہوتے تھے جسے ''دیوان'' کہتے تھے۔ ریں Rein یا کاہو Olive کے ایک بڑے پیڑ تلے تراشیدہ چوڑے لمبے پتھروں سے بنایا گیا چوک جس پر پتھر کی تراشی ہوئی سِلوں Slabs سے خوبصورت اور پُروقار نشست بنائی گئی ہو، گاؤں کی اصطلاح میں اسے دیوان کہتے ہیں۔ لوگ صدیوں سے یہ مانتے آئے ہیں کہ یہ دیوان خُدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بزرگوں نے تعمیر کیے ہیں۔ اِن دیوانوں

پر بیٹھ کر فیصلے کرنے والے خُدا کو حاضر و ناظر مان کر لوگوں کے درمیان عدل کرتے ہیں۔ سابقہ تجربات کی بنیاد پر لوگوں کا پختہ یقین ہے کہ ان دیوانوں پر بیٹھ کر جانبداری اور بے انصافی کرنے والے خُدا کے غیض وغضب سے بچ نہیں سکتے۔

برادری کے اختیارات Powers and Jurisdictions

اپنے گاؤں کی حدود میں برادری کو وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ صدیوں کی روایتی زندگی میں آزمائشوں اور تجربوں کی بنیاد پر تخلیق پانے والے رسم ورواج بڑی مضبوط جڑیں رکھتے ہیں۔ اسلاف سے ملنے والا یہ قابلِ قدر ورثہ ہے جس سے نسلوں اور تمدنوں کی شناخت ہوتی ہے۔ لوگ برادری میں رہ کر روایات کی قدر کرتے ہیں اور رسم ورواج کو سچے رُوپ میں مانتے ہیں۔ اسی لئے برادری میں زندگی سُکھ دُکھ میں سانجی ہوتی ہے۔

برادری کے غیر محدود اختیارات ہوتے ہیں۔ روزمرہ زندگی کا ہر وہ معاملہ جس سے دوسرا شخص متاثر ہوتا ہو، برادری کے اختیارِ سماعت میں آتا ہے۔ بعض معاملات کا برادری ازخود Suo-moto نوٹس بھی لیتی ہے۔ مگر شخصی اور خاندانی معاملات میں برادری عموماً مداخلت نہیں کرتی۔ برادری کو اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے کیلئے مؤثر اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں اہم ترین انتدابی اختیار ہے جس کی تین صورتیں ہیں:

تاوان یا جرمانہ Fine and Compensation

سماجی مقاطعہ Social Boycott اور برادری بدر Exile

انفرادی یا اجتماعی توہین کے مرتکب فرد کو جنس کی صورت میں جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اسے ''گوشٹا دینا''، ''بکرا دینا'' اور ''ڈنٹ دینا'' کہتے ہیں۔ اس طرح کی سزا کے ساتھ معافی مانگنا اور معافی دینا لازمی ہوتا ہے۔

دیہی نظام

Rural Settlement

ڈھوک یا بستی

ڈھوک یا بستی آبادی کی سب سے چھوٹی اکائی ہے جس میں چند گھرانوں سے تیس چالیس گھرانے ہوتے ہیں۔ ایک گاؤں میں کئی ایک ڈھوکیں ہوتی ہیں۔ مرکزی بستی گاؤں کے نام پر ہوتی ہے جس میں گھرانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ ہر ڈھوک کا ایک نام ہے جس کی وجہ تسمیہ بھی ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ نام کسی ندی، چشمہ، درخت یا فرد کے نام پر ہوتے ہیں۔ زمین کی سطحی خدوخال کی مناسبت یا موسمی کیفیات یا پیداواری صلاحیت کے مدِ نظر بھی ڈھوکوں کے نام معروف ہوگئے ہیں۔ ہر ڈھوک کی شناخت گاؤں کے نام سے ہوتی ہے۔

گاؤں Settlement

قدیم نام گرام تھا پھر گراں اور اب گاؤں ہے۔ محکمہ مال میں اسے Revenue Estate کہتے ہیں۔ انگریزی کی عمل داری سے پہلے پہاڑی گاؤں کی آبادی منتشر تھی۔ 1864ء میں چودہ سال کی محنت سے بندوبست اراضی کا اہتمام ہوا۔ بکھری ہوئی آبادی کو اکٹھا کیا گیا۔ پرانے ناموں کے ساتھ نئے گاؤں ترتیب دیے گئے۔ اس غرض سے بنیادی سروے

Survey ہوا۔ زمین تفصیلاً پیمائش کی گئی۔ گاؤں کی حدبست Hadbast طے ہوئی۔ حدبست کے اندر تمام اراضی کو کھیوٹ، کھیتونی اور خسرہ جات میں تقسیم کیا گیا۔ نقشہ جات تیار ہوئے۔ مقامی آبادی کے قبیلے اور خاندان کے تعلق کے ساتھ شجرہ نسب تیار ہوا۔ شجرہ جات میں طرفین، پتیاں، کنبے اور خاندان کا تعین کیا گیا۔ قبضے کی بنیاد پر مقامی آبادی کے مالکانہ حقوق طے ہوئے اور مکمل اور جامع ریکارڈ مرتب کیا گیا۔ 1884ء میں دوبارہ بندوبست اراضی ہوا جس میں گاؤں کی تمام اراضی کو شجرۂ نسب کے مطابق ''طرفوں'' اور ''پتیوں'' میں تقسیم کر کے مالکانہ حقوق کی قانونی حیثیت دی گئی۔ کامل مالک، قبضہ مالک اور مزارعین کی نئی اصطلاحات مقرر ہوئیں۔ اراضی دیہہ کی نوعیت اور صلاحیت کے مطابق میرا، لُپاڑا، رکڑ، بنجر، آبی وغیرہ درجہ بندی کی گئی۔ گاؤں کی تمام اراضی دو بڑے حصوں میں ملکیت (تقسیم شدہ زمین) اور شاملات دیہہ یا گزارہ دیہہ (غیر تقسیم شدہ) ریکارڈ کی گئی۔ ملکیت اراضی قبضہ قدیم کی بنیاد پر مالکان اراضی میں تقسیم کر دی گئی اور زائد از تقسیم اراضی کو مقبوضہ مالکان دیہہ کا درجہ دے کر شاملات دیہہ یا گزارہ دیہہ کا نام دے دیا گیا۔

بنیادی بندوبست اراضی (1864ء) کے بعد پنجاب کی طرح پہاڑی علاقوں میں بھی نمبرداری نظام قائم کر دیا گیا۔ گاؤں میں ہر ''طرف'' یا ''پتی'' کی بنیاد پر ایک نمبردار اور چوکیدار مقرر ہوئے۔ کارکردگی کی بنیاد پر بعض نمبرداروں کو ''انعام خوار'' کا درجہ عطا کیا گیا۔

ہر گاؤں کی زرعی اراضی، شاملات اور جنگلات کے بارے میں ایک تحریر شدہ ضابطہ موجود ہے جس کو ''واجب الارض'' کہتے ہیں۔ اِس میں گاؤں کی وجہ تسمیہ، طرفیں اور پتیاں درج ہوتی ہیں۔ طرفوں اور پتیوں کی بنیاد پر مالکانہ حصص بھی مقرر ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ گاؤں تشکیل دیتے وقت حکومت برطانیہ اور مقامی آبادی کے درمیان ایک معائدہ طے ہوا تھا جسے ''واجب الارض'' کا نام دیا گیا تھا۔ یہ دستاویز ہر گاؤں کی مسل حقیت Haqayyat کے ساتھ لف ہوتی ہے۔

1905-06ء میں ترمیمی بندوبست ہوا جس میں اثر رسوخ رکھنے والے مالکان نے محکمہ مال کے ریکارڈ میں من مانی تبدیلیاں اور ترمیمیں کروالیں جس نے حکومت برطانیہ کی محنت شاقہ کو مشکوک بنا کر رکھ دیا۔ اِس بندوبست کے بعد پنجاب بھر میں ''ذیلداری'' نظام وجود میں آیا۔ ہر قبیلے یا علاقے میں آبادی کی بنیاد پر ایک ''ذیلدار'' مقرر کیا گیا جسے حکومت سے وفاداری کے صلہ میں بہت سے اختیارات حاصل تھے۔

گاؤں میں معاشی ومعاشرتی اعتبار سے تین طبقے ہوتے ہیں۔ زمیندار جو اکثر کاشتکار بھی ہوتے ہیں، کامل مالک کہلاتے ہیں۔ قدیم سماج میں یہ ''اشرافیہ'' طبقہ تھا۔ اِسے ساہو Sahoo یا راٹھ Rath بھی کہتے ہیں۔ دوسرا طبقہ ملاؤں کا ہے جو مذہبی معاملات میں راہنمائی کے لئے دوسرے علاقوں سے لاکر گاؤں میں بسائے گئے ہیں۔ مسجد میں امامت، دینی علوم کی تدریس اور مذہبی فرائض اور معاملات میں مکمل راہنمائی اِس طبقہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اِن فرائض کے صلے میں اہلِ دیہہ نے ملاؤں کو قطعاتِ اراضی دے رکھے ہیں اور ہر فصل پر ہر فرد جنس کی صورت میں خدمت کا پابند ہوتا ہے۔ بعض بستیوں میں ملاؤں کے علاوہ سادات گھرانے بھی آباد کیے جاتے ہیں جنہیں مذہبی عقیدت اور عزت وتکریم حاصل ہوتی ہے۔

تیسرا طبقہ اہل حرفہ کا ہے جو اہل دیہہ کی معمول کی ضروریات مقامی طور پر پوری کرتے ہیں۔ ان گھرانوں کو رہائش اور دیگر ضروریات کے لئے چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی بھی مالکان دیہہ دیتے ہیں۔ اِن کی خدمات کا معاوضہ جنس اور نقدی کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔ اِن گھرانوں کا حسب ونسب اپنے پیشے سے وابستہ ہوتا ہے۔ مقامی طور پر انہیں مزارعین کہتے ہیں۔

تینوں طبقے باوجود یکہ ایک گاؤں میں رہتے اور برادری کا حصہ ہیں آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ کیٹو قبیلے کے گاؤں میں ایسے گھرانے بھی آباد ہیں جن کا تعلق نواحی بڑے قبیلوں سے ہے۔ یہ گھرانے کیٹو قبیلے کے ہم مرتبہ رشتہ دار ہیں۔ قدیم رواج کے مطابق کیٹو خواتین کو جہیز میں

ملنے والی اراضی پر یہ گھرانے مستقل آباد ہو گئے ہیں۔ اگر چہ یہ ہم مرتبہ قبائل کے افراد ہیں مگر کیٹھوال قبیلوی تعصب کے تحت انہیں اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں۔

1914ء کی عالمگیر جنگ سے قبل کیٹو قبیلے کے افراد تجارت اور صنعت وحرفت کے پیشوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ نوجوان حصول روزگا کی خاطر حکمرانوں کے فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے۔ سپہ گری اُن کی فطرت ثانیہ تھی۔ فوج میں شامل ہو کر دور دراز کے میدان جنگ میں حصہ لینا ہر نوجوان کا پسندیدہ ذریعہ معاش تھا۔ بوڑھے اور بچے کھیتی باڑی کرتے، ریوڑ چراتے اور مویشی پالتے تھے۔ اپنے گاؤں اور علاقے میں محنت مزدوری نہیں کرتے تھے۔ اِس غرض کیلئے وہ شہروں میں چلے جاتے تھے۔

1864ء کے بندوبست اراضی میں کیٹو قبیلے کے دو گاؤں تشکیل پائے۔ ایک گاؤں کا نام چارہان رکھا گیا جو تحصیل مری کا سب سے بڑا گاؤں ہے جس کی 84 ڈھوکیں تھیں۔ دوسرا گاؤں دھیر کوٹ کیٹھوالاں کے نام سے ترتیب دیا گیا۔ 1905ء کے ترمیمی بندوبست میں گہل کو موضع کا درجہ مل گیا اور 1956ء کے بعد پڑہنہ بھی موضع کا درجہ پا گیا۔ چارہان ایک موضع ہونے کے باوجود کیٹھوال قبیلے کے ناطے ایک ذیل Zail قرار دیا گیا اور شمشی خانوادے سے ایک ذیلدار کی تقرری عمل میں لائی گئی۔

نسبی رشتے

Ancestral Chains

قبیلہ کیٹو کی دو بڑی شاخیں ہیں: جوہد اور مندرا۔ جوہد کی اولاد علاقہ چارہان (چارہان، پڑہنہ، گہل) میں اور مندرا کی اولاد دھیرکوٹ کیٹھوالاں میں آباد ہے۔

قدیم روایت کے مطابق راجا جیری کے تیرہ بیٹوں میں سے صرف دو بیٹوں راجا شیری اور راجا سوری سے نرینہ اولاد چلی ہے۔ جبکہ راجا کوری کی پوتی پورن بانو اور راجا بوری کی بیٹی صلالہ بیگم (شعلہ بیگم) ستی قبیلے کی اُمہاتِ اولیٰ ہیں۔ راجا شیری کے پوتے ''کیٹو'' کی اولاد کیٹھوال کہلاتی ہے اور سُوری کی اولاد بھی کیٹھوال ہے۔

راجا سوری کی اولاد کا کیٹھوال ہونا یا ریکارڈ مال میں کیٹھوال درج ہونا شاید اِس لئے درست ہو کہ روایتی شجرہ نسب کے مطابق راجا جیری سے چند سلسلے پہلے ایک نام کیتوسی (کے توسی) کا آتا ہے۔ یہ ہی نام مقامی زبان کے اثر کے تحت تبدیل ہو کر ''کیٹھو'' بن گیا اور بعد میں اس کیٹھو کی اولاد کیٹھوال کہلانے لگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس قبیلے کا اصل مورث اعلیٰ ''کیتوسی'' ہو یا اِس سے بھی پہلے گزر جانے والا کوئی نامور شخص کیتوسی ہوا ہو جس کے نام پر اُس کی اولاد لفظی تغیّر کے ساتھ کیٹھوال مشہور ہو گئی ہو۔

علاقہ چارہان میں آباد کیٹھوال راجا جیری کے پوتے بھاگ سی کے اکلوتے بیٹے راجا کیٹو کی اولاد ہیں۔ جب کہ راجا سوری بلاشک وشبہ راجا جیری کے بیٹے ہیں۔ اگر راجا جیری کیٹھوال ہیں تو سوری خاندان بھی کیٹھوال ہے۔

راجا جوہد کی اولاد میں تین بڑی شاخیں ہیں۔ کُلوال، مولوال اور کالیال۔ سب سے بڑی شاخ کُلوال ہے۔ اس شاخ میں ریونیو ڈیپارٹمنٹ کی تقسیم کے تحت چار ''طرفیں'' اور دس ''پتیات'' ہیں۔ کیٹو قبیلے کی دوسری شاخ ''مندرا'' کی اولاد میں ایک ''طرف'' اور تین ''پتیاں'' ہیں۔ مندرا کی اولاد دھیر کوٹ کیٹھوالاں میں آباد ہے۔ مُولو کی شاخ موضع چارہان اور ڈھوک سانج میں مولوال کے نام سے آباد ہے۔ مولو کی ایک بڑی شاخ، طرف اور پتی ایک ہی نام سے ریکارڈ ہے۔ کالا چارہان گاؤں کی ایک بڑی شاخ ہے۔ کالا ''طرف'' ہے اور اُن کے تین بیٹوں کے نام پر دو ''پتیاں'' ترتیب پائی ہیں۔ تفصیل ٹیبل میں ملاحظہ کریں۔

سوری کی اولاد بنیادی اور قانونی بندوبست ہائے اراضی کے دوران علاقہ چارہان میں موجود نہ تھی۔ اس لئے وہ موضع چارہان، گہل، پڑہنہ اور دھیر کوٹ کے شجرہ جات میں شامل نہ ہو سکی۔ تاہم ترمیمی بندوبستوں میں وہ ''سوری کیٹھوال'' درج ہیں۔

نسبی ترتیب بمطابق بندوبست اراضی Tribe under Revenue Set-up

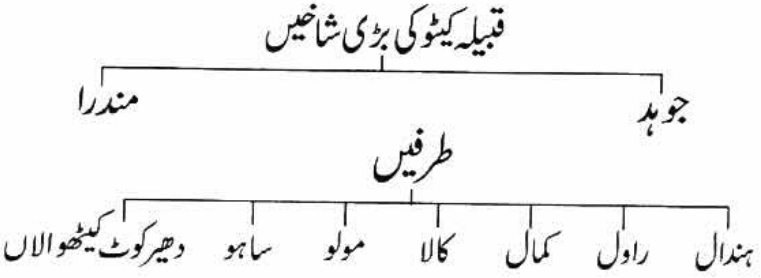

پتیات

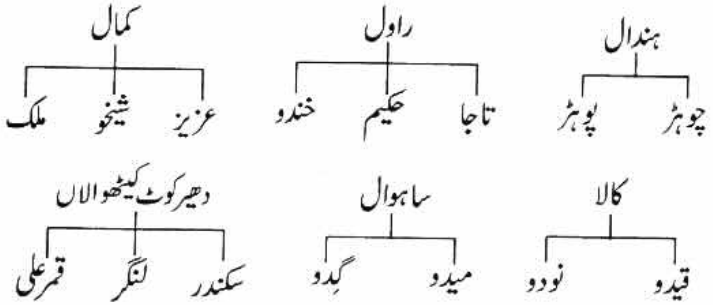

قبیلہ کیٹو کی نسبی ترتیب وتقسیم دیکھ کرایسا لگتا ہے کہ 64-1860ء کے بنیادی بندوبست اراضی میں جب کرنل کریکرافٹ کی زیرنگرانی پنجاب کی طرز پر پہاڑی علاقوں میں مالگزاری نظام قائم کیا گیا تو اُس وقت کے رئیس قبیلہ اور معززین نے سنجیدگی اور دوراندیشی سے اپنے قبیلے کی نمائندگی نہیں کی۔ قبیلے کا شجرہ نسب دیگر قبائل کی طرح ذمہ داری سے نہ ریکارڈ کرایا اور نہ ہی زیرِ قبضہ اراضی کی تقسیم شجرہ نسب کے مطابق درج کروائی۔ نتیجۃً 84-1880ء کے قانونی بندوبست اراضی میں موضع بندی، طرفوں اور پتیوں کا تعین بھی حقائق کی بنیاد پر نہ ہوسکا۔ پس کیٹو قبیلے کے شجرہ نسب کو دیگر قبائل کے معیار پر نہیں پرکھا جاسکتا ہے۔

وراثت

Heritage

برطانوی رواج سے قبل وراثت قبیلے کے قدیم رواج کے تابع تھی۔ وراثت میں بیٹے اور بیٹی کے حقوق میں تخصیص نہ تھی۔ باپ کو کلی اور قطعی اختیارات حاصل تھے کہ وہ اپنی میراث یعنی زمین، مکان، سامان اور مویشی اپنی اولاد میں اپنی خواہش کی شرح ونسبت سے تقسیم کرے۔ بیٹے وراثت سے محروم بھی کر دیے جاتے تھے اور بیٹیوں کو داج کے نام پر میراث کا کثیر حصہ بھی دے دیا جاتا تھا۔ اپنی حیثیت کے مطابق ہر شخص بیٹی کو گھر کا ضروری سامان داج میں دیتا تھا۔ امیر گھرانے داج کے ساتھ ملازم بھی دیتے تھے۔ جو مستقل طور پر بیٹی کے گھرانے کا خادم ہوتا تھا۔ ایسے خادم کو مقامی زبان میں ''گُلا'' کہتے تھے۔ یہ گُلے عام طور پر بے یارومددگار نوجوان ہوتے تھے جن کا تعلق کیٹھوال گھرانوں کے مزارعین اور دستکاروں سے تھا۔ بیٹی ایسے خادم کو اپنے داج میں ملنے والی زمین کا کوئی قطعہ دے کر اُسے شادی کرا کر اپنے قریب مستقل آباد کر دیتی تھی۔ اس عنایت کے عوض وہ گھرانہ ہمیشہ کیلئے اپنی مالکہ کے گھرانے کا خدمت گار بن کر رہتا تھا۔

ماضی قریب تک کیٹھوالوں کی اکثر لڑکیاں ستی قبیلے میں بیاہی جاتی رہی ہیں۔ ستیوں کے پاس بیشتر اراضی اسی رواج کے تحت داج کے طور پر دیے گیے رقبہ جات پر مشتمل ہے اور ستیوں کے علاقے میں آج بھی ایسے خاندان موجود ہیں جو اِن گُلوں کی اولاد ہیں جو کیٹھوال لڑکیوں کے خادم تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ خادم خاندان بڑے قبیلوں میں ضم ہو گئے ہیں یا اب دیگر قبائل کے نام سے اپنا تعارف کرا رہے ہیں۔

کیٹو قبیلہ پدرسری ہے مگر قدیم رواج کے تحت ایک فرد کا ترکہ انگریزوں کی عملداری تک بیویوں کی تعداد پر برابر تقسیم ہوتا تھا۔ بیٹے اور بیٹیوں کی تعداد کو مدنظر نہ رکھا جاتا تھا۔ بیٹے اور بیٹیاں اپنی ماں کے واسطے سے وراثت ترکہ کے حصہ دار بنتے تھے۔ اس قدیم رواج کو ''چونڈا بنڈ'' کہتے تھے۔ اس رواج کی مثال کچھ اس طرح دی جارہی ہے کہ ایک شخص ''خیرو'' نامی کی تین بیویاں ہیں۔ ہر بیوی صاحبِ اولاد ہے۔ خیرو کی تین بیویوں سے چھے بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، وراثت کی تقسیم اِس شجرے کے تحت ہوگی:

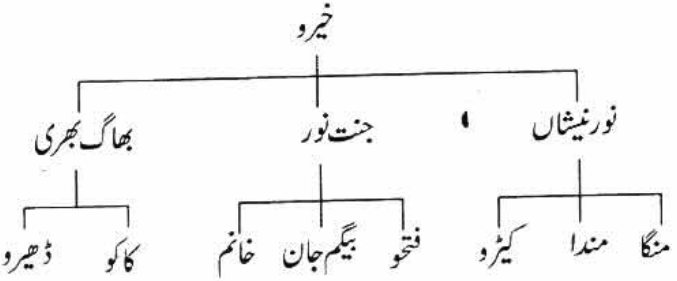

خیرو کی وراثت بلحاظ ازواج تین برابر حصوں میں تقسیم ہوگی اور بیٹوں اور بیٹیوں کو اپنی ماؤں سے حصہ ملے گا۔ بندوبست اراضی میں یہ رواج ختم کردیا گیا ہے۔

کیٹو قبیلے کے رواجِ وراثت میں ایک اصطلاح ''پچھ لگ'' استعمال ہوتی ہے۔ جب کوئی ساہو یا راٹھ اپنے خاندان یا خاندان سے باہر کسی بیوہ یا طلاق شدہ عورت کو جس کا بیٹا ہو شادی پر رضامند کرے تو اُن دونوں کے درمیان ایک معائدہ طے پاتا ہے جس کی رُو سے عورت سابقہ خاوند کے بیٹے کو اپنے ساتھ رکھتی ہے اور خاوند اس امر کا پابند ہوجاتا ہے کہ وہ اِس لڑکے کو اپنی وراثت میں حصہ دار بیٹا شمار کرے۔ ایسے وراثت میں شریک بیٹے کو پچھ لگ Pichh Lug کہتے ہیں۔ کیٹھوالوں میں ایسے خاندان موجود ہیں جنہیں اب بھی لوگ پچھ لگ کہتے ہیں۔ محکمہ مال کے ریکارڈ میں ایسے خاندانوں کی تخصیص درج ہے۔

طبعی انفرادیت

Anthropological Approach

قارئین آپ کیٹو قبیلہ کی گم شدہ تاریخ کے اُس دور میں ہیں جب روایت ابھی زندہ تھی مگر آخری ہچکیاں لے رہی تھی۔ لوگوں نے اپنے باپ دادا سے لوک داستانیں Folk Tales سن رکھی تھیں اور قدیم طور طریقے اب بھی معروفِ عام تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ 1930 اور 1950ء کا درمیانی دور ہے اور لگ بھگ سو سال کی عمر کے لوگ ہمارے درمیان باہوش وحواس موجود ہیں۔ ہم اُن سے پرانے زمانے کی کہانیاں اور واقعات سُن رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ آپ اُسی دَور اور ماحول میں میرے ساتھ رہتے ہوئے میری تحریریں پڑھ رہے ہیں۔

آج کے دور میں سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے کہ قوموں اور قبیلوں کے نسلی تعلق کا پتہ لگانا بڑی حد تک ممکن ہو گیا ہے۔ جسمانی خصوصیات کے ارثیاتی تجزیہ Genetic Test سے کسی فرد کے نسلی تعلق کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ ارثیاتی تجزیہ سے دو طرح کی خصوصیات یعنی ظاہری خصوصیات اور باطنی خصوصیات کی معلومات جمع کر کے نوعِ انسانی کے بنیادی خاندانوں تک پہنچنا ممکن ہو گیا ہے۔ ظاہری خصوصیات میں جسمانی ڈھانچہ، جلد کی رنگت، آنکھوں کی بناوٹ اور رنگ، بال، ناک، پیشانی، چہرہ، ہڈیوں کی ساخت، قد کاٹھ وغیرہ شامل ہیں۔ باطنی خصوصیات میں خون کا تجزیہ اور جسم کی کیمسٹری آتی ہے جو دَورِ جدید کی لیبارٹریز کا مخصوص عمل ہے۔

ارثیہ Gene پر مبنی وراثتہً ملنے والی جسمانی خصوصیات سائنسی حقائق ہیں جو تجربات سے ثابت کیے جا سکتے ہیں۔ نباتات اور حیوانات میں والدین کے جسمانی خصائص اولاد میں منتقل کرنے کی ذمہ داری خُلیے Cell کے اندر پائے جانے والے لَونیوں Chromosomes میں موجود ہوتی ہے۔ دراصل ارثیے وہ مادی پیغامات ہیں جو آنے والی نسل کو گذری ہوئی نسل کے مطابق شکل پذیر ہونے کا پابند کرتے ہیں۔

باطنی خصوصیات کی مدد سے آگے بڑھنا میرے بس کی بات نہیں۔ میں نہ سائنس کا طالب علم ہوں اور نہ ہی مجھے لیبارٹریز تک رسائی حاصل ہے۔ البتہ کیٹو سماج کی کھلی تجربہ گاہ موجود ہے جہاں لوگوں اور اُن کے معاشرتی اداروں کے گہرے مطالعے اور سچے مشاہدے سے حقائق کھوجنے کی بارآور کوشش ممکن ہے۔

کم وبیش دو ہزار سال پہلے بقا کی جنگ میں مصروف یہ قبیلہ اَن گنت مصائب اور ناقابلِ یقین حالات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بالآخر موجودہ خطہ اَرض میں وارِد ہوا۔ بنیادی وطن سے موجودہ وطن تک پہنچتے کتنے ملکوں اور کتنے تمدنوں سے واسطہ پڑا، غیروں کی ثقافت نے کتنا متاثر کیا اور اپنی بنیادی ثقافت اور خالص خون کا کس حد تک بچاؤ ہو سکا، یہ وہ سوال ہیں جن کا جواب اس مرحلے میں ذرا مشکل ہے۔ آج وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قبیلہ کس نام سے کس دور میں خطہ اَرض میں وارد ہوا۔ تاریخ کے ایک لق ودق صحرا میں صدیوں پہلے ایک چھوٹا سا قافلہ کھو گیا اور صدیوں بعد اُسی قافلے کے بے نشاں سفر کی رُوداد لکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ مگر فرہاد کا حوصلہ ہو تو ناممکن محض ایک لفظ رہ جاتا ہے۔

جسمانی ساخت Body Structure

تحقیق میں دلچسپی رکھنے والے جو علم الابدان Anotomy کے ذریعے کسی خاندان یا قبیلے کی بنیادی نسل تک پہنچنا چاہتے ہیں یا گمنام خانوادوں کا نسلی اور نسبی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اُنہیں رومی، ایرانی اور وسط ایشیائی تہذیب وتمدن اور علم الانساب Genealogy کا عمیق مطالعہ کرنا چاہیے۔ اگرچہ ہزاروں صدیوں کے ماضی میں بے شمار قبائل اور خانوادوں کے افراد کے جنسی امتزاج سے جسمانی ساخت اور خدوخال میں تغیر رُونما ہو چکا ہے۔ پھر بھی ایسے انسانی گروہ (کیٹو قبیلے کی طرح) کے جو نامساعد حالات میں بھی اپنی وحدت، یک جہتی اور امتیازی خصوصیات کو اب بھی گلے لگائے ہوئے ہیں علمائے تاریخ کو دعوتِ فکر دیتے ہیں:

خدوخال

کیٹو قبیلے کے چار موضع ہیں۔ ان میں تین چارہان، گہل اور پڑھنہ مربوط ہیں جب کہ دھیرکوٹ ایک بڑے جنگل پتریاٹا کے اُس پار ہے۔ اِن چاروں مواضعات کا مُورثِ اعلیٰ ایک ہے مگر اِن کے جسمانی خدوخال میں بڑا فرق ہے۔ اِس عنوان کے تحت مطالعہ کرنے والے صرف چند روز کے غیر جانبدارانہ مشاہدے سے ان چاروں بستیوں کے باسیوں کا اختلافی خاکہ بآسانی تیار کر سکتے ہیں۔ اِس خاکے کی مدد سے پہلی نظر میں ہی یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اِس اجنبی شخص کا تعلق کس گاؤں اور خانوادے سے ہے۔

موضع گہل کے کیٹھوال قد وقامت میں چھوٹے اور قدرے چپٹے جسم والے ہیں اور پڑھنہ والے لمبے قد اور قدرے بڑے ہاتھ اور پاؤں والے دیکھے گئے ہیں۔ چارہان کے کیٹھوال درمیانے سائز کا قد اور تھوڑا ابھاری جسم رکھتے ہیں۔ جب کہ دھیرکوٹ والے چھوٹے قد سے پتلے لمبے قد وقامت والے ہیں۔

دھیرکوٹ والوں کے چہرے لمبے، ناک کھڑی، پیشانی چھوٹی اور تنگ اور چہرے کی جانب ڈھلکی ڈھلکی پیشانی اور ناک کی جڑ کے درمیان واضح فرق، ٹھوڑی لمبی، گال پچکے ہوئے، آنکھیں چھوٹی اور گول، ناک لمبی اور نتھنے ڈھیلے، ہونٹ پتلے اور گردن ذرا لمبی دیکھنے میں آتے ہیں۔

گہل میں آباد کیٹھوال چھوٹے قد اور قدرے گول جسامت والے ہیں۔ کھوپڑی گول مگر جسم کے تناسب سے کم وبیش، آنکھیں گول، چہرہ گول اور بھاری، ماتھا اُبھرا ہوا، بھوئیں محرابی، ٹھوڑی گول، گردن چھوٹی اور گول، کنپٹی کی ہڈیاں ہموار اور چہرے کی ہڈیاں آنکھوں کے قریب اُبھری ہوئی مشاہدے میں آتی ہیں۔

پڑھنہ، سیرگراں، بگلیاں اور بانڈی کے کیٹھوالوں کے جسم لمبے اور پتلے شانے آگے کی طرف جھکے جھکے، سَر چھوٹے، پیشانی دبی ہوئی، آنکھیں گول اور چھوٹی، چہرہ قدرے گول اور ٹھوڑی

بھی گول، گردن لمبی اور پتلی، ناک کی جڑ پچکی ہوئی اور ابرو ڈھلکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

چارہان میں آباد کیٹو خانوادوں کا ہر طرح کا مشاہدہ اور جائزہ اُلجھاؤ میں ڈال دیتا ہے۔ افراد کی جسمانی ساخت اور شکل وصورت میں اتنا گہرا اختلاف ہے کہ موضع کی حدود میں مجموعی خاکہ بنانا آسان نہیں۔ شاید دیگر خانوادوں، مواضعات اور ہمسایہ قبائل کے ساتھ غیر معمولی ازدواجی تعلق کی بنا پر خاندان کی اجتماعی تخصیص مدھم پڑ گئی ہے اور علاقائی رنگ زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ ازدواجی تعلق سے مراد قانونی اور شرعی تعلق ہے۔

یہ حُلیہ کیٹو قبیلے کے مختلف خاندانوں کے مابین ظاہری جسمانی امتیاز کا مظہر ہے۔ مِن حَیثُ القَبیلہ جسمانی خدوخال کا ایک محتاط عمومی خاکہ، ''موجودہ نسل کی ڈھلتی ہوئی جوانی کے آغاز پر جب جسم کی افزائش ٹھہراؤ پر آجاتی ہے اور نزولی تغیر کی ابتدا ہوا چاہتی ہے''، کُچھ اس طرح ترتیب پاتا ہے۔

قدوقامت Stature

مَردوں کا قد ''6-'5 تا ''10-'5 اور عورتوں کا قد ''00-'5 تا ''4-'5 تک ہوتا ہے۔ بازو، ٹانگ، ہاتھ اور پاؤں کی ہڈیاں چپٹی مگر گول بھی دیکھی گئی ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں کی اُنگلیاں قدرے چپٹی، لمبی اور موٹی ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی سیدھی کھڑی، شانے قدرے آگے کی جانب ڈھلکے ڈھلکے۔ چھاتی درمیانہ سائز، کمر ڈھیلی اور اعضاء مضبوط۔

کھوپڑی Skull

سر کی ہڈی بیضوی سے گول، پیشانی چھوٹی، چپٹی اور اُبھری ہوئی، کنپٹی کی ہڈیاں نمایاں، ابروؤں کی ہڈی کا اُبھار معمولی اور ڈھلکی ہوئی۔ چہرے کی ہڈی چوڑائی میں کم، لمبائی میں زیادہ یعنی بیضوی سے لمبوتری۔

جلد Skin

موٹی اور کھردری، جھری دار، جھریاں گہری اور واضح، رنگت سانولی سے کھلی ہوئی گندمی، موسم کے لحاظ سے معمولی تغیر پذیر۔

آنکھیں Eyes

چھوٹی، گول اور اندر کی جانب دھنسی ہوئی، رنگ سیاہی مائل بھورا۔

بال Hair

دھندلے سیاہ، نرم اور سیدھے، سر اور داڑھی کے بال گھنے۔

ناک Nose

سیدھی، لمبی اور نتھنے ڈھیلے۔ سوراخ قدرے کھلے کھلے۔

جسمانی ہیئت کے اس تعارف سے یہ مقصد مطلوب ہے کہ ریسرچ کرنے والوں کو اس قبیلے کے لوگوں کی مجموعی جسمانی ساخت، مشابہت اور اختلاف کی مختصر مگر منفرد معلومات فراہم کر دی جائے۔

زبان

Lingua-Franca

نصف صدی پہلے کیٹو قبیلے کی زبان ''پہاڑی'' تھی مگر اکیسویں صدی کے آغاز تک پہاڑی زبان دیگر زبانوں خصوصاً پوٹھواری، اُردو اور عربی سے اتنا متاثر ہو چکی ہے کہ آج اصلی پہاڑی زبان کسی بھی علاقے میں نہیں بولی جاتی۔ ماہرین لسانیات Linguists کا کہنا ہے کہ پہاڑی ایک ''بولی'' ہے جس کا اپنا کوئی مخصوص رسم الخط نہیں تاہم صوتی لحاظ سے پہاڑی زبان کا تعلق ''انڈو آرین'' لسانی گروپ سے ہے۔

قدیم آرین لکھنا نہ جانتے تھے۔ جب وہ فاتح کی حیثیت سے ہند میں وارد ہوئے تو وادیٔ سندھ میں دراوڑ تہذیب عروج پر تھی۔ آریائی حکمرانوں نے کاروبارِ سلطنت چلانے کیلئے دراوڑی رسم الخط اختیار کیا۔ زبانوں کے اس ملاپ سے ایک نئی زبان ''شورشین پراکرت'' وجود میں آئی۔ اہلِ فارس نے اس نئی زبان کو ''ژندکو'' کہا جو بعد میں ہندکو مشہور ہو گیا۔ قدیم گندھارا کی زبان ہندکو تھی جو 2000 ق م میں مروج تھی۔ گندھارا ایرانی شہنشاہوں کی مشرقی اقلیم (ولایت) تھی جس کی راجدھانی پہلے پشاور اور بعد میں ٹیکسلا تھی۔

اُس دور میں نواحی پہاڑوں میں بسنے والے قبائل ''پکہت'' اور میدانوں میں رہنے والے ''بھارت'' کہلاتے تھے۔ دونوں خطوں کی ایک ہی زبان ''پراکرت'' تھی جو سنسکرت اور دراوڑی زبانوں کے مِلاپ سے وجود میں آئی تھی۔ پشاور اور جہلم کا درمیانی خطہ کسی دور میں ''دردستان'' کہلاتا تھا۔ اُس دور میں اس خطہ کی زبان گوجری تھی جو ہندکو زبان کی ایک بولی تھی۔ پہاڑی، پوٹھواری، پنجابی اور سرائیکی بھی ہندکو زبان کی شاخیں ہیں کیونکہ اِن زبانوں کی صوتیں، لہجے، محاورے اور الفاظ بہت حد تک ملتے جُلتے ہیں۔

پہاڑی زبان کو تاریخ کا ایک مآخذ مان کر کیٹو قبیلے کے بنیادی خاندان کو تلاش کرنا شاید اتنا آسان نہیں۔ پہاڑی زبان کا حسب ونسب تو معلوم کیا جا سکتا ہے مگر پہاڑی زبان بولنے والے قبیلے کا شجرہ نسب ممکن نہیں۔ کم وبیش اڑھائی ہزار سال کے جغرافیائی، تہذیبی اور ثقافتی سفر کے دوران اثر ونفوذ کے بحرِ ذخار سے گوہرِ مقصود حاصل کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ آرین جب ایران میں وارد ہوئے تو اُن کی زبان قدیم فارسی زبان سے متاثر ہوئی جس کا رسم الخط میخی Cuniform تھا جو بابل اور نینوا میں مروّج تھا اور جب دریائے سندھ کے اِس پار پہنچے تو دراوڑی زبان کے رسم الخط کے محتاج ہو گئے۔ اس طرح آریائی زبان اور دراوڑی زبان کے اثر ونفوذ سے ''ژندکو'' زبان نے جنم لیا۔

اب کوئی مورّخ لسانی سلسلے جوڑ کر بنی نوع انسان کے ابتدائی قبائل تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کی محتاط سائنسی تحقیق بھی شک وشبہ کی زَد میں رہے گی۔ لہٰذا کیٹو قبیلے کے ماضی کی لسانی تحقیق کچھ بے سُود لگتی ہے۔

معروف نسبی سلسلے (طوالت)

Recognized Pedigree Tables

علم الانساب کے ماہرین نے عرب مؤرخین کے حوالوں سے اقوام کے جو سلاسل انساب ترتیب دیے ہیں اُن کا ذکر تورات میں موجود ہے اور میتھیو اور لیوک کی اسناد کے ساتھ درست تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ایران کے مسلم تاریخ نویسوں نے عربوں کی پیروی کرتے ہوئے ان سلاسلِ انساب کو صحیح مانا ہے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ سلسلۂ نسب کو مختصر بیان کرتے تھے اِس احتیاط کے ساتھ کہ ترتیب نہ ٹوٹنے پائے۔ ہر سلسلۂ نسب کا اگر جائزہ لیا جائے تو بہت سے ناموں (پیڑھیوں) کی کمی محسوس ہوتی ہے جو اختصار کی بھینٹ چڑھ گئے۔

برصغیر کے مؤرخین نے عربوں اور ایرانیوں کی پیروی میں شجرے مرتب کیے۔ بیشتر شجروں کی سلسلہ بندی پسند کے تابع کی گئی ہے۔ قبائل اور خانوادوں کے اکثر نسب نامے غیر جانبدار تحقیق کے متقاضی ہیں۔

انساب پر تحقیق یا تجزیہ کرنے والوں کی خاطر چند معروف نسب نامے درج کیے جاتے ہیں:

از	تا	سلسلے	دورانیہ	اوسط عمر	کیفیت
حضرت آدمؑ	حضرت نوحؑ	10	1420 سال	158 سال	
سام بن نوحؑ	حضرت ابراہیمؑ	11	1206 سال	109 سال	
حضرت ابراہیمؑ	حضورِ اکرمؐ	60	3520 سال	58 سال	
یافث بن نوحؑ	امیر تیمور	34			پیدائش 1336ء
میراں شاہ	بہادر شاہ ظفر	16			1857ء وفات
حضرت یعقوبؑ	سِدوزئی	51			تاریخ اقوام سدھن
سِدوزئی	سردار ابراہیم خان	31			وفات 2004ء
حضرت نوحؑ	گکھڑ شاہ	32			وفات 1153ء
گکھڑ شاہ	کرنل گلزار احمد	29			تاریخ گکھڑاں
حضرت علیؓ	قطب شاہ	12			وفات 1039ء
قطب شاہ	ہاشم الدین	23			وفات 1980ء
حضرت آدمؑ	نوشیرواں عادل	47			تاریخ ایران
نوشیرواں عادل	حضرت باباستی	31			شجرہ مختصر
حضرت عباسؓ	ڈھونڈ خان	23			آئینہ قریش
ڈھونڈ خان	ملک سورج	14			1550ء
ڈھونڈ خان	محمد الیاس	26			پیدائش 1957ء
ڈھونڈ خان	امیر اکبر	24			مولف تاریخ ہفت گنج
گکھڑ	یعقوب طارق	36			مترجم کہگو ہرنامہ
حضرت علیؓ	دھنی پیر	18			پیدائش 1110ء
دھنی پیر	حق نواز	27			مولف تاریخ دھتیال
کیٹو	حاجی امیر افضل	19			وفات 1905ء
کیٹو	حاجی محمد اکرم	15			وفات 1998ء

باب۔۵

تلاش

موضوعات: قدیم روایت۔ آرین

ہخامنشی خاندان کا عروج وزوال

ہخامنشی تہذیب وتمدن۔ ذوالقرنین

استفادہ:

ایران پاستان	حسن پیرنیا
اے ہسٹری آف پرشیا	سرپرستی سائیکس
اے ہسٹری آف انشنٹ پرشیا	اے۔ڈبلیوراجرز
تاریخ الرسل والملوک	علامہ طبری
مشاہیر یونان وروما	پلوتارک
تاریخ ایران قدیم	مقبول بیگ چغتائی
تاریخ اقوام عالم	غلام مرتضےٰ خان

قدیم روایت

کیٹو قبیلے کی ابتداء کے بارے میں حتی الوسع کوشش کے باوجود کوئی تحریری ریکارڈ نہیں مل سکا۔ 1850ء کے بعد انگریز مصنفین اور ڈسٹرکٹ گزٹیئر مرتب کرنے والوں نے سرکاری ملازمین اور علاقائی مراعات یافتہ سرداروں سے پوچھی ہوئی انفارمیشن کو قبائل اور خانوادوں کے تعارف کے طور پر لکھ دیا ہے۔ یہ زمانہ راوی اور روایت کا تھا۔ اگر تھوڑی سی کاوش کی جاتی تو اُس دور کی تحریریں آج کے لکھاریوں کے لئے سودمند مآخذ ہوتیں۔ غیر ذمہ دارانہ انفارمیشن پر مبنی یہ تحریریں قبائل پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے چنداں مفید نہیں لگتیں۔

اب مجھے صرف اُس معروف ومقبول روایت کا سہارا لینا ہے جس میں کیٹو قبیلہ کے بڑے بوڑھوں کا ماننا تھا کہ کیٹھوال سکندر ذوالقرنین کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ماضی قریب تک پورے قبیلے میں اس روایت کے علاوہ کوئی دوسری روایت موجود نہ تھی۔ بعض مصنفین نے بغیر کسی حوالے اور ثبوت کے چند سطری تحریر میں کیٹھوالوں کو اعوانوں کے جدّ اعلیٰ قطب شاہ کے بیٹے مزمّل کلکانی کی اولاد ظاہر کیا ہے۔ اِسے لاعلمی کی انتہا کہنا چاہیے کیونکہ قطب شاہ کے گیارہ بیٹوں اور مزمّل کلکانی کے بارہ بیٹوں کی اولاد میں کیٹو نام کا کوئی شخص نہیں ملتا اور نہ ہی اعوانوں کے مشہور شجروں میں کیٹو قبیلے کا کوئی شجرہ درج نہ ہے۔ ایک انگریز مصنف نے اپنی کتاب ''پنجابی مسلمان'' میں کیٹو قبیلے کا تعلق سکندرِ اعظم یونانی سے جوڑ دیا ہے۔ شاید یہ انفارمیشن دینے والا سکندر ذوالقرنین اور سکندر اعظم کے فرق کو نہ سمجھ پایا ہو۔

کیٹو قبیلے کی اِس قدیم اور معروف عام روایت کو یکسر مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کے اسلاف کا تعلق مشہور زمانہ شہنشاہ ذوالقرنین کے خاندان سے ہے۔ اگرچہ کسی تاریخی کتاب میں کیٹو قبیلے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شجرہ نسب زبانی یا تحریری دستیاب ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ کیٹو قبیلے کا مورثِ اعلیٰ ذوالقرنین کے خاندان کی اولاد ہے۔ پھر بھی قدیم دور کی معروفِ عام روایت کی پیروی میں گندھارا تہذیب سے قدیم ایران کی تہذیب میں کیٹو قبیلے یا کسی بھی گمنام قبیلے کے اسلاف کو کھوجنے کی کوشش کرنے میں کوئی عیب دکھائی نہیں دیتا۔

آرین

Arian

اہلِ پارس

سائینٹفک تحقیق کے مطابق آریہ کوئی قوم نہیں، نہ انسانی نسل کا نام ہے اور نہ ہی کوئی واحد انسانی گروہ ہے بلکہ بے شمار قبائل کا مشترکہ نام ہے جو ازمنۂ قدیم میں شمالی میدانِ اعظم میں رہتے تھے، فطری زندگی گزارتے تھے، اپنی اپنی بولیاں بولتے تھے اور لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔

جدید مؤرخین آریاؤں کو دو بڑے گروہوں، ہندی آریا Indo-Arian اور یورپی آریا Euro-Arian میں تقسیم کرتے ہیں۔ انڈو آرین کا اصل وطن خوارزم تھا۔ جسے آج ازبکستان کہتے ہیں۔ پہلے باختر اور شمالی ایران میں وارد ہوئے اور پھر جنوبی ایران میں پھیل گئے۔ ایک گروہ کوہ ہندوکش کے راستے ہندوستان میں داخل ہوگیا۔ قدیم ایران کے باشندوں (کاپسی) اور وادیٔ سندھ کے قدیم آبادکاروں (دراوڑ) نے ان نو واردوں کو آریا کا نام دیا۔ لگتا ہے کہ اُس دور میں ایران اور وادیٔ سندھ ایک ہی ملک تھا اور اُن کی زبان بھی ایک تھی۔ تب ہی مؤرخین اس رائے پر متفق نظر آتے ہیں کہ مقامی زبان میں لفظ ''آری'' سے مراد نو وارد ہے اور تمام نو واردوں کو آریا کہا جانے لگا۔

اگرچہ ماہرین کسی آریائی نسل کو تسلیم نہیں کرتے پھر بھی مشہور مؤرخ کوسامبی Kosambi اپنی تاریخ ''دی انڈین ہسٹری'' میں اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ کچھ گروہ اپنے تئیں نسلی معنوں میں آریا کہلاتے تھے۔ ایران کے شہنشاہ داریوش اوّل نے اپنی لوحِ مزار کیلئے 480 ق م میں یہ عبارت کندہ کروائی تھی:

پارسُو،	پارستیاپُترا،	آریہ چترا
پارسی،	پارسی کا بیٹا،	آریہ نسب

کوسامبی کے مطابق آریا کانسی کے دَور کے پدرسری قبائل تھے۔ جوگلہ بان اور گھڑ سوار تھے۔ آگ کو مقدس مانتے تھے، مُردوں کو جلاتے تھے اور بعض دفن کرتے تھے۔

ابتدا میں آریاؤں کے پانچ گروہ تھے۔ رگ وید میں انہیں ''پنچ جَن'' اور ''پنچ کرشتایہ'' کہا گیا ہے۔ ایک گروہ شمال کی طرف روس میں داخل ہوا، دوسرا گروہ جنوب کی جانب ایران میں، تیسرا گروہ مشرق کی طرف ہندوستان میں اور چوتھا گروہ مغرب کی طرف مشرقی یورپ کی طرف بڑھ گیا مگر ایک گروہ میدانِ اعظم میں رُک گیا جو بعد کے ادوار میں رفتہ رفتہ ترکِ سکونت کرتا رہا۔

ایران کے قدیم باشندے اُس آریائی گروہ کی اولاد ہیں جو تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح میں پامیر سے چل کر چراگاہوں کی تلاش میں موجودہ ایران میں آئے۔ اِن کا ایک گروہ شمالی علاقے میں داخل ہوا اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یونانی مؤرخین نے اسے Medes اور عربوں نے آلِ ماد لکھا ہے۔ اس آریائی گروہ نے ''میڈیا'' شہر کی بنیاد رکھی۔ دوسرا گروہ جنوب کی طرف نکل گیا اور ''پارت'' شہر آباد کیا۔ اِن نو واردوں نے قدیم آبادیوں کو تباہ کر دیا یا اُنہیں غلام بنا لیا۔ آرین بنیادی طور پر گلہ بان تھے مگر مستقل سکونت اختیار کر لینے پر کھیتی باڑی شروع کر دی اور باقاعدہ بستیوں میں رہنے لگے۔ مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس Herodotus کے مطابق ایران میں داخل ہونے والے آریاؤں کے تین بڑے قبیلے تھے:

۱۔ پازارگد Pasargade

۲۔ مارفیئن Marphian

۳۔ مارسپیئن Marspian

اِن میں ممتاز قبیلہ پازارگد تھا جو پارت میں آباد تھا۔ اِس قبیلے کے ممتاز خاندان صرف سات تھے۔ ان سات خاندانوں میں تین خاندانوں کو دیگر پر برتری اور اہمیت حاصل تھی۔ اِن کے نام ماراپی، ماپسی اور ہخامنشی تھے۔ پازارگد قبیلے کے طے کردہ دستور کے مطابق حکمرانی کا حق صرف ہخامنشی خاندان کو حاصل تھا جن پر یہ پابندی تھی کہ وہ خاندان سے باہر شادی نہیں کر سکتے۔

قدیم شہروں کی تلاش میں کھدائی کے دوران کچھ ستون برآمد ہوئے ہیں جن پر خطِ میخی Cuniform Script میں تحریریں کندہ ہیں۔ اِن تحریروں کے حوالے سے مشہور مؤرخ سائیکس لکھتا ہے کہ ایران کے قدیم ہخامنشی عہد کی تاسیس پارس میں ہخامنشی نے رکھی جو پازارگد قبیلے کا ایک امیرزادہ تھا۔ اس نے گردونواح کے بکھرے ہوئے قبائل کو منظم کیا اور ایک حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا دارالحکومت پازارگد شہر تھا۔ ہخامنشی ایک زیرک، رحمدل اور بہادر شخص تھا۔ پازارگد قبیلے نے اُسے اپنا بادشاہ بنالیا۔ اس شہر کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔

ہخامنشی خاندان کے اولین حکمرانوں کے تفصیلی حالات اُبھی تک معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ ہخامنشی کے ایک جانشین چیش پیش دوم نے پہلی بار اپنی سلطنت کو وسعت دینے کیلئے عیلام کے حکمران آسور بانی پال کو شکست دے کر عیلام کے دارالحکومت انشان Anshan پر قبضہ کرلیا اور عیلام اور پارس کا شہنشاہ بن گیا۔ چیش پیش کی وفات پر اُس کے دو بیٹوں میں یہ مملکت تقسیم ہوگئی۔ اریارمنا پارس کا اور کمبوجیہ عیلام کا خودمختار بادشاہ بن گئے۔

ایران کے پڑوس میں سامی نژاد آسوری آباد تھے۔ یہ بابل سے ترک وطن کر کے دریائے دجلہ کے علاقوں میں آباد ہوئے اور آسوری نام سے ایک سلطنت قائم کی جس کا دارالحکومت آسور شہر قرار پایا۔ بعد میں دارالحکومت نینوا میں منتقل کرلیا۔ آسوریوں نے اپنی سلطنت کو بہت وسعت دی۔ مغرب اور جنوب میں ہیتی Hitti قوم کو مغلوب کیا۔ فلسطین اور مصر اُن کے تسلط میں آگئے۔ مشرق اور جنوب مشرق میں ایران کے کوہ دماوند کا علاقہ زیرِنگین کیا۔ آسوریوں کا عہد 1500 ق م سے 607 ق م تک قائم رہا۔ آخری بادشاہ آسور بانی پال تھا۔ آسوریوں کی زبان بابلی اور رسم الخط میخی تھا۔

آلِ ماد

ہیروڈوٹس کے مطابق ڈیوکس Diokes آلِ ماد کا پہلا شخص تھا جس نے میڈیا میں آزاد حکومت قائم کی۔ ڈیوکس ایک دہقان کا بیٹا تھا۔ وہ بہت ذہین، خوش گفتار اور عادل نوجوان تھا۔

آلِ ماد آسوریوں کے باجگذار تھے۔ اُنہیں شدت سے احساس تھا کہ اُن کا کوئی بادشاہ ہونا چاہیے جو اُن کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ بڑے بوڑھوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد ڈیوکس کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ ڈیوکس ایک انقلابی نوجوان تھا۔ اُس نے نوجوانوں کو منظم کیا، اُنہیں فوجی تربیت دی اور ایک تربیت یافتہ فوج تیار کر لی۔ آسوریوں کے خلاف بغاوت کر دی اور ہمدان کو پایہ تخت بنا کر آلِ ماد کی بادشاہت کی بِنا ڈالی۔ اس نے 655ق م میں وفات پائی۔

ڈیوکس کے جانشینوں نے میڈیا کی سلطنت کو بہت وسعت دی۔ نواح کی اکثر چھوٹی ریاستوں کو مغلوب کر لیا۔ ایران اور آسوریوں کے تمام علاقے تسخیر کر لیے۔ آخری بادشاہ کے دور میں آلِ ماد کی سلطنت دریائے ہالیس Halius سے بابل اور آرمینیا تک پھیل چکی تھی۔

شجرۂ نسب و اقتدار آلِ ماد

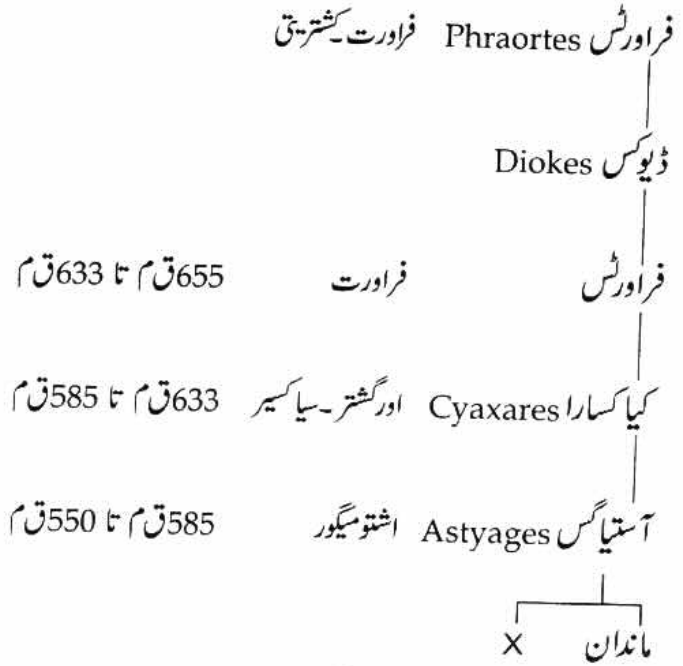

آستیاگس کا خواب اور اُس کی تعبیر

آستیاگس آلِ مادکا آخری بادشاہ تھا۔ وہ نرینہ اولاد سے محروم تھا۔ مادینہ اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی جس کا نام ماندان تھا۔ ماندان پارس کے بادشاہ کمبوجیہ کی بیوی تھی۔ جس کے بطن سے کوروشِ اعظم (ذوالقرنین) پیدا ہوا۔ آستیاگس جانشین نہ ہونے کی وجہ سے اکثر پریشان رہتا تھا۔

دُنیا کی عظیم اور عالمگیر شخصیات کے بارے میں ایک قدیم روایت چلی آرہی ہے کہ اُن کی پیدائش ایک عجیب وغریب خواب کی تعبیر سے ہوتی ہے۔ اُن کا بچپن غیر معمولی حالات میں گزرتا ہے اور انہیں عظمت کسی مافوق الفطرت قوت کی اعانت حاصل ہوتی ہے۔ آستیاگس نے بھی ایک رات خواب میں دیکھا کہ اُس کی بیٹی ماندان کے بطن سے ایک درخت پیدا ہوا ہے جس نے پورے ایشیا کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ بادشاہ نے تمام مصاحب اور دانشور بلائے اور اس عجیب وغریب خواب کی تعبیر پوچھی۔ دانشور سَر جوڑ کر بیٹھ گئے اور آخر اس خواب کی یہ تعبیر پیش کی کہ اُس کی بیٹی ایک ایسا بیٹا جنم دینے والی ہے جو خاندانِ ماد کی حکمرانی ختم کر دے گا اور نصف دُنیا فتح کر کے ایک عظیم بادشاہت کی بنیاد رکھے گا۔ بادشاہ نے اپنے معتمد خاص ہارپاگوس کو خلوت میں بلایا اور خصوصی ذمہ داری سونپی کہ یہ بچہ جب پیدا ہو تو اُسے فوراً اغوا کر کے قتل کر دیا جائے۔

جب یہ بچہ پیدا ہوا تو ہارپاگوس نے اِسے اغوا کروالیا۔ جب ہارپاگوس بچے کو قتل کرنے کیلئے ایک ویرانے میں پہنچا تو دفعتاً اُسے خیال آیا کہ وہ ایک معصوم کے خون سے اپنے ہاتھ کیوں رنگے؟ اُس نے ادھر اُدھر دیکھا، قریب ہی ایک چرواہا متراڈائس Mitrades مل گیا۔ اُس نے یہ بچہ قتل کرنے کیلئے اُس کے حوالے کر دیا۔ چرواہا بچے کو گھر لے گیا۔ اُس کے ہاں کوئی اولاد زندہ نہ بچتی تھی۔ یہ اتفاق تھا کہ گڈریے کی بیوی نے اُسی روز ایک مردہ بچے کو جنم دیا۔ گڈریے اور اُس کی بیوی نے ماندان کا بچہ گود میں لے لیا اور اپنا مردہ بچہ ہارپاگوس کو دکھا کر دفن کر دیا۔ ہارپاگوس مطمئن ہو گیا۔ گڈریے نے بچے کا نام کوروش رکھا جس کے معنی ''چرواہا'' ہیں۔ جب بچہ بڑا ہوا تو اُسے شہر کی اُس درسگاہ میں داخل کرایا جہاں شہزادے اور امیرزادے زیرِ تربیت تھے۔

ارمنی مؤرخ حسن پیرینا نے ہیروڈوٹس کے حوالے سے ایک داستان لکھی ہے کہ ایک روز بچوں نے کھیل کھیل میں کوروش کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ کوروش نے بادشاہ بنتے ہی بادشاہوں کی طرح اپنے وزیر، مشیر، پولیس اور فوج کے سربراہ مقرر کیے اور فرمان جاری کرنے لگا۔ جو بچے حکم نہ مانتے اُنہیں سزا دینا شروع کردی۔ ایک روز آلِ ماد کے ایک امیرزادے نے حکم بجالانے سے انکار کردیا۔ کوروش نے ایک بادشاہ کی طرح سزا دی۔ شام کو امیرزادے نے اِس ناروا سلوک کی اپنے باپ سے شکایت کی۔ جس نے اگلے روز آستیاگس سے دادرسی کی التجا کی۔ بادشاہ نے گڈریے اور اُس کے بیٹے کو دربار میں طلب کیا۔ گڈریے نے شاہی آداب بجالائے مگر کوروش سیدھا کھڑا رہا۔ بادشاہ کو کوروش کی یہ حرکت بری لگی۔ وہ غصے کی حالت میں کوروش سے مخاطب ہوا:

''لڑکے! شاہی آداب بجالاؤ'' آستیاگس نے سخت برہمی سے حکم دیا۔

''نہیں'' کوروش نے بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''کیوں'' بادشاہ نے تخت سے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اس لئے کہ میں بادشاہ ہوں۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے سامنے کبھی جھکتا نہیں۔ جو جھک جائے وہ بادشاہ نہیں رہتا'' کوروش نے نہایت دلیری سے جواب دیا۔

آستیاگس کے غصے کی انتہا ہوگئی اور گرجتے ہوئے کہا:

''تمہیں کس نے بادشاہ بنایا ہے؟ بادشاہ تو میں ہوں''

کوروش نے نہایت استقلال سے جواب دیا:

''مجھے میرے ساتھیوں نے بادشاہ چُنا ہے، میں خودمختار بادشاہ ہوں''

''تم ایک گڈریے کے بیٹے ہو اور شاہی خاندان کے امیرزادے کو سزا نہیں دے سکتے''

''گڈریے کا بیٹا جب بادشاہ چُن لیا جائے تو وہ بادشاہ ہوتا ہے، حکم نہ ماننے والے کو بادشاہ سزا دیتا ہے''

''تم امیرزادے سے معافی مانگو''

''معافی مانگنے والے باجگذار ہوجاتے ہیں، بادشاہ نہیں رہتے، میں بادشاہ ہوں''

جب کوروش بول رہا تھا تو آستیاگس بڑی غور سے اُسے دیکھ اور سُن رہا تھا۔ کوروش کی آنکھوں میں اُسے اپنی شباہت نظر آئی۔ وہ گھبرا گیا۔ دربار برخاست کر دیا، گڈریے اور اُس کے بیٹے کو روک لیا۔ گڈریے نے سزا کے خوف سے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ بادشاہ نے دونوں کو چھوڑ دیا اور مصاحبوں اور دانشوروں کو فوراً طلب کیا اور اپنے خواب کی تعبیر کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ اُنہوں نے بادشاہ کو بتایا کہ اگر بچہ زندہ ہے تو اُسے یزدان پاک کی خصوصی حمایت حاصل ہے۔ وہ ایک دفعہ بادشاہ بن چکا ہے اور دوبارہ بادشاہ نہیں بن سکے گا۔ بادشاہ اس وضاحت پر مطمئن ہو گیا۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ آستیاگس نے ہارپاگوس کی نافرمانی کی اس طرح سزا دی کہ اُس کے اکلوتے بیٹے کو ذبح کروا کر ایک ضیافت میں اُس کا گوشت ہارپاگوس کو کھانے پر مجبور کر دیا۔ ہارپاگوس نے انتقام کی آگ بجھانے کی خاطر آنے والے برسوں میں کوروش کی مدد کر کے آستیاگس سے بدلہ لے لیا۔

کوروش کا باپ کمبوجیہ انشان کا حکمران تھا۔ ہارپاگوس انشان پہنچا اور کمبوجیہ کو آمادہ کر لیا کہ وہ آستیاگس پر حملہ کرے کیونکہ آلِ ماد اس وقت بہت کمزور تھی۔ ہارپاگوس نے حملے کا منصوبہ تیار کیا اور اس حملے کی ذمہ داری کوروش کو سونپی۔ تین ماہ کی جنگ کے بعد کوروش فتح یاب ہوا اور آلِ ماد کی حکومت ختم ہو گئی۔

ہخامنشی خاندان کا عروج و زوال

خاندان ہخامنشی کا شجرۂ نسب و اقتدار

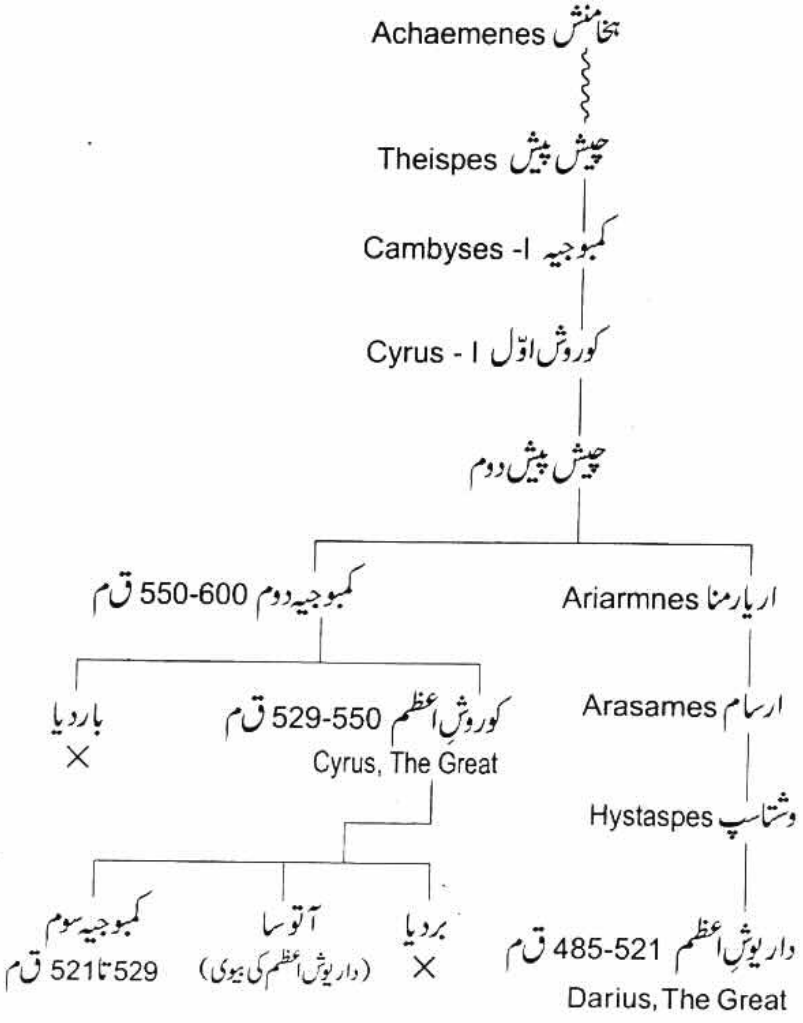

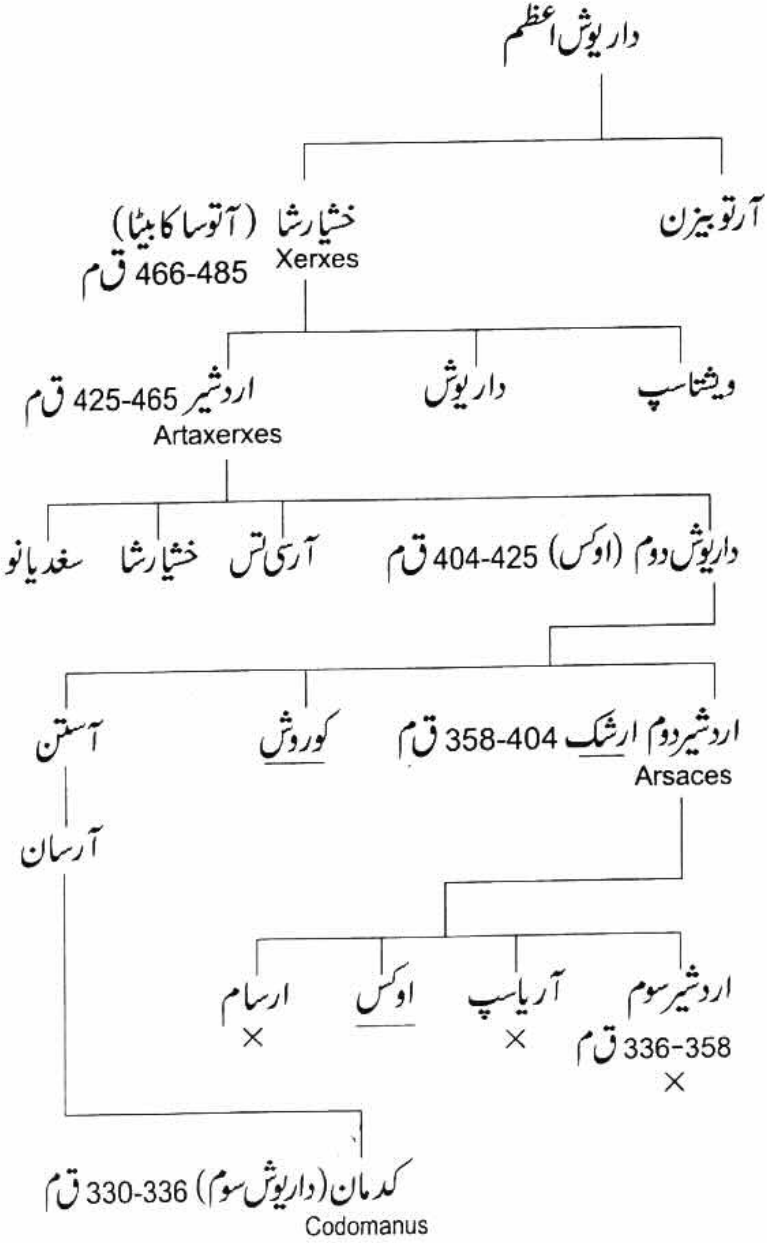
داریوش اعظم
آرتوبیزن
خشیارشا (آتوسا کا بیٹا)
Xerxes
466-485 ق م
ویشتاسپ
داریوش
اردشیر 425-465 ق م
Artaxerxes
سغدیانو
خشیارشا
آرسی تس
داریوش دوم (اوکس) 404-425 ق م
آستن
کوروش
اردشیر دوم ارشک 358-404 ق م
Arsaces
آرسان
ارسام
×
اوکس
آریاسپ
×
اردشیر سوم
336-358 ق م
×
کدمان (داریوش سوم) 330-336 ق م
Codomanus

زینوفن اور ہیروڈوٹس

زینوفن اور ہیروڈوٹس دونوں یونانی تھے۔ وہ اوّلین تاریخ نگار اور وقائع نگار تھے۔ یورپ اور مغربی ایشیاء کی قدیم تاریخ ان دونوں کے حوالے سے مرتب و مدوّن ہوئی۔ زینوفن ایتھنز کا امیر زادہ تھا۔ وہ سقراط کا شاگرد اور کوروشِ اعظم کے ایک جانشین کی فوج کا کمانڈر تھا۔ اُس نے 401 ق م کے حالات قلم بند کیے ہیں، جب ایران میں ہخامنشی خاندان کی حکمرانی تھی۔ اُس نے کوروش اعظم کے بارے میں قصے کہانیاں سُنیں اور اُس عظیم شخصیت کا گرویدہ ہوگیا۔ زینوفن نے یہ تمام قصے اور داستانیں اپنی کتابوں ''انابا سیزا'' واپسی کا سفر اور ''کیروپیڈا'' میں لکھی ہیں۔ اُس نے کوروش اعظم کی چھ پشت بعد کے ہخامنشی شہنشاہیت کے زوال کے اسباب بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔ ہیروڈوٹس نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا اور قدیم ایران کے واقعات کو تاریخ کی شکل دی۔

ہیروڈوٹس کی تاریخی کتب کا ترجمہ سر پرستی سائیکس، ہادی ہدایتی اور حسن پیرینا نے کیا اور قدیم واقعات حوالوں کے ساتھ اپنی کُتب میں نقل کیے ہیں۔

ہخامنشی دَورِ حکومت

ایران میں آریائی قبیلے پازارگد کے سات مشہور خاندان تھے۔ اِن کے نام ہخامنشی، مارا پی، ماپسی، گرمانی، مردی، دایہ اور خشتر تھے۔ ان میں سے اوّل الذکر تین مقتدر خاندان تھے۔ تمام خاندانوں نے متفقہ طور پر حکمرانی کا حق ہخامنشی خاندان کا تسلیم کرلیا مگر درج ذیل شرائط عائد کر دی گئیں:

۱۔ بادشاہ ہخامنشی خاندان سے باہر شادی نہیں کرے گا۔
۲۔ بادشاہ صرف ہخامنشی ملکہ کا بیٹا ہی ہوسکتا ہے۔
۳۔ بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد پیدا ہونے والا بیٹا ہی تخت کا وارث ہوسکتا ہے۔
۴۔ متعدد ورثاء کی صورت میں صلاحیت کی بنیاد پر بادشاہ تسلیم کیا جائے گا۔
۵۔ وراث تخت نہ ہونے کی صورت میں ہخامنشی خاندان سے اہلیت اور صلاحیت کے تحت بادشاہ مقرر کیا جائے گا۔

۶۔ بادشاہ نامزد اور مقرر کرنے کا اختیار پہلے لکھے گئے تین خاندانوں کو حاصل ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق ہخامنشی خاندان کی حکمرانی کی بنیاد ہخامنش نے رکھی جو پازارگد قبیلے کے تمام خاندانوں کا ہر دل عزیز حکمران تھا۔ اہلِ پارس آلِ ماد کے باجگذار تھے۔ ہخامنش کے بعد اُس کی اولاد میں سے چیش پیش، کمبوجیہ، کوروش اور چیش پیش دوم قابلِ ذکر حکمران گزرے ہیں۔ چیش پیش دوم نے پہلی بار اپنی بادشاہت کو وسعت دینے کیلئے عیلام پر حملہ کیا اور آسوری بادشاہ کو شکست دے کر عیلام کے دارالحکومت انشان Anshan پر قبضہ کرلیا۔ اب پارس اور عیلام ہخامنشی بادشاہ کے ماتحت ہو گئے۔

چیش پیش دوم کے بعد ہخامنشی سلطنت اُس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔ پارس کا ارمنا اور انشان کا کمبوجیہ خودمختار بادشاہ بن گئے۔ ہخامنش اور اُس کے جانشینوں کے حالات وواقعات کسی بھی مؤرخ نے تفصیل سے نہیں لکھے۔ البتہ جدید تحقیق کی بنیاد پر شجرۂ نسب اور شجرۂ اقتدار ارمنی مؤرخ حسن پیرینا کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ سرپرستی سائیکس، حسن پیرینا اور ڈاکٹر ہادی ہدایتی نے ہیروڈوٹس اور قدیم مؤرخین کے حوالوں سے کوروشِ اعظم کی فتوحات، مہمات اور واقعات لکھے ہیں جو اب تاریخِ ایران قدیم کے طور پر مسلّمہ ہیں۔

کوروشِ اعظم 550 تا 529ق م

ساتویں صدی ق م میں ایران میں آرین قبائل جو آسوریوں کے باجگذار تھے، نے ایران میں تین آزاد ریاستیں قائم کرلیں۔ شمالی اور وسطی علاقے میں میدی قبائل (آلِ ماد) نے فراورت کے بیٹے ڈیوکس Diokes کو اپنا حکمران چُن لیا جس نے میڈیا ریاست کی بنیاد رکھی اور انشان Anshan کو دارالحکومت بنایا۔ اِس کے جنوب میں موجودہ اصفہان کے گردونواح میں آباد آریائی قبائل نے پرسوماشی ریاست قائم کر کے ہخامنشی کو اپنا حکمران بنالیا جس نے اپنے قبیلے کے نام پر پازارگد شہر بسایا جو اس کا دارالحکومت قرار پایا۔ مزید جنوب کے آریاؤں نے پارس کے نام سے اپنی ریاست بنالی۔

آستیاگس آلِ ماد کا آخری بادشاہ تھا۔ وہ نرینہ اولاد سے محروم تھا۔ اور مادینہ اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی جس کا نام ماندان Mandan تھا جو والیٔ پارس کمبوجیہ دوم کی بیوی تھی، جس کے بطن سے کوروشِ اعظم پیدا ہوا۔ ہخامنشی حکمران آلِ ماد کے باجگذار تھے۔ مگر کمبوجیہ کو یہ اطاعت ہرگز قبول نہ تھی۔ جب ہارپاگوس نے کمبوجیہ کو میڈیا پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تو اُس نے فوراً یہ مشورہ قبول کرلیا اور ہارپاگوس کی خواہش کے مطابق اِس حملے کی ذمہ داری کمبوجیہ کے بیٹے کوروش کو سونپی گئی۔

550 ق م میں کوروش نے آلِ ماد کی ریاست میڈیا پر قبضہ کرلیا اور اگلے سال ہمدان کے سارے علاقے بھی فتح ہوگئے۔ اِس عظیم فتح کی خوشی میں اُس نے پازارگد میں عالیشان محل تعمیر کروائے۔ اگلے سال 549 ق م میں آریائی قبائل کی مقدس ندی ناہید (اناہتیا) کے کنارے مُعبد میں کوروش کی رسمِ تاج پوشی ہوئی۔ اُس وقت کوروش کی عمر 38 برس تھی۔ مقدس ندی کے کنارے تاج پوشی کی خوشی میں ضیافت عامہ کا اہتمام کیا گیا جس میں آریائی قبائل کی پسندیدہ غذا انجیر، کا ہو کے پتے اور چھاچھ سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ اِس تقریب کے بعد کوروش آریاؤں کے تین بڑے قبائل کا شہنشاہ بن گیا۔

ایران میں طاقت ور بادشاہت قائم ہوجانے سے ہمسایہ ملکوں میں خطرہ لاحق ہوگیا۔ لیڈیا کے بادشاہ کروزش Croesus نے سپارٹا اور مصر کے بادشاہوں سے مل کر اتحادِ ثلاثہ قائم کیا تاکہ ایران کی عظیم قوت کا مقابلہ کیا جاسکے۔ جب کوروش کو اس اتحاد کی اطلاع ملی تو اُس نے فوراً بابل کے بادشاہ نیبونیہ Nabonidus سے معاہدہ کرلیا۔ ایرانی افواج اور لیڈیا کا مقابلہ سارد میں ہوا۔ ایرانی افواج سے ہارپاگوس کی کمان میں لیڈیا کو شکست ہوئی اور ایشیائے کوچک کے تمام یونانی مقبوضات ایران کے تسلط میں آگئے۔ کوروشِ اعظم نے نئے مقبوضات کا حکمران ہارپاگوس کو مقرر کیا اور خود مشرق کی جانب پیش قدمی کرگیا۔ 545 سے 539 ق م کے درمیانی عرصے میں کوروشِ اعظم نے دریائے سیحون سے بحیرہ خضر تک کی تمام اقوام کو مغلوب کرنے کے بعد سیستان اور قندھار کے علاقے بھی اپنی قلمرو میں شامل کرلیے۔ اس طرح وہ قاف سے قاف تک کا عظیم شہنشاہ بن گیا۔

539ق م میں کوروشِ اعظم نے بابل بھی فتح کرلیا اور 586ق م سے بابل کے بادشاہ بخت نصر کی قید و بند میں بنی اسرائیلوں کو آزاد کیا۔ بنی اسرائیل کو بیت المقدس جانے کی اجازت دی اور معبد سلیمان کی سرکاری خرچ پر تعمیر نو کروائی۔ اِس طرح کتاب مقدس کا وہ وعدہ پورا ہو گیا جو یہودیوں کو آزاد کرانے کے بارے میں ایک خُدا پرست بادشاہ کے بارے میں تھا۔

529ق م میں کوروشِ اعظم ایک جنگی مہم کے دوران مارا گیا۔ اُس کی نعش پازارگدلائی گئی اور اُس کی وصیت کے مطابق ایک کمرے پر مشتمل مقبرے میں اُسے دفن کر دیا گیا۔

کوروشِ اعظم کی سیرت

کوروشِ اعظم (خسرو اعظم) کا ذکر بائبل کے عہد نامۂ عتیق میں مرقوم ہے۔ قرآن میں سورۃ الکہف میں اس کا نام ذوالقرنین ظاہر کیا گیا ہے۔ اس عظیم بادشاہ نے بابل کے بادشاہ کی قید سے یہودیوں کو آزاد کروایا اور اُنہیں اپنے وطن بھیج کر عزت و آبرو کی زندگی سے نوازا۔ اپنے ملک کو یاجوج اور ماجوج (سیتھین اور پارتھین) اقوام کے حملوں سے محفوظ رکھنے کیلئے کوہ قاف کے ایک درے میں لوہے اور تانبے کی ایک مضبوط دیوار بنوائی۔

مشہور مؤرخ کونت دی گوبی نو Conte de Gobineav لکھتا ہے کہ ''کوروشِ اعظم کی مثال اِس دُنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ وہ ایک مسیحا تھا، ایک عظیم انسان تھا اور دوسروں پر برتری حاصل کرنا اُس کا مقدر ہو چکا تھا''۔

کوروشِ اعظم دُنیا کے اُن چند بادشاہوں میں سے ہے جنہیں تاریخ عالم کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے کارناموں کی وجہ سے تا ابد زندہ و جاوید رہے گا۔ اُس کی شہرت و عظمت، فتوحات اور کشور کشائی کی نسبت اُس کے خصائل کی وجہ سے تھی۔ اُس کی سیاست اور سیادت ظلم و ستم کی بجائے مہر و محبت پر مبنی تھی۔ اُس نے جس بادشاہ کو مغلوب کیا نہ اُسے قتل کیا اور نہ ہی اُس کے اعزاء کا خون بہایا۔ جس شہر کو فتح کیا اہلِ شہر کو امن و امان اور عزت و آبرو کی ضمانت دی۔ معبدوں کا احترام کیا اور اُن کی تعمیر میں مدد دی۔ ٹوٹی پھوٹی عبادت گاہوں، مقبروں اور یادگاروں کو از سرِ نو تعمیر

کروایا۔ غاصبوں سے مظلوموں کو نجات دلائی۔ اُس کی رعایا اُس کی اولاد تھی اسی لئے وہ اُس کے جان نثار تھے۔ وہ نیکی اور بھلائی کا مجسمہ تھا۔ وہ رحمدل اور عدل کا پیامبر تھا۔ تورات اور قرآنِ کریم اُس کی خُدا پرستی اور انسان دوستی کی شہادت دیتے ہیں۔

کمبوجیہ سوم (529 تا 521ق م)

کوروشِ اعظم کی ملکہ کاسُندان Kasundan ہخامنشی خاندان کے ایک امیر کی بیٹی تھی جس کی ماں اشعیا Ashaya قبیلے میں سمجھدار خاتون مانی جاتی تھی۔ کاسندان کے بطن سے دو بیٹے کمبوجیہ اور باردیا پیدا ہوئے۔ کوروشِ اعظم کی دوسری بیوی یہودن تھی جس کا نام امینیش Aminese تھا، جس کی بیٹی آتوسا Atosa داریوشِ اعظم کی بیوی تھی۔ ہیروڈوٹس کے مطابق کوروشِ اعظم نے اسی ملکہ کی خواہش پر بابل پر حملہ کیا تھا اور بخت نصر کے جانشین کو شکست دے کر یہودیوں کو قید و بند سے نجات دلائی۔

کوروشِ اعظم کی وفات کے بعد 529ق م میں اُس کا بیٹا کمبوجیہ تخت نشین ہوا۔ اُس کا بھائی باردیا مشرقی علاقوں کا حکمران بنا۔ کمبوجیہ نے جلد ہی ایک سازش کے تحت باردیا کو قتل کروادیا کیونکہ وہ لوگوں میں بہت مقبول ہوگیا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایرانی بادشاہت کو عظیم تر بنائے۔ چنانچہ اُس نے اپنے اقتدار کے دور میں ایشیائے کوچک، آشوریہ، فلسطین، شام اور مصر کے بادشاہوں کو شکست دے کر ایران کو عظیم شہنشاہت بنا دیا۔ 521ق م میں کمبوجیہ دریائے نیل سے لے کر جیکسارٹس Jaxartes تک اور بحیرہ اسود سے خلیج فارس تک کا عظیم شہنشاہ تھا۔

کمبوجیہ آخری سالوں میں نفسیاتی مریض ہوگیا۔ جس کے نتیجے میں دُور کے مقبوضات بدانتظامی اور سازشوں کا شکار ہوگئے۔ 521ق م میں اُس نے خودکشی کرلی۔ کمبوجیہ نرینہ اولاد سے محروم تھا۔ ہخامنشی قبیلے کے اُمرا نے پارس کے ایک ہخامنشی امیرزادے داریوش کو ایران کا تاج پہنا دیا۔

داریوشِ اعظم (521-485ق م)

520ق م میں داریوش نے ایران کا تخت وتاج سنبھالا۔ وہ ایران کے اُن نامور بادشاہوں میں سے ہے جنہوں نے اپنی جرأت، سیاسی تدبّر اور انتظامی فراست سے ایران کی بادشاہت کو عالمگیر بنا دیا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو ایران کا نظام درہم برہم ہو رہا تھا اور ہر جانب سے سازشوں اور بغاوتوں کی خبریں آ رہی تھیں۔ داریوش نے بڑی دانشمندی سے سات سالوں میں ایران کی طاقت اور عظمت بحال کر دی۔ خوزستان، ہمدان، بابل، مصر، پارت، آرمینیا اور مَرو کی بغاوتوں کو سختی سے کچل دیا۔ اِن بغاوتوں اور سازشوں کا مختصر ذکر داریوش کے کتبوں پر کندہ کیا ہوا ملا ہے۔

امن وامان قائم کرنے کے بعد داریوش نے ایرانی بادشاہت کو وسیع کرنے پر توجہ دی۔ 512ق م میں پنجاب اور سندھ فتح کیے اور مغرب میں دریائے ڈینیوب کے اُس پار تراکیا اور مقدونیہ کو بھی فتح کر کے ایران کے تحت کر لیا۔ اب داریوش کی بادشاہت پنجاب وسندھ سے لے کر مقدونیہ اور وتراکیا تک اور افریقہ کے تپتے صحراؤں سے چین کی برف پوش سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اُس دَور کی معروف دُنیا تھی۔

داریوش نے فتوحات سے فارغ ہو کر انتظامی امور پر توجہ دی۔ اپنی بادشاہت کو 24 صوبوں میں تقسیم کیا صوبے کو ''ساترا پی'' اور حاکمِ صوبہ کو ''ساتراپ'' کہتے تھے۔ پایہ تخت تختِ جمشید مگر زیادہ تر پارس میں رہتا تھا۔ سونے چاندی کے سکے جاری کیے۔ سارد سے شوش (مصر) تک شاہراہ تعمیر کرائی۔ ڈاک کا نظام جاری کیا۔ اپنی فتوحات اور کارناموں کو زندہ رکھنے کے لئے پہاڑوں کی چٹانوں پر کندہ کروا دیا۔ داریوش نے 485ق م میں وفات پائی اور تختِ جمشید سے پانچ میل شمال کی جانب 500 فٹ لمبی اور 200 فٹ اونچی چٹان کے شکم میں اپنا مقبرہ تعمیر کروایا۔

خشیارشا Xerxes (485 تا 466ق م)

داریوشِ اعظم کے بعد اُس کا بیٹا خشیارشا تخت نشین ہوا۔ یہ کوروش اعظم کا نواسہ تھا۔ اس بادشاہ (اخسویرس) کا ذکر بائبل میں ہے کہ اُس کی حکومت ہندوستان سے لے کر شوش (مصر) تک

تھی اور وہ 127 ملکوں کا شہنشاہ تھا۔ خشیارشا نے تخت نشین ہوتے ہی باپ کی نامکمل خواہشات کی طرف توجہ دی۔ 484 ق م میں مصر اور 480 ق م میں یونان پر قبضہ کر لیا۔ ہیروڈوٹس اور راجرز نے یونان پر حملے اور ایتھنز Athens کی تباہی کے تفصیلی واقعات لکھے ہیں۔

ایتھنز اور سپارٹا کے یونانی شہروں کو ایرانیوں نے بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ اس شکست اور تباہ کاری کا بدلہ لینے کیلئے ڈیڑھ صدی (330 ق م) بعد سکندرِ اعظم نے ایران پر حملہ کیا اور بڑے بڑے شہروں کو تحس نحس کر دیا۔ پازارگد میں ہخامنشیوں کے تمام عالیشان محلات کو نذرِ آتش کر دیا۔ 465 ق م میں محلاتی سازش کے تحت شہنشاہ کو قتل کر دیا گیا۔

اردشیر Artaxerxes (465 تا 425 ق م)

465 ق م میں اپنے بھائیوں کو قتل کرنے کے بعد تخت نشین ہوا۔ آلِ ماد کے عہد سے داریوش اعظم تک مملکت ایران میں لگاتار توسیع ہوتی رہی مگر اردشیر کے دور میں ہر طرف شورشیں رونما ہونے لگیں۔ اردشیر کی وفات پر اُس کا بیٹا خشیارشا تخت نشین ہوا مگر 45 دن بعد سوتیلے بھائی سغد یانو نے اُسے قتل کر دیا مگر ساڑھے چھے ماہ بعد بلخ کے ہخامنشی حکمران ''اوکس'' نے اُسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اردشیر قتل ہو گیا اور اوکس ایران کا شہنشاہ بن گیا۔

داریوش دوم (اوکس) 424 تا 404 ق م

اوکس 424 ق م میں داریوش دوم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اِس کے عہد میں پے در پے شورشیں اور بغاوتیں ہوئیں۔ دُور دراز کے حکمرانوں نے جو ہخامنشی خاندان سے ہی تعلق رکھتے تھے اطاعت سے انکار کر دیا۔ داریوش دوم نے بڑی سنگدلی سے اپنے خاندان کے افراد کو قتل کروا دیا جو اقتدار کے دعویدار ہو سکتے تھے۔ پھر بھی مملکت کا انتظام و انصرام بڑی تیزی سے کمزور ہو گیا۔

اردشیر دوم (ارشک) 404 تا 358 ق م

داریوش دوم کے بعد اُس کا بیٹا ارشک اردشیر دوم کے لقب سے تاجدارِ ایران بنا مگر بہت عیش پرست اور غیر ذمہ دار شخص تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کے حرم میں 360 بیگمات تھیں جن سے 115 شہزادے اور شہزادیاں پیدا ہوئیں۔ صرف چار بیٹے زندہ بچے باقی تمام اولاد بادشاہ کی زندگی میں ہی فوت ہوگئی۔

زندہ بچ جانے والے بیٹے (۱) داریوش (۲) آریاسپ (۳) اوکس (۴) ارسام تھے۔ بادشاہ نے اپنی زندگی میں ہی داریوش کو جانشین مقرر کر دیا۔ مگر اوکس کو باپ کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ اُس نے محلاتی سازش کے تحت تینوں بھائیوں کو قتل کروا دیا۔ بادشاہ اسی صدمے سے فوت ہوگیا۔

اردشیر سوم (اوکس) 358 تا 338 ق م

اردشیر دوم کی وفات کے بعد اوکس اردشیر سوم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اُس نے رسم تاج پوشی سے پہلے تمام بیگمات اور چچازادوں کو بڑی بے دردی سے قتل کروا دیا۔ مؤرخین اِن کی تعداد ایک سو سے زائد لکھتے ہیں۔ اردشیر سوم سخت گیر بادشاہ تھا۔ اُس نے ہر سازش اور بغاوت کو بڑی بے رحمی سے کچل دیا۔ 342 ق م میں مصر کے حکمران نے بغاوت کی۔ وہ خود مصر پر حملہ آور ہوا اور مصریوں کا سنگدلانہ قتل عام کیا۔ 338 ق م میں شاہی محل کے خواجہ سرا باگوس نے اُسے بے ہوش کر کے زہر پلا دیا۔

داریوش سوم (کدمان) 336 تا 330 ق م

شاہی محل کا خواجہ سرا سازشوں کا سرغنہ تھا۔ بادشاہ کے جانشین قتل ہو چکے تھے۔ باگوس خواجہ سرا نے اُمرا کو رضامند کر لیا کہ نیا تاجدار داریوش دوم کی اولاد میں سے ایک امیر زادہ کدمان ہوگا۔ چنانچہ 336 ق م میں کدمان داریوش سوم کے لقب سے ایران کا شہنشاہ بن گیا۔ اردشیر سوم

نے جب ہخامنشی خاندان کا خون بہایا تو داریوش دوم کی نسل سے زندہ بچ جانے والا واحد شخص کدمان تھا۔ نئے بادشاہ نے سب سے پہلے خواجہ سرا کوزہر پلا کر ہلاک کروایا کیونکہ وہ داریوش سوم کو بھی قتل کروانے کی سازش کر رہا تھا۔

داریوش سوم میں اعلیٰ صفات موجود تھیں۔ وہ ایران کی شہنشاہیت کو دوبارہ عروج پر لے جانا چاہتا تھا مگر ایران کی اندرونی سازشوں نے اُسے بہت پریشان کر رکھا تھا۔ اِسے اتفاق کہیے یا زمانے کے عروج وزوال کا آفاقی چکر۔ ایران کی عالم گیر شہنشاہیت کے مدِ مقابل یونان کا سکندر اعظم آ گیا تھا جو دُنیا کو تسخیر کرنے مقدونیہ سے چلا اور اُس کے مقابل آنے والی بڑی سے بڑی قوت بھی خس وخاشاک کی طرح بکھر گئی۔ سکندر اپنے باپ فلپ آف مقدونیہ کی شکست اور ایتھنز اور سپارٹا کی تباہی کا بدلہ لینے ایرانی شہنشاہیت کی سرحدوں سے ٹکرا گیا اور چند سالوں میں ایران کی بالادستی کو زیردستی میں تبدیل کر دیا۔ 330 ق م میں سکندرِ اعظم کے ہاتھوں ہخامنشی عہد کا چراغ گُل ہو گیا۔

ایران اور یونان کی افواج میں پہلا مقابلہ دریائے گرانیک کے آر پار ہوا۔ ایرانیوں نے سرفروشی اور جان نثاری کا ریکارڈ قائم کر دیا مگر فتح یاب سکندر ہوا۔ اِس جنگ میں ایران کے صفِ اول کے سارے مارے گئے۔ سارد کا علاقہ اور خزانے سکندر کے قبضے میں چلے گئے۔ سکندر نے آگے بڑھ کر ایشیائے کوچک کے تمام ایرانی مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ ایران اور یونان کے درمیان سب سے بڑا مقابلہ 334 ق م میں ایسوس Assus کے میدان میں ہوا۔ ایرانی پسپا ہو گئے اور یونانیوں نے شام، دمشق اور دیگر ایرانی علاقوں پر بغیر کسی بڑی لڑائی کے قبضہ کر لیا۔ 331 ق م میں سکندر نے بابل بھی فتح کر لیا۔

سکندر آگے بڑھ رہا تھا اور داریوش پسپائی میں ایران کی دفاع میں مصروف تھا۔ سکندر کی افواج ایران کے سرمائی دارالحکومت ایسوس Assus میں داخل ہو گئیں اور پھر عظیم ایران کے مرکزی شہر تخت جمشید (پرسی پولس) Parsi Polus میں سکندر کی فتح کے نقارے بجنے لگے۔ ایک ایرانی بادشاہ نے ایتھنز اور سپارٹا کے شہروں کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ آج ایک یونانی بادشاہ نے مصر

کے حکمران کی یونانی محبوبہ کی خواہش پر عظیم ایران کے عالیشان محلات کو آگ لگا کر کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔

تخت جمشید اور پازارگد سے چل کر سکندر ہمدان پہنچا جو شہنشاہِ ایران کا گرمائی صدر مقام تھا۔ یہ پندرہ دن کا سفر تھا۔ ہمدان سے داریوش کے تعاقب میں گیارہ دن کی مسافت طے کر کے سکندر ری Ree اور بحیرۂ خضر پہنچا۔ پتہ چلا کہ داریوش کسی اور جانب پسپا ہو گیا ہے۔ اب سکندر تہران سے مشہد والی سڑک پر آگے بڑھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ بلخ اور سیستان Seestan کے ہخامنشی حکمرانوں نے داریوش کو اسیر کر رکھا ہے۔ سکندر نے بلخ کا رُخ کیا مگر بلخ کے حکمران بسوس Basus نے سکندر کے حملے کی اطلاع پا کر داریوش کو قتل کروا دیا۔ داریوش کے قتل کے ساتھ ہی عظیم ایران کی عظیم شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔

جدید تحقیق کے مطابق جب سکندر دامغان پہنچا تو داریوش کی خون آلود لاش رتھ پر پڑی تھی۔ رتھ چلانے والا اپنے بادشاہ کو اکیلا چھوڑ کر جا چکا تھا۔ سکندر کو شہنشائے ایران کے بے دردانہ قتل اور لاوارث لاش دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اپنا سرخ شاہی لبادہ اُتار کر لاش پر ڈال دیا اور فرمان جاری کیا کہ شہنشاہ کی لاش پورے تزک و احتشام کے ساتھ تختِ جمشید پہنچائی جائے اور شاہانہ آداب و رسوم کے ساتھ دفن کی جائے۔

سکندر اب ایران کا شہنشاہ تھا۔ داریوش کے قاتل کے تعاقب میں بلخ پر حملہ کیا۔ داریوش کا قاتل بسوس گرفتار ہوا۔ اُسے ہمدان بھیج دیا گیا۔ جہاں آلِ ماد اور ہخامنشی خاندان کی کونسل نے بغاوت اور قتل کے الزام میں پھانسی پر لٹکا دیا۔

سکندر اعظم کی یہ خواہش تھی کہ وہ کوروش اعظم کی طرح شہنشاہ عالم بنے۔ اس غرض کیلئے اُس نے ایران کے تمام مقبوضات پر قبضہ کرنا تھا چنانچہ وہ بغیر رُکے آگے بڑھا اور گرگان، بلخ اور ایران کے تمام مشرقی صوبوں کو بغیر کسی بڑی جنگ کے زیر تسلط کر لیا۔ سکندر کو ایران میں نظم و نسق قائم کرنے میں دو سال لگ گئے۔

سکندر کی اگلی منزل ہندوستان تھی۔ کوہ ہندوکش کو عبور کر کے پہلے قندھار کے علاقے فتح کیے پھر سوات کے راستے پشاور پہنچا۔ پشاور میں چند روز قیام کے بعد دریائے سندھ کو عبور کر کے ایرانی صوبہ ٹیکسلہ پہنچ گیا۔ ٹیکسلہ کے ہخامنشی گورنر (ساتراپی) ٹیکسیلس Taxelus نے بے شمار تحائف کے ساتھ سکندر کا استقبال کیا۔

سکندر اعظم ہندوستان میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس کی پیش قدمی دریائے جہلم کے آر پار کے حکمران راجہ پورس نے ایک زبردست جنگ سے روکنے کی سرفروشانہ کوشش کی مگر میدان سکندر کا مقدر تھا۔ 327 ق م میں یونانی افواج دریائے بیاس تک پہنچ گئیں مگر مسلسل جنگ اور وطن کی یاد یونانی افواج کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں۔ مجبوراً سکندر کو اپنے گھوڑے کی باگ یونان کی طرف موڑنا پڑی۔ واپسی سفر کے دوران 323 ق م میں بابل کے مقام پر موت کے ہاتھوں مغلوب ہو گیا۔

ایران پر یونانی حکومت

سکندرِ اعظم کی وفات کے بعد جانشینی کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ سکندر کی تین بیویوں میں سے کوئی اولاد نہ تھی۔ یونانی دستور کے مطابق غیر عقدی بیویوں کی اولاد تخت و تاج کی حقدار نہ تھی۔ اُمرا کی کونسل نے سکندر کے سوتیلے بھائی فلپ اریدکو یونان کا تاجدار بنا دیا اور سکندر اعظم کے تمام سپہ سالاروں کو اُن کی خواہش کے مطابق مقبوضات کا حکمران بنا دیا گیا۔ اس تقسیم کے تحت سلیوکس ایران اور مشرقی مقبوضات کا حکمران بن گیا۔ اُس کے جانشین 187 ق م تک حکومت کرتے رہے۔ آخری حکمران انٹی اوگس سوم تھا۔

پروفیسر براؤن کے مطابق سکندر اعظم کی وفات کے بعد ایران 240 قبائلی حکمرانوں میں تقسیم ہو گیا۔ فارس کا علاقہ ہخامنشی خاندان کے حصہ میں آیا جس کا آخری حکمران بابک تھا۔ بابک نرینہ اولاد سے محروم تھا۔ اُس کی صرف ایک بیٹی تھی۔ آخری دنوں میں اُس نے لگاتار تین خواب دیکھے جن کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ بابک کے ملازم ساسان Saasaan کو ''فرکیانی''

(تائیدایزدی) حاصل ہے۔ اُس کی اولاد اقتدار میں آ کر ایران کی عظمتِ رفتہ لوٹا دے گی۔ جب بابک نے ساسان کے بارے میں کھوج لگائی تو معلوم ہوا کہ ساسان داریوش کی اولاد میں سے ہے اور اپنی جان بچانے کی خاطر اُس نے اپنا بھیس بدل رکھا ہے۔ بابک نے فوری طور پر ساسان کو اعلیٰ عہدے پر فائز کیا اور اپنی اکلوتی بیٹی اُس کے عقد میں دے دی۔ جب اُس کا نواسہ اردشیر پیدا ہوا تو بابک نے اُسے متبنیٰ بنا لیا۔ 224ء میں اردشیر نے ساسان خاندان کے اقتدار کی بنیاد رکھی جس نے ایران کی عظیم شہنشاہیت قائم کی جو 652ء تک قائم رہی۔

عالمگیر بادشاہ کا سادہ ترین مقبرہ

ذوالقرنین نے جب محسوس کیا کہ اُس کی زندگی کا اختتام ہوا چاہتا ہے تو اُس نے معماروں کو بلوایا اور حکم دیا کہ اُس کے مقبرے کا نقشہ تیار کیا جائے۔ میری خواہش ہے کہ میرا مقبرہ بہت مختصر، سادہ اور پتھر کا ہو۔ ایک ماہ بعد معمار ایک نقشہ بنا کر لائے۔ ذوالقرنین نے اُسے پسند نہ کیا اور اُنہیں ساتھ لے کر اُس مقام پر پہنچا جہاں مقبرہ تعمیر ہونا تھا۔ بادشاہ معماروں کے ساتھ ایک ندی کے کنارے رُکا جہاں چاروں اطراف پہاڑی چوٹیاں تھیں۔ سبزہ اور درخت تھے۔ اُسے یہ منظر دلکش لگا اور معماروں کو ہدایات دینے لگا:

''اس جگہ سفید پتھر سے سات سیڑھیوں والی اونچی ایک عمارت بنائی جائے، سیڑھیوں کے اوپر اُسی پتھر سے سات گز لمبا اور چار گز چوڑا ایک کمرہ تعمیر کیا جائے۔ اُس کی چھت رہائشی کمروں کی طرح دائیں بائیں جھکی ہو۔ بالکل ایسا ہی کمرہ جو اُس کے آباؤ اجداد جنگلوں میں بنا لیتے تھے۔ اِس عمارت کے دو دروازے ہوں گے، ایک باہر اور دوسرا اندر۔ دونوں دروازے ایک ہی قسم کے پتھر سے بنیں گے۔ دونوں کھل سکتے ہوں۔ چونکہ جگہ کم ہوگی اس لئے باہر کے دروازے سے داخل ہو کر پہلے اسے بند کرنا ہوگا تا کہ اندر کا دروازہ کھل سکے۔ بہت اچھا کتبہ تیار ہو مگر صرف اتنا لکھنا کافی ہوگا:

میں کوروش ہخامنشی شہنشاہ ہوں''۔

معمار حیران تھے جس عمارت کے بنانے کا حکم دیا گیا ہے وہ ایک عام دیہاتی جھونپڑی سے کچھ زیادہ نہ ہوگی، جس کا فرش بھی پتھر کا ہوگا، شاید دُنیا میں اتنا سادہ مقبرہ کسی بادشاہ کا نہ ہو۔

کوروشِ اعظم کے مقبرے پر سکندرِ اعظم

دریائے کور کے اُس پار تختِ جمشید ہے جسے یونانی مؤرخ پرسی پولس Parsi Polus لکھتے ہیں۔ اہلِ ایران کا یہ پارس ہے۔ 330 ق م کا زمانہ سکندرِ اعظم وسط ایشیائی سلطنتوں کو تاخت وتاراج کرتے ہوئے تختِ جمشید میں داخل ہوتا ہے۔ یہ ہخامنشی خاندان کا اصل وطن ہے۔ اسی شہر میں کوروشِ اعظم (ذوالقرنین) نے آلِ ماد کی بادشاہت ختم کر کے ہخامنشی بادشاہت کی بنیاد رکھی تھی۔ جو 220 سال تک قائم رہی۔ اب وہ شہنشاہ عالم ایک سادہ مگر پروقار مقبرے میں دفن ہے۔ اِس کے جانشینوں نے پہاڑ کاٹ کر عالیشان محلات تعمیر کیے تھے اور دُنیا بھر کا خزانہ اِن محلات میں جمع کر رکھا تھا۔

مشہور مؤرخ پلوتارک اپنی کتاب ''مشاہیر یونان ورُوما'' میں لکھتا ہے کہ یونانی لشکر میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ ایک عورت کا نام تائیس تھا جو بطلیموس حاکمِ مصر کی محبوبہ اور یونانی نژاد تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر سکندرِ اعظم سے التجا کی کہ اس شہر کے محلات کو آگ لگانے کی اُسے اجازت دی جائے کیونکہ اِن محلات کے بنانے والوں نے اُس کا شہر Athens جلا دیا تھا۔ سکندر کے حکم سے ایک جلتی ہوئی شمع تائیس کو دی گئی جس نے ایک ایک محل کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگائی۔ عظیم الشان محل جلتے گئے اور یونانی سپاہی فتح کے نشے میں شراب پیتے اور رقص کرتے رہے۔ سکندر بڑے فخر سے انتقام کا یہ منظر دیکھتا رہا۔

پازارگد (تختِ جمشید) میں کوروش اعظم (سکندر ذوالقرنین) کا مقبرہ ہے۔ ''ایران باستان'' میں آریان نے لکھا ہے کہ یہ مقبرہ باغات کے عین وسط میں ہے۔ یہاں ہرے بھرے درخت اور ندیاں ہیں۔ مقبرہ مختصر اور سادہ ہے۔ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو تراش کر بڑی محنت سے مقبرہ تیار کیا گیا ہے۔ مقبرے تک پہنچنے کیلئے چھے سیڑھیاں ہیں۔ دروازہ تنگ ہے۔ شہنشاہِ عالم

کے جسدِ خاکی کو سونے کے ایک تابوت میں رکھ کر سونے کے ایک بڑے میز پر رکھا گیا ہے۔ تابوت کے اوپر ایک کتبہ ہے جس پر لکھا ہے:

''اے فانی انسان میں کبوجیہ کا بیٹا کوروش ہوں۔ میں نے پارس حکومت کی بنا ڈالی اور ایشیا کو فتح کیا۔ اس مقبرے کو دیکھ کر حسد نہ کرنا''

سکندرِ اعظم یونانی کوروشِ اعظم ایرانی کی آخری آرام گاہ کو دیکھنے آگے بڑھا۔ ایک سادہ عمارت دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا، ایک کے بعد ایک سیڑھی چڑھتا گیا۔ مقبرے کے تنگ دروازے کے سامنے رُک گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی جھکا اور مقبرے کے اندر داخل ہو گیا۔ کتبہ دیکھا، تحریر کی تعبیر سُنی اور حکم دیا کہ تابوت کھولی جائے۔ تابوت کے اندر شہنشاہِ عالم کی ننگی نعش پڑی تھی۔ سونے کی چادریں غائب تھیں۔ سکندر کو شہنشاہ کی بے بسی پر بہت دُکھ ہوا۔ اُس نے ریشمی چادریں منگوا کر نعش پر ڈالیں۔ تابوت مرمت کروایا اور مقبرے کا دروازہ پتھروں سے چنوا کر دروازے کے اوپر اپنی مُہر لگا دی۔ سکندرِ اعظم نے ایرانی رواج کے مطابق مقبرے کی مجاورت مغ Magh قبیلے کے سپرد کی اور اخراجات مستقل طور پر سرکاری خزانے سے ادا کرنے کا فرمان صادر کر دیا۔

پازارگد

ہخامنشی خاندان کے قدیم ترین آثار پازارگد میں ملتے ہیں جو کوروشِ اعظم کے دور میں ایران و فارس کا پایۂ تخت تھا۔ یہ شہر شیراز کے شمال مشرق میں 18 فرسنگ کے فاصلے پر پہاڑوں کی وادی میں واقع ہے۔ اب بھی اس قدیم شہر کے کھنڈرات موجود ہیں۔

پازارگد کے قدیم آثار کوروشِ اعظم کی عظمت کے نشان ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ہموار مسطح ہے۔ یہ تختِ سلیمان ہے۔ شکل میں یہ مقام متوازی الاضلاع ہے جس کی لمبائی تین سو فٹ ہے۔ اس کی تعمیر میں پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے استعمال ہوئے ہیں۔ یہاں پر نہ کوئی سیڑھی ہے اور نہ ہی کوئی عمارت۔ آگے بڑھیں تو ایک بڑے پتھر پر کسی کی شبیہ دکھائی دیتی ہے۔ یہ شخص کھڑا

ہے۔ دائیں بازو میں خم اور ایک ہاتھ اوپر اُٹھا ہوا ہے۔ سر پر تاج ہے۔ لباس عیلامی اور داڑھی پارسیوں جیسی ہے۔ مؤرخین کا قیاس ہے کہ یہ کوروشِ اعظم کی خیالی تصویر ہے۔

آثارِ استخر اور تختِ جمشید

استخر کا قدیم نام پارس تھا۔ یہ پازارگد سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ استخر سے پانچ میل کے فاصلے پر سلسلۂ کوہ میں ایک ہموار میدان ہے۔ یہ میدان چالیس فٹ بلندی پر ہے اور تختِ جمشید کہلاتا ہے۔ اِس کی لمبائی 1530 فٹ اور چوڑائی 920 فٹ ہے۔ یہاں تک پہنچنے کیلئے متعدد سیڑھیاں ہیں جو کافی چوڑی ہیں۔ داریوش اعظم نے یہاں عالیشان محلات تعمیر کروائے۔ قصرِ قاچار اور قصرِ آپادانا تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ اِن پر خطِ میخی میں عبارت کندہ ہے۔

تختِ جمشید میں داریوشِ اعظم، خشیارشا اور اردشیر سوم کے بہت سے کتبے ہیں جو قدیم فارسی، آسوری اور عیلامی زبانوں میں تحریر ہیں۔ اِن کتبوں کی تحریروں سے ایران کی قدیم تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔

سدِّ سکندری Sadd-e-Skandri

بحیرۂ اسود اور بحیرۂ خضر کا درمیانی خطہ قفقاز کہلاتا ہے۔ جب کوروشِ اعظم نے یہ علاقے فتح کیے تو لوگوں نے التجا کی کہ شمالی اقوام جو وحشی اور درندے ہیں، اُن کے علاقے پر اکثر حملہ آور ہو کر قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے ہیں۔ اُنہیں ان اقوام سے بچایا جائے۔ بائبل کے مطابق یہ وحشی اقوام یاجوج Gog اور ماجوج Megog ہیں جو حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد ہیں۔

کوروشِ اعظم (ذوالقرنین) نے اِن حملہ آوروں سے بچاؤ کی خاطر موجودہ داغستان کے دو پہاڑوں در بند اور داریال کے درمیانی درّے پر لوہے اور تانبے کی ایک مضبوط دیوار تعمیر کروائی جس سے شمالی حملہ آور رُک گئے۔ یہ دیوار 50 میل لمبی، 290 فٹ اونچی اور 10 فٹ

چوڑی ہے۔ بائبل اور قرآن میں اس دیوار کا ذکر ہے۔ مؤرخین اسے سدِ سکندری Sadd-e-Skandri لکھتے ہیں۔

دیوارِ چین

250 ق م میں چین کے ایک سردار ''شی ہوانگ ٹی'' نے چین کے قبائل کو متحد اور منظم کر کے عظیم چین کی بنیاد رکھی۔ یہ چین کا پہلا بادشاہ تھا۔ بادشاہ نے اپنے ملک کو شمال کے وحشی قبائل سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک طویل دیوار تعمیر کروائی جو دُنیا کے عجائبات میں شامل ہے۔ مؤرخین نے اِن وحشی قبائل کو سُن، سیتھی اور پارتھی لکھا ہے۔

یہ عظیم دیوار 1500 میل لمبی اور 30 گز اونچی ہے۔ دیوار کے اوپر والی سطح اتنی چوڑی ہے کہ چھ گھوڑے پہلو بہ پہلو دوڑ سکتے ہیں۔ دیوار پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پہریداروں کیلئے برج بنے ہوئے ہیں۔ اِس دیوار کی تعمیر سے وحشی حملہ آوروں کا رُخ مغرب اور جنوب کی طرف ہو گیا۔

قدیم مؤرخ لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے اِس دیوار کی بنیادوں میں دس لاکھ مزدور زندہ دفن کروا دیے تھے تا کہ انسانی ہڈیوں اور خون سے دیوار مضبوط ہو جائے۔ اس بادشاہ کی وصیت کے مطابق اُس کی تیرہ ہزار ایک سو چالیس بیویاں اور دو ہزار آٹھ بچے بھی اُس کی وفات پر اُس کی میت کے ساتھ زندہ دفن کر دیے گئے تھے۔

ہخامنشی تہذیب وتمدّن

مذہب

ہخامنشی خدا کی وحدانیت پر اعتقاد رکھتے تھے۔ خالقِ کائنات کا پختہ تصور تھا۔ آگ، آفتاب، پانی، ہوا اور روشنی کو مقدّس مانتے تھے۔ قربانی دینے کا رواج تھا۔ قربانی دیتے وقت پاک لباس، بلند مقام اور ہوادار جگہ کا ہونا ضروری تھا۔ زمین مقدس تھی اور زمین کو آلودہ کرنا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ مذہبی رسومات مغ Magh (مذہبی فرائض کا ذمہ دار خاندان) کی موجودگی میں ادا ہوتی تھیں۔ مُردوں کو موم میں لپیٹ کر دفن کرتے تھے۔ مجرّد شے کا مجسمہ بنانا ممنوع تھا۔ قطب کی سَمت اور قطبی ستارے کو متبرک مانتے تھے۔ آفتاب اور سات ستاروں کی قسم اُٹھاتے اور عہد و پیماں کرتے تھے۔

نظامِ حکومت

قدیم ایران کا نظامِ حکومت چار مدارج پر مشتمل تھا۔ گھر جس کا سربراہ بزرگ ترین شخص ہوتا تھا۔ گاؤں کا حاکم گاؤں کا سردار تھا۔ ہر قبیلہ ایک سردار کے ماتحت ہوتا تھا اور ایک مُلک یا سلطنت کا حکمران بادشاہ کہلاتا تھا۔ ہخامنشی عہد میں سات خاندان مقتدر مانے گئے تھے جن کی متفقہ رضامندی سے ہخامنشی خاندان کو بادشاہی کا حقدار تسلیم کرلیا گیا تھا۔ سلطنت کے اعلیٰ عہدے ان سات خاندانوں کیلئے مختص کر دیے گئے تھے اور بڑی بڑی جاگیریں ان کے سپرد تھیں۔ اِن خاندانوں کے سردار ذیلی اور علاقائی حکمران ہوتے تھے اور وہ بادشاہ کہلاتے تھے۔ دُور دراز کے مفتوحہ ممالک ولایت یا صوبہ کہلاتے تھے مگر اُن کے حاکم صرف شہزادے یا بادشاہ گر خاندانوں کے امیرزادے ہوتے تھے۔ صوبوں کی تعداد 24 سے 30 تک گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔

بادشاہ

بادشاہ اہم امور میں امراً وروٴسا سے مشورہ کرتا تھا۔ ہخامنشی بادشاہ ظل اللہ نہیں کہلاتے تھے مگر اُس کا فیصلہ اور حکم اٹل ہوتا تھا۔ بادشاہ تنہا کھانا کھاتا تھا۔ البتہ مادر ملکہ اُس کے ہمراہ کھانے میں شریک ہوسکتی تھی۔ بادشاہ ہخامنشی خاندان سے باہر عموماً شادی نہیں کرتا تھا۔ ایسا کرنے سے اُس کا بیٹا وارثِ تخت نہیں ہوسکتا تھا۔ شاہی لباس ارغوانی رنگ کا، پیچھے سے لٹکتا ہوا جُبہ Jubba کانوں میں بالیاں، گلے میں طلائی کی زنجیر، سونے کی پیٹی، ہاتھ میں عصاء اور سر پر تاج، یہ بادشاہ کا مخصوص پہناوا تھا۔

معاشرتی حالات

عام لوگ گلہ بان اور کسان تھے۔ کھلی فضاء میں بکھرے بکھرے جھونپڑی نما مکانوں میں رہتے تھے۔ ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج تھا۔ لونڈیاں بھی رکھتے تھے۔ پردے کا رواج تھا۔ خونی رشتوں میں شادیاں نہیں ہوتی تھیں۔ عورتیں محنت مزدوری نہیں کرتی تھیں۔ گھروں کے گرد حویلی کا رواج نہ تھا۔ کتا اور بلی ہر گھر میں پالتے تھے۔ بلاضرورت دوسروں کے گھر نہ جاتے تھے۔ نرینہ اولاد کا زیادہ ہونا طاقت اور قوت مانتے تھے۔ بادشاہ کی لڑاکا فوج میں شامل ہونا باعثِ فخر تھا۔

بزرگوں کا احترام کرتے اور جھک کر ملتے تھے۔ لوگ توہمات کے قائل تھے اور غیر مرئی قوتوں سے ڈرتے اور نذرانے پیش کرتے تھے۔ معاشرتی طبقہ بندی موجود تھی۔ مغلوب اقوام اور قبائل بیگار بھی لیتے تھے۔ شاہی خاندان کے افراد کو ہر جگہ فضیلت حاصل تھی۔ مفتوحہ علاقوں سے ٹیکس اور خراج بھی وصول کیا جاتا تھا۔ شہزادگان اور امیر زادگان کی تعلیم وتربیت کے لئے الگ درس گاہیں تھیں۔

ماں اپنے بچوں سے بتیس (32) دھاریں دودھ کی قسم دیتی اور وعدہ لیتی تھی۔ باپ دادا کے عہد وپیماں کو توڑنا اُن کی ہڈیاں توڑنے اور بیچنے کے مترادف مانتے تھے۔ نیزے بدل کر اور پگڑیاں بدل کر دوستی کا عہد کیا جاتا تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اور آفتاب کو گواہ رکھ کر وعدہ کرتے تھے۔

کانوں کو ہاتھ لگا کر اور دھرتی کو چھو کر برے کاموں یا کلاموں سے باز رہنے کا اظہار کیا جاتا تھا۔

معاشرتی نظام کی بنیادی اکائی خاندان تھا۔ خاندان پدر نسبی، پدر سری اور پدر مقامی ہوتا تھا یعنی خاندان کا سربراہ مرد، شجرۂ نسب باپ سے اور سکونت باپ کے مقام سے۔ خاندان کا نظام مشترکہ تھا اور جائیداد بھی مشترکہ ہوتی تھی۔ نوعمری کی شادی معیوب نہ تھی۔ مرد کی زندگی میں پیدائش سے موت تک کئی مرحلے تھے۔ ہر مرحلے میں مذہبی عہد و پیماں اور رسومات کے ساتھ داخل ہونا پڑتا تھا۔ مرد کو سربراہی حاصل تھی مگر عورت کی حیثیت بھی تسلیم شدہ تھی۔ کثرت ازدواج کا رواج تھا مگر صرف ایک بیوی کا ہونا احسن سمجھا جاتا تھا۔ محرمات کا تصور شدید تھا اور غیر قانونی جنسی تعلق بھیانک جرم تھا۔ بیوہ خاوند کے بھائی سے شادی کر لیتی تھی۔ نرینہ یا مادینہ اولاد والی عورتیں اکثر دوسری شادی نہیں کرتی تھیں۔ ماں کو محترم مقام حاصل تھا اور تمام اولاد کا محور سمجھی جاتی تھی۔

معاشرتی زندگی تین طبقوں پر مشتمل تھی۔ حکمرانوں کا طبقہ اشرافیہ کہلاتا تھا۔ ان کے پاس بڑی بڑی جاگیریں ہوتی تھیں۔ دوسرا طبقہ کاشتکاروں کا تھا جو کھیتی باڑی کرتے تھے اور مال مویشی پالتے تھے۔ اُنہیں کاسپی Kaspi کہتے تھے۔ یہ لوگ مفتوحہ اور مغلوب تھے اور اصل باشندے تھے۔ تیسرا طبقہ اہلِ حرفہ تھا جو انسانی ضروریات اپنے ہاتھوں سے تیار کرتے تھے اور اپنے پیشے کے نام سے معروف تھے۔ اِن تین طبقات کے علاوہ ایک کاروباری طبقہ بھی تھا جو سوداگر کہلاتا تھا۔ یہ تجارت کرتے تھے، اشیائے ضرورت کی خرید و فروخت کرتے اور اکثر سفر میں رہتے تھے۔ اِس طبقہ میں دیگر طبقات کے افراد شامل ہو سکتے تھے۔

رہائش

ہخامنشی عہد میں حکمران قبائل مستقل سکونت اختیار کر چکے تھے۔ اپنے گھر اونچی جگہوں میں تعمیر کرتے تھے۔ ہر مکان میں ستون لازمی ہوتا تھا۔ برآمدے اور آنگن میں مویشیوں کیلئے جگہیں بنائی جاتی تھیں۔ گھروں کا رخ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے مدِ نظر ہوتا، دیواریں پتھر اور مٹی گارے کی اور چھت جھونپڑی نما رکھی جاتی تھی۔ مکان عموماً بکھرے بکھرے اور بغیر حویلی کے بنائے جاتے تھے۔

زبان

ہخامنشی عہد کی زبان قدیم فارسی تھی جو اب کہیں بھی نہیں بولی جاتی۔ کوروشِ اعظم اور داریوش اعظم کے کتبے قدیم فارسی زبان میں اب بھی موجود ہیں۔ اس زبان کا رسم الخط میخی Cuniform Script ہے جو بابل اور نینوا میں رائج تھا۔ ایرانیوں نے اس رسم الخط کو اپنی ضرورت کے تحت اختیار کیا اور اسے ترقی دی۔

خوراک

ہخامنشی دور میں لوگوں کی پسندیدہ خوراک چاول تھی۔ عام آبادی ندیوں، نالوں اور دریاؤں کے اطراف میں آباد ہوتی تھی کیونکہ وافر پانی کی دستیابی مفید تھی اور لوگ بآسانی غذائی ضروریات پوری کر لیتے تھے۔ ہخامنشی خطۂ ارض کے دریائے کور کو اسی لئے ''کور'' یعنی ''چوپان'' کہتے تھے کہ وہ اپنے آر پار آباد انسانوں اور حیوانوں کی زندگی کا ضامن اور محافظ تھا۔ ایران قدیم کے مؤرخین نے لکھا ہے کہ بادشاہ اور عام آدمی کی روزمرّہ خوراک تقریباً ایک تھی۔ جب کوروش اعظم (ذوالقرنین) کی ''ناہیدندی'' کے کنارے ایک معبد میں رسم تاج پوشی ادا ہوئی تو شاہی ضیافت میں جو کھانا پیش ہوا اُس میں چاول، دودھ، انجیر اور کاہو کے تازہ پتے اور چھاچھ شامل تھے۔

ذوالقرنین

جدید تحقیق میں بھی حتمی طور پر یہ طے نہیں ہوسکا کہ ذوالقرنین جس کا ذکر تورات اور قرآن میں آیا ہے وہ دُنیا کے کس عظیم اور عادل بادشاہ کا لقب تھا۔ قرآن کریم کی سورۃ ''الکہف'' میں اُس عظیم بادشاہ کے بارے میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے دُنیا میں قاف سے قاف تک اقتدار سے نوازا اور اُسے ہر طرح کا مال واسباب دیا۔ اُس نے دُنیا میں عدل اور نیکی کا نظام قائم کیا۔ وہ خدا پرست تھا اور اُس نے یاجوج Gog اور ماجوج Megog کے حملے روکنے کیلئے دو پہاڑوں کے درّے میں عظیم دیوار تعمیر کی تاکہ لوگ امن اور چین سے رہ سکیں۔

تورات اور اسرائیلی لٹریچر کے مطابق ذوالقرنین سے مراد ''دو سینگوں والا مینڈھا'' ہے۔ قدیم دور میں مینڈھا طاقت کا Symbol (علامت) تھا۔ آلِ ماد کا یہ شاہی نشان تھا۔ اقتدار جب آلِ ماد سے اہلِ پارس کے پاس چلا گیا تو طاقت کی یہ علامت بھی اہلِ پارس کو منتقل ہوگئی۔ بعض مؤرخ یہ بھی کہتے ہیں کہ دو سینگ ایران کی دو سلطنتوں، میڈیا اور پارس کا مظہر ہیں اور مینڈھا اُس بادشاہ کا نشان بن گیا جس نے میڈیا اور پارس کو اپنے تحت متحد کرلیا۔ بنی اسرائیل کا یہ بھی ماننا ہے کہ ایران کے شہنشاہ ذوالقرنین نے تورات کے وعدے کے مطابق بابل کے ظالم شہنشاہ بخت نصر کو شکست دے کر بنی اسرائیل کو طویل قید و بند سے رہائی دلائی تھی۔ یہ 539 ق م کا واقعہ ہے جب ایران کا شہنشاہ کوروشِ اعظم تھا۔

عرب مؤرخین ''قرن'' کے معنی 110 سال کا عرصہ لیتے ہیں اور قرنین سے دو قرن یعنی 220 سال کا عرصہ مراد لیتے ہیں۔ اس طرح ''ذوالقرنین'' یعنی ایک ایسا بادشاہ جس کی قائم

کردہ بادشاہت دو قرنوں تک قائم رہی۔ مزید برآں قاف (گوشہ) سے قاف تک دریائے سیحون سے بحیرۂ خضر تک دو پہاڑوں کے درّے میں (کوہ در بند اور کوہ داریال) میں دیوار بنا کر وحشی اقوام (پارتھین اور سیتھین) کو روکنے والا بادشاہ ذوالقرنین اس وقت تک حاصل کردہ شواہد کے مطابق کوروشِ اعظم کے سوا کوئی دوسرا بادشاہ نہیں ہوسکتا۔

زمانۂ قدیم میں ایران میں وقائع نگار پیدا نہ ہوا۔ ایران کی قدیم تاریخ یونانیوں نے لکھی۔ یونانی اور ایرانی تہذیب وثقافت میں حریفانہ تعصب نامعلوم دَور سے موجود تھا۔ لہٰذا یونانی مؤرخین نے قدیم ایران کی تاریخ جانبدارانہ لکھی ہے۔ مشہور مؤرخ جے۔ ایچ۔ ایلیف J.H.Eliph کا یہی خیال ہے۔

قدیم مؤرخین کی پیروی میں سائنٹیفک ریسرچ Scientific Research کرنے والے جدید مورخین اس وقت تک ذوالقرنین کے بارے میں متفق نظر نہیں آتے ہیں کہ تورات اور قرآن میں جس عظیم حق پرست شہنشاہ عالم کا ذکر آیا ہے واقعات اور سیرت وکردار کے مدِنظر وہ قدیم ایران کا شہنشاہ کوروشِ اعظم کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ یونانیوں نے اُسے سائرس اعظم Cyrus, The Great، عربوں نے ذوالقرنین یا سکندر ذوالقرنین اور ایرانیوں نے کوروشِ اعظم، خورس اور خسرو اعظم لکھا ہے۔ اب تک کی ریسرچ میں ذوالقرنین کی جملہ صفات اور واقعاتی نشانات ایران کے ہخامنشی شہنشاہ کوروش کبیر میں دکھائی دیتے ہیں جو اُس دور کی معروف ومعلوم دُنیا کا واحد شہنشاہ تھا۔ تورات کی پیش گوئی اُس کے ذریعے تصدیق ہوئی، سدِّ سکندری کا وہ معمار تھا اور خداپرست اور عادل تھا۔ یہودیوں کا وہ نجات دہندہ تھا۔ یروشلم شہر کی تعمیرِ نو اُسی شہنشاہ نے کی۔

باب۔۶

یافت اور متفرق

موضوعات: کیٹھوال ہخامنشی خاندان کی ایک شاخ ہیں

متفرق

استفادہ:

راجا کالا خان..... پڑہنہ

راجا دلیل خان..... پڑہنہ

راجا مخمود خان..... پڑہنہ

راجا شاہ محمد.....چاچل

جمعدار عبدالرسول... پڑہنہ

راجا بگو خان.....سیر گراں

راجا سلطان اکبر....سیر گراں

حاجی ڈھیرو خان....چلاورہ

مرداں ستی.....کٹھیاں

راجہ کرم داد جنجوعہ.....بن

راجا دادن خان:.. پڑہنہ

راجا امیر اکبر..... پڑہنہ

راجا مناں خان... پڑہنہ

راجا محمد اکبر..... بانڈی

صاحب دین..... پڑہنہ

راجا محمد اقبال.....سیر گراں

راجا علی روشن.....سیر گراں

راجا حکمداد.....برحد

اورنگزیب.....پٹھوریا

کیٹھوال ہنا منشی خاندان کی ایک شاخ ہیں

سچ کیا ہے؟ سچ مُچ کیا ہے؟

سچ کی بنیاد شہادت ہے اور شہادت جھوٹی بھی ہوسکتی ہے۔ جھوٹی شہادت اور من گھڑت دستاویز پر ثابت کیا گیا سچ درحقیقت سچ نہیں ہوتا بلکہ جھوٹ کو سچ مان لیا جاتا ہے۔

سچ مُچ وہ ہوتا ہے جسے ثابت کرنے کیلئے کوئی دستاویزی شہادت نہیں ہوتی پھر بھی یہ اصل سچ ہوتا ہے۔ اِس کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ ایک عقدی جوڑے کا ایک بیٹا ہے۔ شادی مذہبی عقیدے اور رواج کے مطابق ہوئی تھی جو کہ ادارہ مجاز میں رجسٹرڈ ہے۔ دستور کے مطابق باپ کا یہ حقیقی ثابت شدہ بیٹا ہے۔ مگر سچ مچ صرف ماں جانتی ہے کہ اُس کے بیٹے کا اصل باپ کون ہے۔ ماں کے پاس نہ کوئی دستاویز ہے اور نہ ہی کوئی شہادت، پھر بھی ماں اصل سچ جانتی ہے۔

بعینہٖ ایک قبیلے کا جدِّ اعلیٰ زبانی اور تحریری سلسلوں کے حوالے سے معروف اور مقبولِ عام ہے مگر جدِّ اعلیٰ کے بنیادی خاندان یا مورثِ اعلیٰ کے بارے میں نہ کوئی شجرہ اور نہ ہی کوئی تحریر دستیاب ہے۔ اِس اندھی صورتِ حال میں ''پدرم سُلطان بُود'' کے مصداق کسی قلم کار نے اگر اپنی پسند کے مطابق قبیلے کے نسلی تعلق کو کسی نامور بادشاہ سے فرضی اور قیاسی حیلوں سے جوڑ دیا، یا مذہبی عقیدے کے تحت عرب کی نامور شخصیات سے نسبی رشتے قیاس کر لیے تو برسوں بعد یہ فرضی تحریر ڈاکومنٹری پروف ٹھہرے گا اور مستقبل میں اِسے مستند تاریخ مان لیا جائے گا۔ اگر یہ ہی قلم کار قبیلے میں موجود معروف اور مقبولِ عام روایت (روایت انسانی تمدنوں اور تمام علوم کی ماں ہے) کی پیروی میں نامکمل معلومات ہی ضبطِ تحریر میں لا دیتا تو آنے والے دَور کی تحقیق میں یہ دُھندلا سا سچ چراغِ راہ ہوتا۔

برِصغیر پاک و ہند کے مسلم قبائل اور خانوادوں کی تاریخ بڑی پریشان کُن ہے۔ ہر خاندان اور قبیلے کا نسلی تعلق کسی بادشاہ، راجے، حکمران یا بنوقریش سے جا ملتا ہے۔ اگر موجودہ تمام خانوادے بادشاہوں، راجاؤں اور قبیلہ قریش کی اولاد ہیں تو عام رعایا اور عام آبادی اِس دھرتی سے کیوں ناپید ہوگئی ہے۔ بنوقریش اور حکمرانوں کی اولاد کے پاکستان میں کیوں ڈھیر لگ گئے۔

اقوام اور قبائل پر قلم آزمائی کرنے والوں نے انگریز مصنفین پر انحصار کیا ہے۔ اکثر کُتب اور گزیٹیئر زمیری نظر سے گزرے ہیں۔ مضمون تقریباً ایک جیسا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مصنفین نے سرکار سے قرب رکھنے والے افراد سے مقامی قبائل اور خانوادوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اپنی اضافی قیاس اور رائے کے ساتھ لکھ دیں۔ اگر مصنفین فیلڈ میں جا کر لوگوں سے براہ راست معلومات حاصل کرتے تو قبائل اور خانوادوں کی تاریخی شکل وصورت یقیناً مختلف ہوتی۔

کیٹھوالوں کی قدیم تاریخ کے بارے میں اعوانوں کی تواریخ میں ایک منچلے نے مزمل کلکانی کی ساتویں پُشت پر ''کیٹھو'' لِکھ کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ کیٹھوال اعوانوں کی ایک شاخ ہیں۔ اب یہ بے بنیاد تحریر معروف ہوگئی ہے اور نئے مصنفین بغیر کسی تحقیق کے صرف حوالے سے خبر کو عام کر رہے ہیں۔ حالانکہ کیٹھوال قبیلے میں کوئی بھی شخص اپنے آپ کو اعوان نہیں کہتا۔ اِسے سچ ماننا اور لکھنا سچ کے ساتھ زیادتی ہے۔

میں نے کیٹھوالوں میں معروف اور مقبولِ عام روایت کو سچ مانا ہے۔ تاریخِ عالم میں روایت کو سند حاصل ہے۔ انسانی تہذیب وتمدن کی کھوج کرنے والے روایت کو نشانِ راہ سمجھتے ہیں اور سائنسی علوم کی تاریخ بھی روایت سے شروع ہوتی ہے۔ گویا روایت جدید تاریخ وتمدن اور جدید سائنس کی ماں ہے۔

کیٹو قبیلے میں نامعلوم دور سے ایک روایت موجود ہے کہ اُن کا نسلی اور نسبی تعلق مشہورِ زمانہ شہنشاہ سکندر ذوالقرنین کے خاندان سے ہے۔ اس مقبولِ عام روایت کے مقابلے میں کوئی دوسری روایت نہ موجود ہے اور نہ سُنی گئی ہے۔ البتہ غلط فہمی سے بعض لوگ سکندر ذوالقرنین کو

سکندرِ اعظم کہتے ہیں۔ بانی قبیلہ کے بارے میں اکثر لوگ اتنا جانتے ہیں کہ کیٹو کے جدّ امجد کا نام راجا جیری تھا جس کے تیرہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ اس سے قبل کے بارے میں نہ کوئی شجرہ موجود ہے اور نہ ہی کوئی لوک داستان۔ البتہ راجا جیری کی اکلوتی بیٹی اباں Abban کے بارے میں دو داستانیں ماضی قریب تک اکثر بڑے بوڑھے سُنایا کرتے تھے جو کتاب ہٰذا میں درج ہیں۔

میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ قبیلے کی مقبولِ عام روایت کی پیروی میں سکندر ذوالقرنیں اور اس کے خاندان ہخامنشی Hakhamanshi کی تفصیلات جانوں جس کی قبیلہ کیٹو ایک شاخ ہے۔ اِس سلسلے میں ایران قدیم کی تاریخ اور تہذیب وتمدّن کی مختصر ترین روئیداد گذشتہ صفحات میں موجود ہے۔

میں نے فرضی شجرۂ نسب مرتب کرنے اور من گھڑت داستانوں سے گریز کیا ہے۔ اس لئے کہ اقوام اور قبائل یا کسی چھوٹے سے چھوٹے انسانی گروہ اور خاندان کے فرضی اور قیاسی نسبی سلسلے جوڑنا بہت بڑا اخلاقی پاپ ہے جس کا ارتکاب بے وقوفی ہے۔ میں نے کیٹھوالوں کے شجرے میں صرف وہی نام شامل کیے ہیں جو قلمی یا کتابی یا معتبر زبانی روایت سے ملے ہیں۔ سرکاری ریکارڈز جو 1860ء اور 1884ء میں برطانوی گورنمنٹ نے تیار کروائے ہیں اُن میں کیٹھوال قبیلے کے جدّ امجد کے آباؤ اجداد کا شجرہ درج نہ ہے۔ شاید اُس دور میں قبیلے کے بنیادی شجرۂ نسب کے بارے میں کوئی معروف شجرہ موجود نہ تھا۔

اُس وقت کے مقتدر افراد نے قیاسی اور فرضی شجرہ لکھانے کی عمداً کوشش نہیں کی۔ یہ بات کیٹھوالوں کی عصبیت، غیرت اور وقار کی مظہر ہے کہ انہوں نے کسی واضح ثبوت کے بغیر کسی من پسند خانوادے یا قبیلے کے ساتھ کیٹھوالوں کو منسوب کرنے یا جوڑنے سے گریز کیا اور محض کیٹھوال ہونا ہی اپنے لئے پسند کیا۔ ایک مؤلف اور محقق کے لئے یہ فطری حالت State of nature حوصلہ افزا ہے کہ اُس کے موضوع پر دخل اندازی اور دست درازی نہیں ہوئی۔ قدیم ترین روایتی دعویٰ آج بھی مقبول عام ہے کہ کیٹھوالوں کا نسلی اور نسبی تعلق ذوالقرنین بادشاہ کے خاندان سے ہے۔

مجھے 1970ء کے عشرے میں ''تاریخِ ستیاں'' کے سلسلہ میں خطہ کوہسار کی اکثر آبادیوں اور ویرانوں جانے کا موقع ملا۔ گو میرا موضوع کیٹھوال قبیلہ نہ تھا، پھر بھی آثارِ قدیمہ کے ناتے کیٹھوالوں کا ذکر اکثر آتا تھا۔ میں نے ستیوں کے بڑے بوڑھوں کو متعدد بار یہ کہتے سُنا کہ اِس خطے کے پہلے آبادکار کیٹھوال ہیں جو سکندر ذوالقرنین کے خاندان کی اولاد ہیں۔ اس صحرانوردی کے دوران جب میں کیٹھوالوں کی قدیم ترین بستی ''چلاورہ'' پہنچا تو گاؤں کے معزز اور عمر رسیدہ شخص حاجی ڈھیر وخان سے ملاقات کیلئے اُن کے گھر گیا۔ انہوں نے مجھے کیٹھوال حکمرانوں کی قدیم ترین بستی ''رنگ محل'' کے آثار دکھائے جو آج مِٹ چکے ہیں۔ اپنے گھر کے قریب کیٹھوالوں کا قدیم قبرستان دکھایا اور ایک ایک قبر پر جا کر کیٹھوالوں کے آباؤاجداد کے نام بتائے۔ اُنہوں نے خطۂ ستیاں میں واقع قدیم کیٹھوال علاقوں، بستیوں اور قبرستانوں کا تفصیلاً ذکر کیا۔ جب اُن کے گھر چائے پر بیٹھے تو وہ ازخود اُٹھے اور دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بوسیدہ سی کاپی جھاڑتے ہوئے واپس آئے اور کہنے لگے کہ میرے پاس یہ پرانی کاپی ہے جو پتہ نہیں کب کسی نے فارسی زبان میں لکھی ہے۔ اِس میں ستیوں اور کیٹھوالوں کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔ کاپی میرے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر اِس میں کوئی مطلب کی معلومات ملتی ہے تو نوٹ کرلیں۔

اِس کاپی میں راجا جیری کی اکلوتی بیٹی ''اباں'' کے دو قصے لکھے تھے۔ واقعات وہی تھے جو قبیلے کے لوگوں میں معروف عام تھے۔ راجا جیری کی اولاد کا تذکرہ تھا۔ راجا جیری کے آباؤاجداد کا ایک مختصر سا شجرہ بھی تھا جس میں پہلا نام ''کے توسی'' لکھا تھا اور ساتھ ہی یہ نوٹ لکھا تھا کہ کے توسی کا نسب نامہ سکندر ذوالقرنین کے خاندان سے جا ملتا ہے۔ راجا جیری سے کے توسی تک کے تمام نام ایرانی طرز کے تھے۔

مجھے موضع چھجانہ کی ایک بستی پٹھوریا کے رنگو (اورنگزیب) میراثی سے بھی ملنے کا موقعہ ملا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ علاقے میں معمر ترین آدمی ہے۔ 1975ء میں اُس نے مجھے اپنی عمر 95 سال بتائی تھی۔ دوران بات چیت اُس نے بتایا کہ اُس کا باپ رئیس بوڑا خان کا خاندانی

خدمتگار تھا اور وہ اکثر اپنے باپ کے ہمراہ رئیس بوڑا خان کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ رنگو کا باپ داستان گو ہونے کے علاوہ گانا بجانا بھی خوب جانتا تھا۔ کیٹھوال اور ستیوں کے شجرہ جات بھی اُسے ازبر تھے۔ وہ قبائل کے مشہور واقعات، لوک داستانیں، رزمیہ گیت، قصیدے، نوحے اور شادی کے گانے مقامی زبان میں محفلوں اور تقریبات میں گا کر سنایا کرتا تھا۔ رنگو کو باپ کا یہ فن ورثے میں ملا اور وہ طویل عرصہ تک گھوم پھر کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتا اور معقول رقم وصول کرتا تھا۔ رنگو بہت بوڑھا ہونے کے ساتھ کافی اُونچا سنتا تھا۔ اُس سے گفتگو میں اُس کی بیوی نے جو ابھی جوان تھی میری معاونت کی۔ میری فرمائش پر رنگو نے پہلے کیٹھوال قبیلے کی معروف داستان گا کر سنائی جس میں اباں کا واقعہ تھا۔ پھر راجا کورسی کی پوتی پورن کے نوحے (بین) سُنائے جو پورن نے اپنے اکلوتے بھائی اور باپ کیلئے بین کہے تھے۔ یہ دونوں باپ بیٹا ''سانحہ ڈل'' میں کام آئے تھے۔ اِس کے بعد رنگو نے میرے استفسار پر راجا جیری کا شجرہ نسب سنایا جو سات پشتوں پر مشتمل تھا اور آخری نام کیٹوشی کے ساتھ ''پُتر سکندر ذوالقرنین شہنشائے عالم'' سُنا کر نسب نامہ ختم کر دیا۔ اِس نسب نامہ میں کچھ نام حاجی ڈھیروخان کے بتائے گئے نسب نامہ کے مطابق نہ ہیں۔ حاجی صاحب کے شجرے میں تمام نام بزبان فارسی ایرانی طرز کے تھے۔ جب کہ رنگو مراثی کے دو تین نام ہندی معلوم ہوتے ہیں۔ آخر میں رنگو نے از خود رئیسِ اعظم بوڑا خان ستی اور راجا سردار خان چارہان کی شان میں چند قصیدے بھی سنائے۔

راجا حکمداد آف برحد کے بارے میں بڑی شہرت تھی کہ وہ کیٹھوال اور ستی قبیلوں کے بارے میں بہت معلومات رکھتے ہیں۔ 1970ء میں اُن کے گھر مجھے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ برحد گاؤں سے متصل کیٹھوالوں کی قدیم بستی ''پونول'' Poonol میں راجا صاحب کا اکیلا گھر تھا۔ ستر، اسّی سال عمر ہوگی۔ فارسی زبان کے بڑے شوقین تھے۔ بڑا تیز حافظہ تھا۔ فارسی شعراً کی رُباعیات، مثنویات اور مقبولِ عام کلام دورانِ گفتگو اکثر سناتے رہتے تھے۔ میرے سوال پر بہت خوش ہوئے کیونکہ ایسے سوالات اُٹھانے والوں کے جوابات اُن کے پاس تھے۔ اُنہوں نے راجا جیری اور اُن کے بیٹوں اور اُن کے حوالے کیے گئے علاقوں کی مکمل تفصیلات بتائیں۔ کیٹو کے آباؤ اجداد کا شجرۂ نسب سنایا۔ یہ بھی بتایا کہ کیٹھوالوں کے شجرے میں کیٹو نام کے کئی افراد آتے ہیں۔ کیٹھوال قبیلے

میں رواج تھا کہ اپنے بزرگوں کے نام دو تین پشت بعد دُہرایا کرتے تھے۔ اس قبیلے کے آباؤ اجداد نے جہاں بھی نئی بستیاں بسائیں اُن کے نام اپنے بزرگوں، درختوں، ندی نالوں اور زمین کی ہیئت وخاصیت کے مدِ نظر رکھے۔ برحد اور کورینہ دو اجداد، بورسی اور کورسی کے نام پر ہیں۔ ابتدا میں یہ دو مرکزی بستیاں تھیں جن کے تحت بڑے بڑے علاقے تھے۔ راجا کورسی کوٹلی ستیاں کے مرکزی بازار کے قریب برلبِ سڑک قدیم کاہو والے قبرستان میں دفن ہیں۔ اُن کے اہلِ خانہ بھی اسی قبرستان میں دفن بتائے جاتے ہیں۔ کوڑینہ بازار سے کلیاڑی پُل تک تمام علاقہ کورینہ تھا اور راجہ کورسی کے ماتحت تھا۔

میرے گاؤں سے جنوب مغرب میں بہت دُور تک کا علاقہ برحد کہلاتا تھا۔ برحد بستی راجہ بُورسی نے آباد کی تھی۔ راجا بورسی اپنے تمام اہلِ خاندان کے ساتھ برحد گاؤں کے مرکزی قبرستان میں دفن ہیں۔ اِس قبرستان پر بہت قدیم کاہو کے پیڑ اب بھی موجود ہیں۔ روایت کے مطابق راجا شیرسی بھی اسی قبرستان میں محوِ خواب ہیں جو موجودہ کیٹھو الوں کے جدِ اعلیٰ تھے۔

مجھے وہ بھاری بھرکم بن اخروٹ کا گھنا درخت بہت یاد آتا ہے جس کے ٹھنڈے سائے تلے ایک بڑے پُر وقار چوک پر بچپن سے بوڑھاپے کے آغاز تک پیدل سفر کے دوران سستایا کرتا تھا۔ سامنے ڈسٹرکٹ بورڈ کا تالاب تھا۔ کبھی کنواں کھودنے کی ناکام سعی کی گئی تھی۔ مقامی زبان میں تالاب کو بَن کہتے ہیں اور اسی نسبت سے یہ بازار بھی بَن کہلاتا ہے۔ صدیوں پرانا وہ بوڑھا درخت بن کے مقام کا سرتاج تھا۔ اُس کی گھنی چھاؤں نے تھکے ماندے مسافروں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا اور بارشوں اور اولوں سے ہر کسی کو بچایا۔ چند برس پہلے اُسے غائب پا کر بہت دُکھ ہوا۔ علاقائی تاریخ کا قدیم اور معتبر گواہ، سفر سفر کا سنگ میل اور انسانوں کا محسن جب قتل کیا گیا ہوگا تو آرے کی آہ وفغاں کا کیا عالم ہوگا۔ اُس شام چڑیوں نے اپنے گھر نہ پا کر کیسے کیسے بین کیے ہوں گے اور چولہے میں تڑپتی ہوئی آگ، ذرا سوچیے کیا منظر پیش کرتی ہوگی۔ شاید یہ سچ ہے کہ انسان پر ہر چیز کا احسان ہے اور انسان نے کبھی کسی پر رحم نہیں کھایا۔

اس بوڑھے درخت تلے بنے ہوئے چوک کے ساتھ بابا کرمداد کا ہوٹل ہوا کرتا تھا۔

چائے تو برائے نام تھی مگر بابا جی کا خلوص، پیار اور احترام کسی گراں بہا مشروب سے کم نہ تھا۔ چوک کے قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد اور اُس کے عقب میں ایک ولی اللہ کا مقبرہ ہے۔ مقبرے کے ساتھ خستہ حال قدیم قبریں بھی ہیں۔ بازار سے باہر کنیاٹی روڈ پر دائیں جانب کنیاٹ پتھر سے بنی ہوئی متعدد قبریں ہوا کرتی تھیں جن کے بارے میں روایت تھی کہ یہ کیٹھو الوں کا قبرستان ہے۔ بابا کرمداد خان کہا کرتے تھے کہ اُن کا خاندان ترکِ وطن کر کے اِس بستی میں آباد ہوا ہے اور کیٹھو ال قبیلے نے مقبرے کی مجاورت اُن کے ذمہ کر رکھی ہے۔ اِس خدمت کے عوض اُنہیں آس پاس کی زمینیں دے رکھی ہیں۔ بابا کرمداد کے بقول صاحبِ روضہ کا نام سادی تھا جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اور مقبرے کے اندر باپ اور بیٹا اکٹھے دفن ہیں۔ ایک روایت کے مطابق کُلو، سادا اور مصری کی قبریں بھی اسی مقام پر ہیں جو اب مسمار ہو چکی ہیں۔

معروفِ عام روایت کے مطابق کیٹھو الوں کا نسلی اور نسبی تعلق ذوالقرنین بادشاہ کے خاندان سے ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق قرآنِ کریم کا ذوالقرنین وہی بادشاہ ہے جسے عرب مؤرخین نے سکندر ذوالقرنین، یونانیوں نے سائرس دی گریٹ Cyrus The Great اور ایرانیوں نے کوروشِ اعظم اور خسرو اعظم لکھا ہے۔ ایران کی قدیم تواریخ کے مطابق نامعلوم دَور میں میدانِ اعظم (وسطِ ایشیا) سے تین انسانی گروہ ایران میں داخل ہوئے۔ اُن میں سے ایک کا نام پازارگدھا۔ پازارگد قبیلے کے متعدد خاندانوں نے اپنے میں سے سات خاندانوں کو مقتدر خاندان تسلیم کر لیا تھا۔ اِن مقتدر خاندانوں نے باہم رضامندی سے ہخامنش Hakha Mansh خاندان کو حکمرانی کا اختیار دے دیا تھا۔ حکمران خاندان نے پازارگد کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا اور اِسے صدر مقام قرار دیا۔

کوروشِ اعظم ہخامنشی خاندان کا پہلا حکمران تھا جس نے ایران کی حدود کو چاروں طرف وسعت دی اور ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اُس کی قائم کی ہوئی شہنشاہیت دو سو بیس برسوں تک قائم رہی۔

ذوالقرنین (کوروشِ اعظم) کے دو بیٹے تھے جن کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ البتہ اُس کے

ایک بیٹے کمبوجیہ کی واحد بیٹی ''آتوسا'' Atosa داریوش اعظم کی بیوی تھی۔ جس سے ہخامنشی خاندان خوب پھیلا پھولا۔

کیٹھوالوں کے موروثِ اعلیٰ کا نسبی تعلق ہخامنشیوں کے کس خاندان سے ہے، سرِ دست کچھ کہنا مشکل ہے۔ اِس موضوع پر تحقیق و تدقیق درکار ہے۔ تاہم دیگر مؤرخین قبائل کی طرح من پسند فرضی ناموں سے شجرہ نسب مرتب کر دینا شعبہ تاریخ میں بہت بڑی بددیانتی اور کیٹو قبیلے کے ساتھ ناقابلِ تلافی زیادتی ہوگی۔ کم از کم میں اس بے وقوفی کی جسارت نہیں کر سکتا۔

ایک معروف اور مقبولِ عام روایت کے کے حوالے سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کیٹھوال سکندر ذوالقرنین سے روایتی تعلق کی بنیاد پر ہخامنشی ہیں۔ داریوشِ اعظم کے دور میں ٹیکسلہ میں آکر مستقل آباد ہوگئے۔ سکندرِ اعظم یونانی کے جانشینوں کے دور میں جب ٹیکسلہ بدانتظامی کا شکار ہوا تو اِس قبیلے کا کوئی جدِ اعلیٰ اپنے خاندان کے ساتھ ہزارہ کے پہاڑوں میں جابسا۔ بہتر اور محفوظ زندگی کی تلاش میں یہ لوگ وادیوں اور پہاڑوں میں بار بار سکونت تبدیل کرتے رہے۔ صدیوں کی بے قرار زندگی اُنہیں گیارھویں صدی کے آغاز میں موجودہ مظفر آباد کے نواح میں دریائے جہلم کے مشرقی علاقے میں لے گئی۔ جہاں زرعی زمین حسبِ حال اور چراگاہیں وافر تھیں۔

کچھ برس سکون سے گزرے کہ ہندوستان سے تارکین وطن اس علاقہ میں آگئے۔ مقامی آبادی سے مل کر کیٹھوال خانوادے کو تنگ کرنے لگے۔ کیٹھوال خاندان کی آبادی کم تھی لہٰذا مقامی آبادی کی دست درازیوں کا مقابلہ نہ کر پائے۔ پرسکون زندگی کی تلاش میں ایک بار پھر ترکِ سکونت پر مجبور ہوگئے۔ موجودہ موضع چھجانہ کے دامن میں واقع چھپریاں Chhaprian کے مقام سے دریائے جہلم کو عبور کیا اور وگہل کے علاقے میں آباد ہوگئے۔ روایت کے مطابق اُس دور میں یہ علاقہ غیر آباد تھا۔ لہٰذا نئے آبادکاروں کو کسی مدافعت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ علاقے میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ کیٹھوال خاندان سے قبل اِس خطہ ارض پر کوئی قوم یا قبیلہ آباد تھا۔ اس خطہ ارض پر آباد قبائل یہ تسلیم کرتے ہیں کہ

کیٹھوال اس علاقے کے پہلے آبادکار ہیں۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ نئے وطن میں نئی آبادکاری کے وقت اس قبیلے کا جدّ اعلیٰ اور سردارِ اعلیٰ کون تھا اور اس خاندان کے ہمراہ دیگر خاندانوں کی تعداد کتنی تھی۔ تاہم روایت راجا جیرسی کو کیٹھوالوں کا جدّ اعلیٰ اور سردارِ اعلیٰ مانتی ہے جن کے تیرہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ راجا جیرسی کے زیرِ تسلط علاقے میں موجودہ تحصیل کہوٹہ کا تمام شمالی علاقہ اور تحصیل مری کا مشرقی علاقہ بشمول تحصیل کوٹلی ستیاں شامل تھے۔ راجا جیرسی نے اپنی زندگی میں یہ علاقہ جات اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیے تھے اور بیٹوں نے اپنے اپنے علاقوں میں جا کر نئی بستیاں آباد کر لی تھیں۔ اِن علاقوں میں پھیلے ہوئے قبرستان اور لوک داستانیں ناقابلِ تردید شواہد ہیں۔

کیٹھوال ذوالقرنین کے حوالے سے بخامنشی خاندان کی ایک شاخ ہیں۔ اگرچہ شجرۂ نسب نامکمل ہے پھر بھی اُن قیاسی اور من پسند مکمل شجروں سے بدرجہ اَوتم بہتر ہے۔ چند لفظوں کا سچ من گھڑت داستانوں کے انبار پر ہمیشہ وزنی رہا ہے۔

متفرق

ہخامنش (وجہ تسمیہ اور شاہی نشان)

ایران کی قدیم تاریخ اور قدیم زبان کے حوالے سے مؤرخین نے لکھا ہے کہ ''ہخامنش'' ایک خوش بخت اور مبارک افسانوی پرندے کا نام ہے، جس کا جسم تین سروں والے اژدہا کا اور اُس کے سفید پنکھ (پر) عقاب کی طرح ہوتے ہیں۔ دیومالائی عقیدے میں یہ پرندہ جس شخص کے کندھے پر بیٹھ جائے یا جس شخص کو یہ پرندہ بار بار خواب میں نظر آئے وہ شخص شہنشاہِ عالم ہوگا یا اُس کی اولاد میں سے کوئی فرد عالم گیر شہرت کا مالک ٹھہرے گا۔ ہخامنشی خاندان کے بادشاہ اِس نشان سے اپنے تخت و تاج کو سجاتے تھے۔

اِکری Ikree

وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اِکری کے درخت اور کیٹو قبیلے کا کس دَور سے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ تاہم درخت کی طبعی حالت اور اُس کی بقاء کی جنگ سے ایسا ضرور لگتا ہے کہ کیٹو قبیلے اور اِکری کے مقدر کے ستارے اور لکیریں بڑی حد تک ایک طرح کی ہیں۔ یہ قبیلہ اور یہ پیڑ نامعلوم دَور سے ایک ہی طرح کے حالات کا سامنا کر رہے ہیں۔ کیٹو قبیلہ سمٹ کر اور سکڑ کا چار ہان میں محدود ہو رہا ہے اور بکھر بکھر کر دوسرے علاقوں اور شہروں میں گمنام ہوتا جا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح اکری کا پیڑ جو کبھی پتریاٹے کے جنگلوں کا گہنا تھا اب اتنا کمیاب ہو گیا ہے کہ اُس کی تلاش دِنوں اور میلوں کی کاوش ہے۔

اِکری کی تاریخ، صحرانوردی، انفرادیت اور بقاء کی انتھک جنگ کیٹو قبیلے کی رُوداد سے اِس قدر مشابہ ہے کہ دیومالائی زبان وتخیل میں یہ دوشیزہ اور ایک آتما ہیں۔ اِن دونوں کی سچی سنگت کا تقاضا ہے کہ اِس پیڑ کے خوبصورت پھول کو کیٹو قبیلے کا قبیلوی نشان قرار دیا جائے اور اِس پیڑ کے مٹتے ہوئے وجود کو صفحۂ قرطاس پر لفظی تصویر میں محفوظ کر دیا جائے تا کہ کیٹو بچے اِس پیڑ کی وفا کو یاد کر لیا کریں۔

تعارف: سیب سے بڑا اور ریں (شاہ بلوط) سے چھوٹا پیڑ ہوتا ہے۔ اس کی شکل وصورت ریں اور لوکاٹ سے مشابہ ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ درخت اُس بلندی پر صحت مند دیکھا گیا ہے جہاں شاہ بلوط اور پائنز Pines کی قسم کے درخت پائے جاتے ہیں۔ فارسٹ ڈیپارٹمنٹ کا کہنا ہے کہ یہ درخت چوڑے پتوں والے اُن قدیم درختوں کی باقیات میں سے ہے جو ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ کسی دور میں پتریاٹا کے جنگلوں میں یہ پودا عام تھا۔

فروری کے آخر اور مارچ کے پہلے عشرے میں اِس پیڑ پر پھول آتے ہیں۔ پھول کا سائز بڑا اور اس کا رنگ گہرا سرخ ہوتا ہے۔ شاخ پر بارہ پتوں کے درمیان ایک بڑا پھول کھلتا ہے۔ ایک بھرپور پھول عام طور پر چوبیس چھوٹے پھولوں کا ایک گچھا ہوتا ہے۔ گچھے کا ہر پھول کیف نما اور کیف میں سفید رنگ کے بال ہوتے ہیں۔ ہر کیف میں پانچ پتیاں اور کیف کے اندر بارہ بال ہوتے ہیں جن پر زرِ گُل لگتا ہے۔ چوبیس کیف نما پھول چار بڑے دائروں میں ہوتے ہیں اور ہر دائرے میں پانچ پھول ہوتے ہیں۔ مگر بنیادی دو دائروں میں تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ ایک مکمل پھول تقریباً آدھا پاؤ وزن کا ہوتا ہے۔

پتے: پیڑ کے پتے چھوٹے بڑے ہر سائز کے ہوتے ہیں۔ ایک بڑے سائز کا پتہ چھے انچ لمبا اور درمیان میں سے ڈیڑھ انچ چوڑا ہوتا ہے۔ ہر پتے کی جڑ سے چوٹی تک عین درمیان میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح گہری لکیر ہوتی ہے۔ اس درمیانی لکیر سے دونوں اطراف دس دس چھوٹی لکیریں بالکل پسلیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ پتوں کی عام شکل وصورت اور رنگت شاہ بلوط اور لوکاٹ کے پتوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ پتے کا سامنے والا حصہ گہرا سبز اور نیچے کا حصہ ہلکا سفید ہوتا ہے۔

جلد: اس پیڑ کا چھلکا شاہ بلوط کی طرح کھردرا اور پھیکا ہوتا ہے۔ صدیوں پرانی نسل کا یہ درخت اب نئے حالات کا شاید زیادہ عرصہ مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ البتہ اگر نئے تقاضوں کے مطابق شجر کاری کا انتظام ہو سکے تو اِس کی بقاء کی توقع کی جا سکتی ہے۔

پھل: اِس درخت کے پھل کے بارے میں معلومات نہیں ہو سکی۔ جو درخت زیرِ مشاہدہ آیا ہے اُس پر کوئی پھل نہیں لگتا۔ پرانے لوگ کہتے ہیں کہ اِس درخت کا پھول لوگ کھاتے تھے اور پرانی کہاوت ہے کہ اکری کا پھول معدے کی ہر بیماری کا علاج ہے۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس پیڑ کی تولید و بالید کا کیا اصول ہے۔ زرگل سے افزائش نسل ہوتی ہے یا جڑ اور ٹہنی کے ذریعے اِس کی نسل چلتی ہے۔

کیٹھوالوں کی آبادی کیوں کم ہے؟

یہ سوال ہر مقام پر اُٹھتا ہے کہ اگر کیٹھوال اِس خطے کے پہلے آبادکار ہیں تو اِس خطہ ارض پر بعد میں وارد ہونے والے قبائل اور خانوادوں کی آبادی کیوں زیادہ ہوگئی اور پہلے سے آباد لوگ کیونکر کم ہو گئے۔ اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ ''سانحہ ڈَل'' میں قبیلے کے تمام جواں مرد ڈوب گئے۔ موجودہ کیٹھوال زندہ بچ جانے والے ایک بچے (کیٹو) کی اولاد ہیں۔ یہ بھی شنید ہے کہ گذشتہ دو تین صدیوں کے دوران اِس علاقے میں طاعون اور پیٹ کی بیماریاں اکثر پھوٹ پڑتی تھیں جن سے بے شمار اموات واقع ہوئیں۔ یہ شواہد بھی موجود ہیں کہ تنگیٔ روزگار نے لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا جس سے آبادی کافی کم ہوگئی۔ یہ تمام وجوہات کمیٔ آبادی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تاہم علمِ حیاتیات کی سوچ جو تاریخ کی سَنَد کے ساتھ موجود ہے اُس سے پہلو تہی مناسب نہیں لگتی۔

ذرا سوچیے کہ حیوانات اور نباتات ایک منطقی رفتار سے صفحہ ہستی سے غائب ہوتے جا رہے ہیں یا ایک جدّت کے ساتھ نئے روپ میں زندہ ہیں اور زندہ و باقی رہنے کی جہدِ مسلسل میں ہیں۔ دراصل یہ نظامِ حیات کی حرکی اور تغیری کیفیت ہے جس کے نتیجے میں زندگی قائم و دائم ہے۔ پودوں کی مٹی بدلتی رہے اور شاخ تراشی اور پیوندکاری ہوتی رہے تو پودوں کی جسامت، حسن اور

برگ و بار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اِس کے برعکس پودے ایک میعاد کے بعد پرانے اور غیر مفید ہو کر ناپید ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک انسانی گروہ جو قدامت پسند ہو، دیگر قبائل اور خاندانوں سے الگ تھلگ ہو، آن، غیرت اور خالص خون کے حوالے سے جنسی اور سماجی امتزاج سے گریزاں ہو تو قدرتی طور پر تولید و بالید کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور پیدائش و افزائش کا عمل متاثر ہوتا ہے۔

کیٹھو الوں کو اپنے خالص خون پر فخر ہے اور دیگر قبائل اور خاندانوں سے شادی بیاہ پسند نہیں کرتے اس لئے اُن کی نمو اور نکھار میں کوئی واضح تبدیلی نہیں آ رہی۔ قبیلے کی نسلی اور سماجی زندگی کا مشاہدہ کرنے والے بآسانی یہ جان سکتے ہیں کہ جن کیٹھو ال گھرانوں نے دیگر قبائل سے شادیاں کی ہیں اُن کی اولاد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور اُن کے بچوں کی ذہنی اور جسمانی صورتِ حال میں کافی تغیر واقع ہوا ہے۔ اِس کے برعکس قبیلے اور خاندان تک محدود و پابند رہنے والے گھرانے ہر شعبہ زندگی میں قدیم نسل اور قدیم تمدن کی تصویر نظر آتے ہیں۔

دُنیا میں اب بھی بہت سے قبائل موجود ہیں جو اپنی قدیم ترین طرزِ زندگی سے وابستہ ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُن کی آبادی محدود سے محدود ہو کر ناپید ہو سکتی ہے۔ پھر بھی اُنہیں اپنی مخصوص زندگی پر فخر ہے۔ شاید کیٹھو ال بھی اُن بنیاد پرست قبائل میں شامل ہیں جو اپنے قدیم تمدن کا بے ساختہ احترام کرتے ہیں۔

راجا اور خان (سابقے اور لاحقے)

میراثی، ڈوم اور شجرۂ نسب سنانے والے خاص و عام کو خوش کرنے کیلئے نام کے ساتھ راجا یا خان لگایا کرتے تھے۔ کسی کو زیادہ خوش کرنا مقصود ہو تو نام کے ساتھ راجا اور خان دونوں کا اضافہ کر دیتے تھے۔ حالانکہ راجا کا لقب راجپوت اقوام کے لئے مخصوص ہے اور خان ترک اور پختون استعمال کرتے ہیں۔

1860ء کے بعد بندوبست اراضی کے تحت جب سرکاری طور پر شجرے تیار کیے گئے تو اُس وقت بھی افسر مجاز کے رُوبرو شجرہ خواں پیش ہوئے اور اپنی عادت کے مطابق ہر نام کے ساتھ راجا یا خان کا سابقہ یا لاحقہ استعمال کیا۔ وہی شجرے تصدیق ہو کر محکمہ مال کے ریکارڈ میں درج ہو گئے۔ جو آج تک موجود اور زیرِ عمل ہیں۔ اعوان، ڈھونڈ، دھنیال، ستی اور گکھڑ اپنی اپنی تواریخ کے مطابق نہ راجپوت ہیں اور نہ ہی ترک اور پختون، پھر بھی راجا اور خان کے اضافی القاب استعمال کر رہے ہیں۔

کیٹھوال قبیلے کے سرکاری شجرے میں بھی اکثر ناموں کے ساتھ ''خان'' درج ہے اور بعض خاندانوں نے ماضی قریب میں ''راجا'' لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اِس کا جواز ہے یا نہیں، اس بحث میں اُلجھے بغیر ایک روایت کے حوالے سے یہ مان لینے میں کوئی حرج نہیں کہ کیٹو قبیلے کے آباؤاجداد جب ٹیکسلہ میں حکمران خاندان کی حیثیت سے وارد ہوئے تو مفتوحہ حکمران اور اُن کے خاندان کے افراد اپنے ناموں کے ساتھ ''راجا'' استعمال کرتے تھے۔ عین ممکن ہے کہ فاتح خاندان نے ہندی تمدن کے زیرِ اثر بعد کے ادوار میں ''راجا'' کا لقب استعمال کرنا شروع کر دیا ہو۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ کیٹھوال راجپوت ہیں۔

عورتوں کے نام

کیٹو قبیلے کی عورتوں کے ناموں کے ساتھ سابقے بہت کم استعمال ہوئے ہیں البتہ درج ذیل اضافی نام بطور لاحقے سُننے میں آئے ہیں:

کلی، پری، بھری، نیشاں، جان، خانم، بیگم، نور، بی وغیرہ۔ اب یہ نام متروک ہو چکے ہیں۔

کیٹھوال بستیوں کے نام اور وجہ تسمیہ

کیٹو قبیلے کے افراد نے جہاں بھی نو آبادیاں قائم کیں اُن جگہوں کے نام اپنے رواج

کے مطابق رکھے۔ اُن میں قدیم دستور چلا آ رہا تھا کہ بستیوں کے نام، افراد، درختوں، زمین کی طبعی صورتِ حال کے مطابق، ندیوں، نالوں، چشموں، واقعات وسانحات کے حوالے سے مافوق الفطرت قوتوں کے نام پر رکھتے تھے۔ آج بھی قدیم دور میں بسائی گئی بستیوں کے ناموں کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی ڈھوک یا گاؤں کا نام بے معنی نہیں ہے۔ چند ایک ناموں کی وجہ تسمیہ درج ذیل ہے:

چارہان: کیٹو قبیلے کا سب سے بڑا گاؤں ہے۔ بنیادی لفظ اُس دور کی مقامی زبان میں ''چارگاں'' بمعنی چراگاہیں تھا۔ جو لفظی تبدیلی کے ساتھ ''چارہان'' ہو گیا۔ پرانے زمانے میں موجودہ چارہان کا علاقہ اصل آبادیوں سے بہت دُور تھا۔ بہت عرصہ تک یہ علاقہ چراگاہوں کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ آخری دَور میں جب اکثر علاقے کیٹھوالوں کے قبضے سے جاتے رہے تو اِن چراگاہوں کو بھی استعمال میں لایا گیا۔

پڑہنہ: ''پڑ'' سے مراد سخت پتھر کا پہاڑ اور ''نہ'' جگہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اِس طرح ''پڑاں ناں'' کی بدلی ہوئی صورت پڑہنہ ہے۔ پڑہنہ گاؤں کی زمینی صورتِ حال دو طرح کی ہے اپر پڑہنہ مشکل پہاڑی مقام ہے جب کہ دامن میں لوئر پڑہنہ ہموار جگہ ہے جسے گراں کہتے ہیں۔

گہل: پرانی پہاڑی زبان میں ''گہل'' کھلے راستے کو کہتے ہیں جہاں انسانوں اور مویشیوں کا گزر بآسانی ہو سکے۔ کسی دور دریائے جہلم تک جانے کا یہ مصروف راستہ تھا جس پر خانہ بدوش اپنے ریوڑوں کے ساتھ سفر کرتے تھے۔

گلہرہ گلی: اصل نام ''گلہراہ'' تھا جو ''گلا'' اور ''راہ'' کا مرکب لگتا ہے۔ دو پہاڑوں کے درمیان چوٹی پر پچکی ہوئی جگہ کو ''گلا'' یا ''گلہ'' کہتے ہیں جہاں پر سے بآسانی گزرا جا سکے۔ ''راہ'' کے معنی راستہ کے ہیں۔ لفظی تبدیلی کے تحت صرف گلہرہ مشہور ہو گیا۔ ماضی قریب میں گلیات کے ناموں کی پیروی میں گلہرہ کے نام کے ساتھ گلی کا اضافہ ہو گیا۔

پتریاٹہ: دو لفظوں ''پتر'' اور ''ریں آٹہ'' سے مرکب ہے۔ ''پتر'' مقامی زبان میں چارہ Fodder

کو کہتے ہیں۔ اسے ''مول'' بھی کہتے ہیں۔ موسم بہار میں درختوں کی نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں جو بہت نرم و نازک ہونے کے ساتھ غذائیت سے بھرپور ہوتی ہیں۔ مویشیوں کے لئے اس موسم کا یہ بہترین چارہ ہے۔ ''ریں آٹہ'' سے مراد ایسی جگہ جہاں ریں (شاہ بلوط) کے درختوں کی بہتات ہو۔ ''پتر ریں آٹہ'' روزمرّہ کی زبان میں ''پتریاٹہ'' معروف ہوگیا۔ لہٰذا پتریاٹہ سے مراد ایسا مقام جہاں ریں کا پتر دستیاب ہو۔

چاچل: بنیادی لفظ ''چاچال'' تھا۔ پرانی زبان میں چاچال ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو ایک بڑے پہاڑ کے دامن میں ہو اور اُس کی صورتِ حال غیر یقینی ہو یعنی کسی بھی موسم میں پھسلن یا بیٹھنے کا شکار ہوسکتی ہے۔

ڈھل: ایسی جگہ جو کسی دور میں ایک بڑے پھسلاؤ کی زد میں آئی ہو اور اِس وقت ڈھلوان حالت میں موجود ہو۔

دھیر کوٹ: اِس بستی کا ابتدائی نام چوکی تھا۔ سکھ اور ڈوگرہ دور میں کئی جگہوں کے نام حکمرانوں سے منسوب ہوگئے۔ اس بستی میں جب فوجی کیمپ لگایا گیا تو کسی ''دھیر'' نام کے شخص پر اِس بستی کا نام بوجہ فوجی کیمپ دھیر کوٹ ہوگیا۔

دیگر متعدد چھوٹی چھوٹی بستیوں اور مختلف جگہوں کی وجہ تسمیہ قدیم پہاڑی زبان کی مدد اور گزرے ہوئے واقعات کے حوالے سے بآسانی معلوم کی جاسکتی ہے۔

قمر علی

دھیر کوٹ کیٹھوالاں میں آباد کیٹھوال قبیلے کی شاخ تین پتیوں میں تقسیم ہے۔ اپنے اجداد کے نام سے منسوب یہ پتیاں سکندر خان، لنگر خان اور قمر علی کہلاتی ہیں۔ مقامی روایت کے مطابق سکندر خان اور لنگر خان سگے بھائی تھے جب کہ قمر علی کے بارے میں متعدد روایات مشہور ہیں۔ ایک روایت کے مطابق تینوں سگے بھائی تھے مگر لنگر خان اور سکندر خان کی اولاد یہ روایت تسلیم

نہیں کرتی۔ اُن کا ماننا ہے کہ قمر علی یا اُس کی اولاد باہر سے آ کر آباد ہوئی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ قمر علی تایا زاد بھائی تھے جو سانج گاؤں میں خانگی تقسیم کے تحت آباد تھے اور تیسری روایت میں قمر علی کو چچا بیان کیا گیا ہے۔

دھیر کوٹ میں قمر علی کی اولاد کے آنے اور رہائش اختیار کرنے کے بارے میں ایک لوک داستان مشہور ہے۔ غالباً یہ اُس دور کی بات ہے جب دھیر کوٹ، دھن گراں اور چلاورہ ایک ہی علاقہ تھا اور کیٹھوالوں کے تسلط میں تھا مگر کیٹھوالوں کی افرادی قوت بہت کمزور ہو چکی تھی اور دور ایسا بھی آیا کہ چلاورہ کی نواحی بستیاں چھوڑ کر کیٹھوال موجودہ دھیر کوٹ تک محدود ہو گئے اور ڈھونڈ اور ستی قبائل کی مزید پیش قدمی روکنے کیلئے دھیر کوٹ میں مورچہ بند ہو گئے۔ اِس کے ساتھ ہی گاؤں کے بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ دفاع و بقاء کی جنگ کیلئے اپنے قبیلے سے مدد مانگی جائے۔ اِس غرض کے لئے ایک وفد ''سانج'' بھیجا گیا جہاں اِس خاندان کے کچھ لوگ آباد تھے۔

کہتے ہیں کہ سانج میں قمر علی کی اولاد نے نوجوانوں کی ایک چھوٹی سی جمعیت تیار کی اور دھیر کوٹ والوں کی مدد کیلئے پہنچ گئے۔ اگلے چند دنوں میں دیگر قبائل کی پیش قدمی رُک گئی بلکہ بعض مقامات پر پسپائی پر مجبور ہو گئے۔ دیگر قبائل خصوصاً ستیوں نے جب دیکھا کہ کیٹھوال ایک مضبوط دفاعی پوزیشن میں ہیں تو اُنہوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ چوکی کے مقام پر فریقین کے مابین ایک جرگہ منعقد ہوا جس میں قبائل کے سرداروں نے مستقل زمینی حد بندی کر دی جس پر قبائل آج بھی رضامند و پابند ہیں۔

معروفِ عام روایت ہے کہ تفریطِ آبادی اور دفاعی ضروریات کے پیشِ نظر قمر علی کی اولاد کو دھیر کوٹ ہی میں مستقل آباد ہونا پڑا۔ آج قمر علی کی اولاد اس گاؤں میں ایک ''طرف'' اور ''پتی'' کی حیثیت سے کامل مالکِ اراضی ہے۔

----- حصّہ دوم -----

شجرہ جات

Pedigree Tables

حوالے References

سینہ بہ سینہ روایات

قلمی شجرے

بندوبست اراضی 64-1860ء

بندوبست اراضی 1884ء

بندوبست اراضی 06-1905ء

بندوبست اراضی 56-1955ء

زبانی معلومات

علامات

لاوارث ——— ×

بیٹی وارث ——— ⊗

لاپتہ ——— ɣ

اولاد نامعلوم ——— ؟

یہ شخص 1860ء میں زندہ تھا ——— ≡

یہ شخص 1884ء 1905ء میں زندہ تھا ——— =

یہ شخص 1956ء میں زندہ تھا ——— —

سلسلہ نسب کی کڑیاں غائب ——— ≀

نام نامعلوم ——— 

شجرۂ نسب قدیم (روایتی)

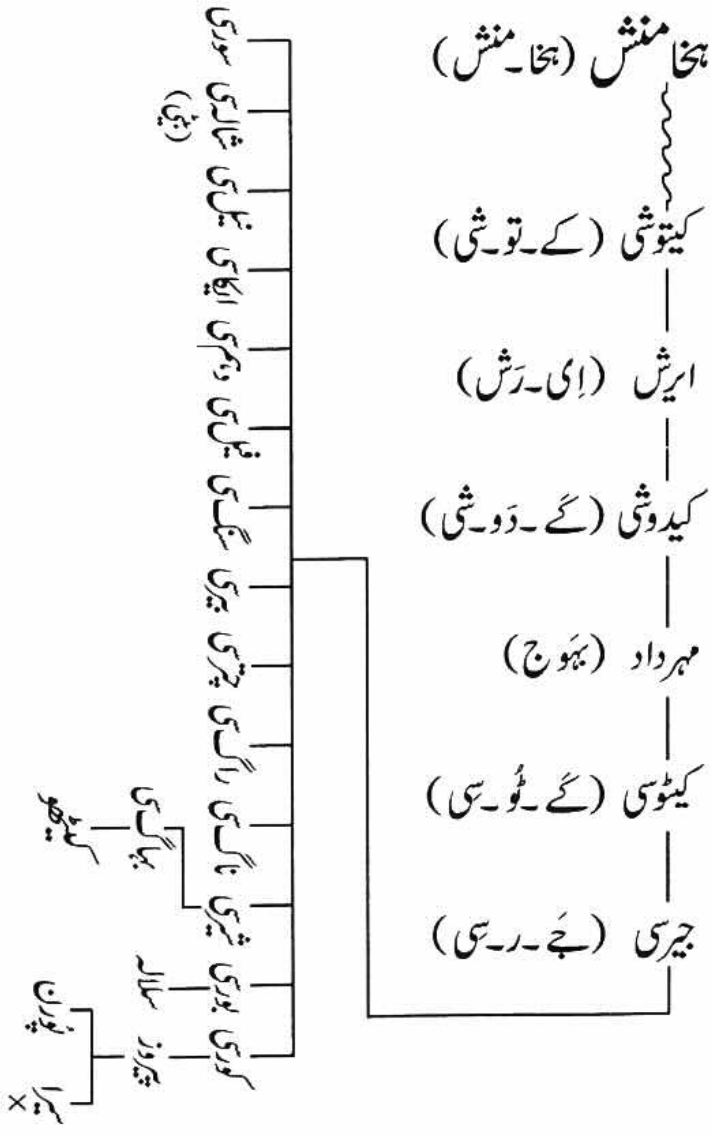

سرکاری ریکارڈز کے مطابق

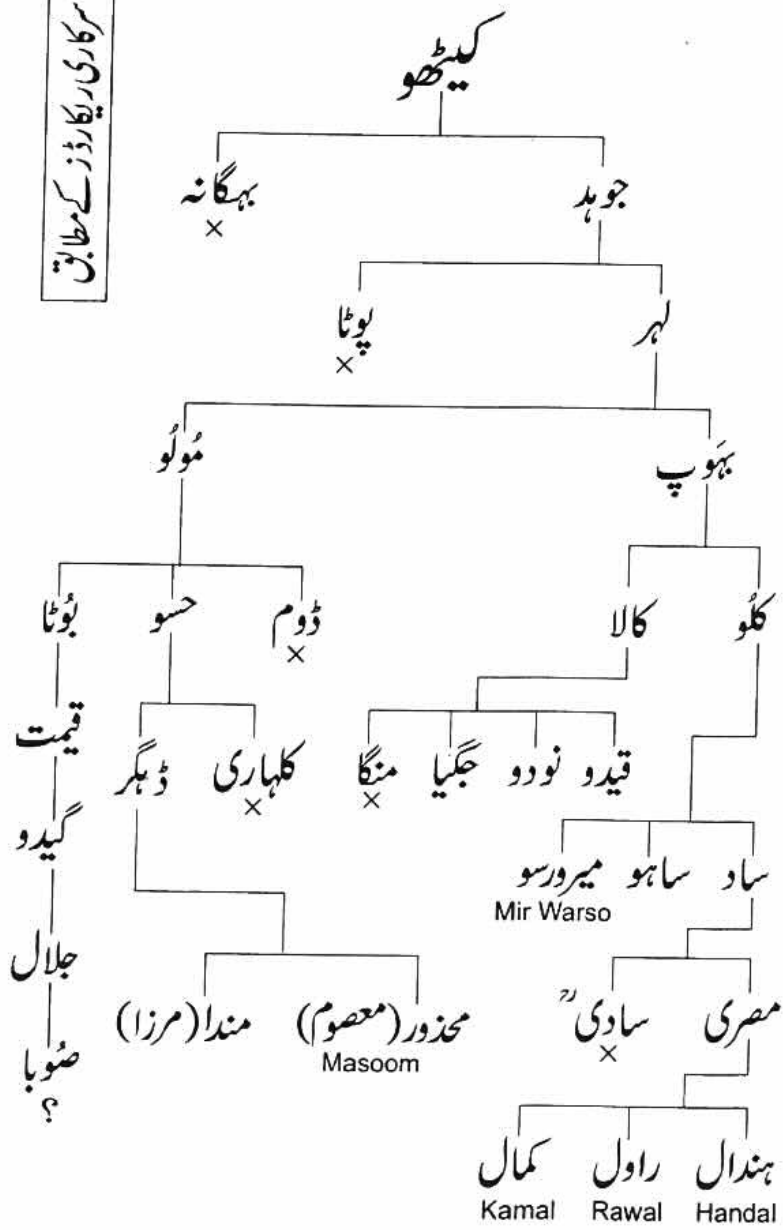

بڑی شاخ.....کُلووال
طرف.....ہندال
پتی.....چوہڑ
سکونت...چارہان، پڑہنہ
نمبرداری.....ایک

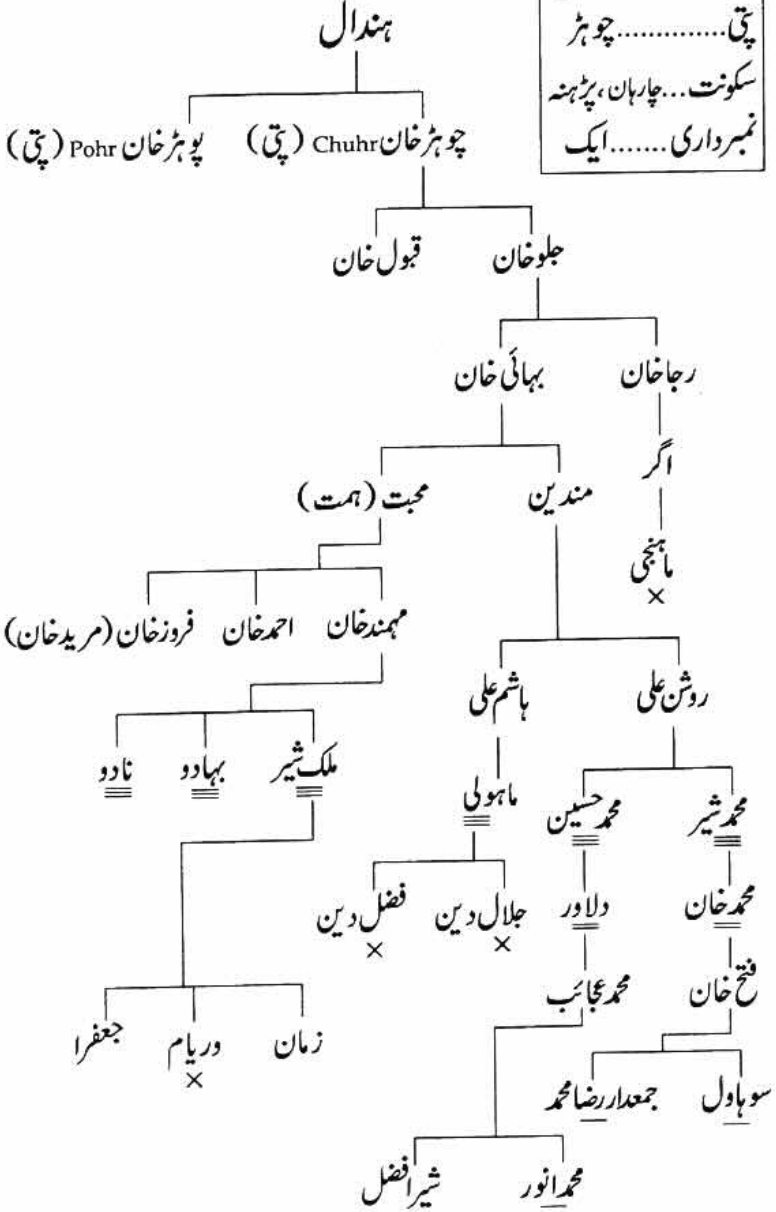

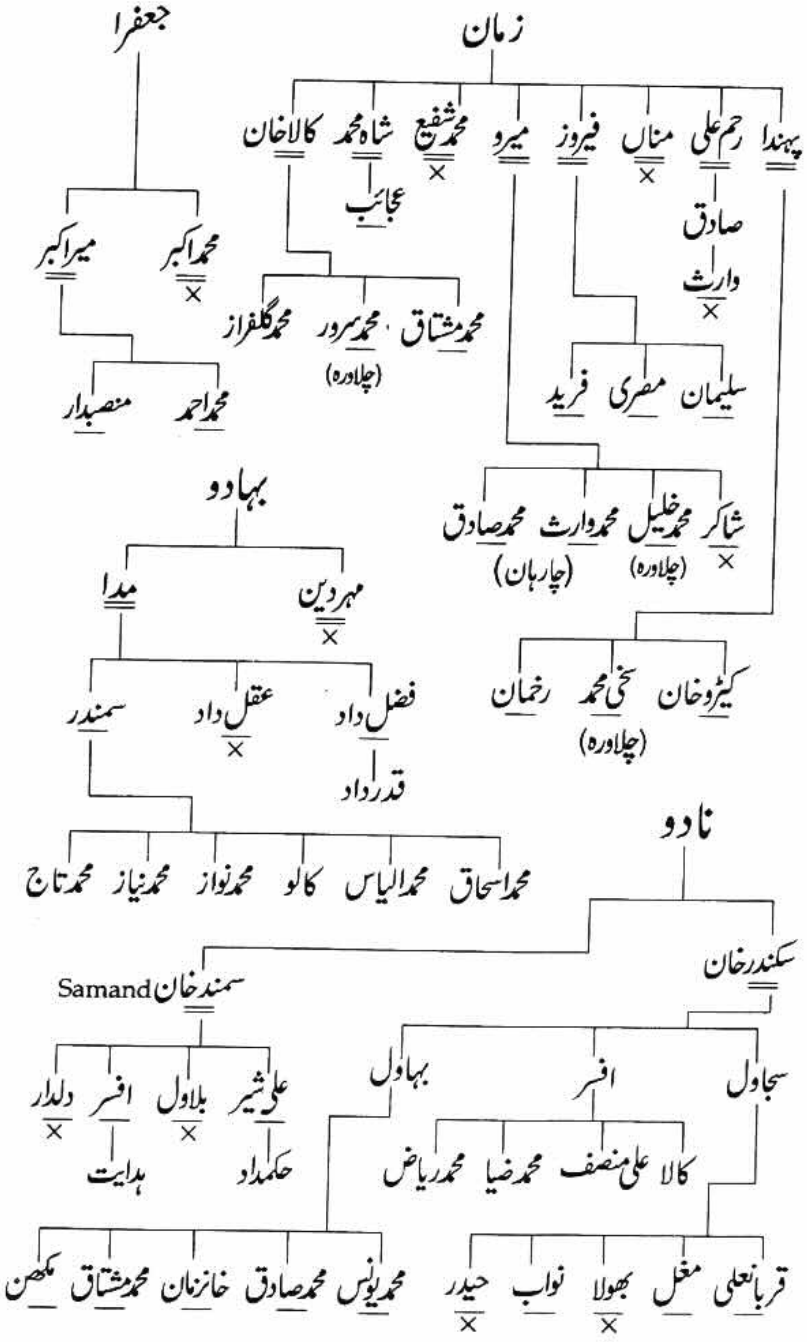
جعفرا
زمان
پہندا
رحم علی
مناں
فیروز
میرو
محمد شفیع
شاہ محمد
کالا خان
صادق
وارث
×
عجائب
محمد اکبر
×
میر اکبر
محمد مشتاق
محمد سرور
(چلاوہ)
محمد گلفراز
سلیمان
مصری
فرید
محمد احمد
منصبدار
بہادو
شاکر
×
محمد خلیل
(چلاوہ)
محمد وارث
محمد صادق
(چارہان)
مہر دین
×
مدا
کیڑو خان
سخی محمد
(چلاوہ)
رحمان
فضل داد
عقل داد
×
سمندر
قدر داد
نادو
محمد اسحاق
محمد الیاس
کالو
محمد نواز
محمد نیاز
محمد تاج
سکندر خان
سمند خان Samand
سجاول
افسر
بہاول
علی شیر
بلاول
×
افسر
دلدار
×
ہدایت
حکمداد
کالا
علی منصف
محمد ضیا
محمد ریاض
قربانعلی
مغل
بھولا
×
نواب
حیدر
×
محمد یونس
محمد صادق
خانزمان
محمد مشتاق
مکھن

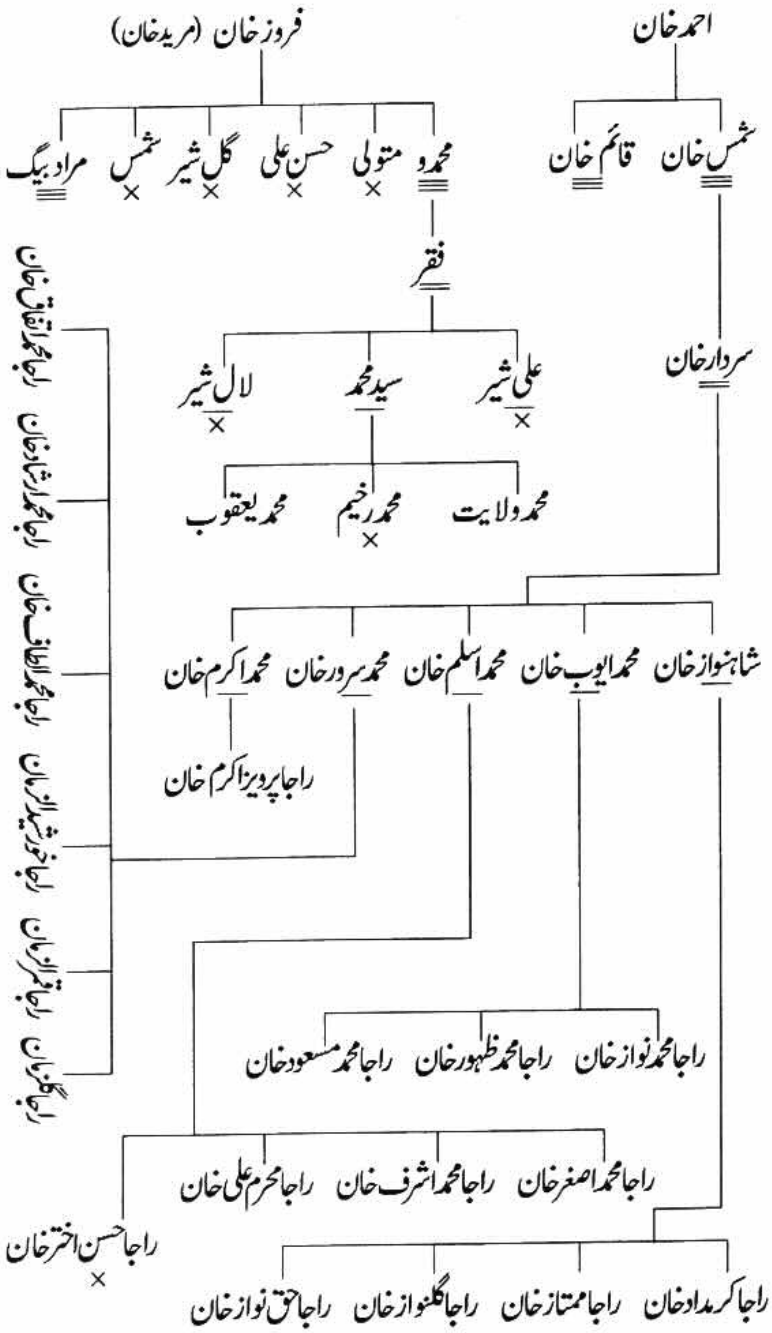
احمد خان
فروز خان (مرید خان)
شمس خان
قائم خان
محمدو
متولی
حسن علی
گل شیر
شمس
مراد بیگ
فقر
سردار خان
علی شیر
سید محمد
لال شیر
محمد ولایت
محمد رحیم
محمد یعقوب
شاہنواز خان
محمد ایوب خان
محمد اسلم خان
محمد سرور خان
محمد اکرم خان
راجا پرویز اکرم خان
راجا محمد نواز خان
راجا محمد ظہور خان
راجا محمد مسعود خان
راجا محمد اصغر خان
راجا محمد اشرف خان
راجا محرم علی خان
راجا حسن اختر خان
راجا کرمداد خان
راجا ممتاز خان
راجا گلنواز خان
راجا حق نواز خان
راجا محمد اتفاق خان
راجا محمد رشاد خان
راجا محمد الطاف خان
راجا خورشید الزمان
راجا قمر الزمان
راجا گلزمان

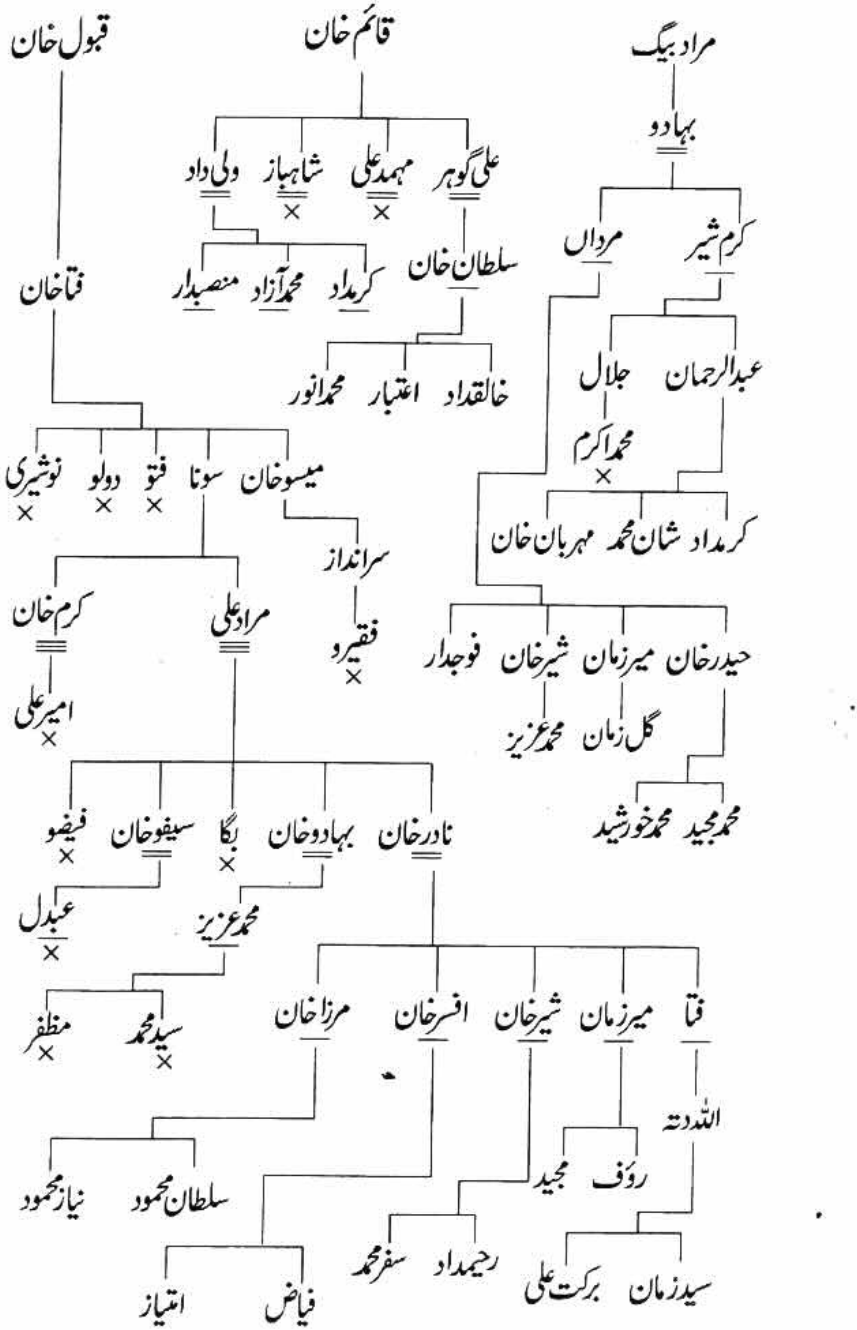
مراد بیگ
بہادو
کرم شیر
مرداں
عبدالرحمان
جلال
محمد اکرم
×
کرمداد
شان محمد
مہربان خان
حیدر خان
میرزمان
شیر خان
فوجدار
گل زمان
محمد عزیز
محمد مجید
محمد خورشید
قائم خان
علی گوہر
مہمد علی
×
شاہباز
×
ولی داد
سلطان خان
کرمداد
محمد آزاد
منصبدار
خالقداد
اعتبار
محمد انور
قبول خان
فتا خان
میسو خان
سونا
فتو
×
دولو
×
نوشیری
×
سرانداز
فقیرو
×
کرم خان
امیر علی
×
مراد علی
نادر خان
بہادو خان
بگا
×
سیفو خان
فیضو
×
عبدل
×
محمد عزیز
مظفر
×
سید محمد
×
مرزا خان
افسر خان
شیر خان
میرزمان
فتا
اللہ دتہ
سلطان محمود
نیاز محمود
رؤف
مجید
رحیمداد
سفر محمد
فیاض
امتیاز
سید زمان
برکت علی

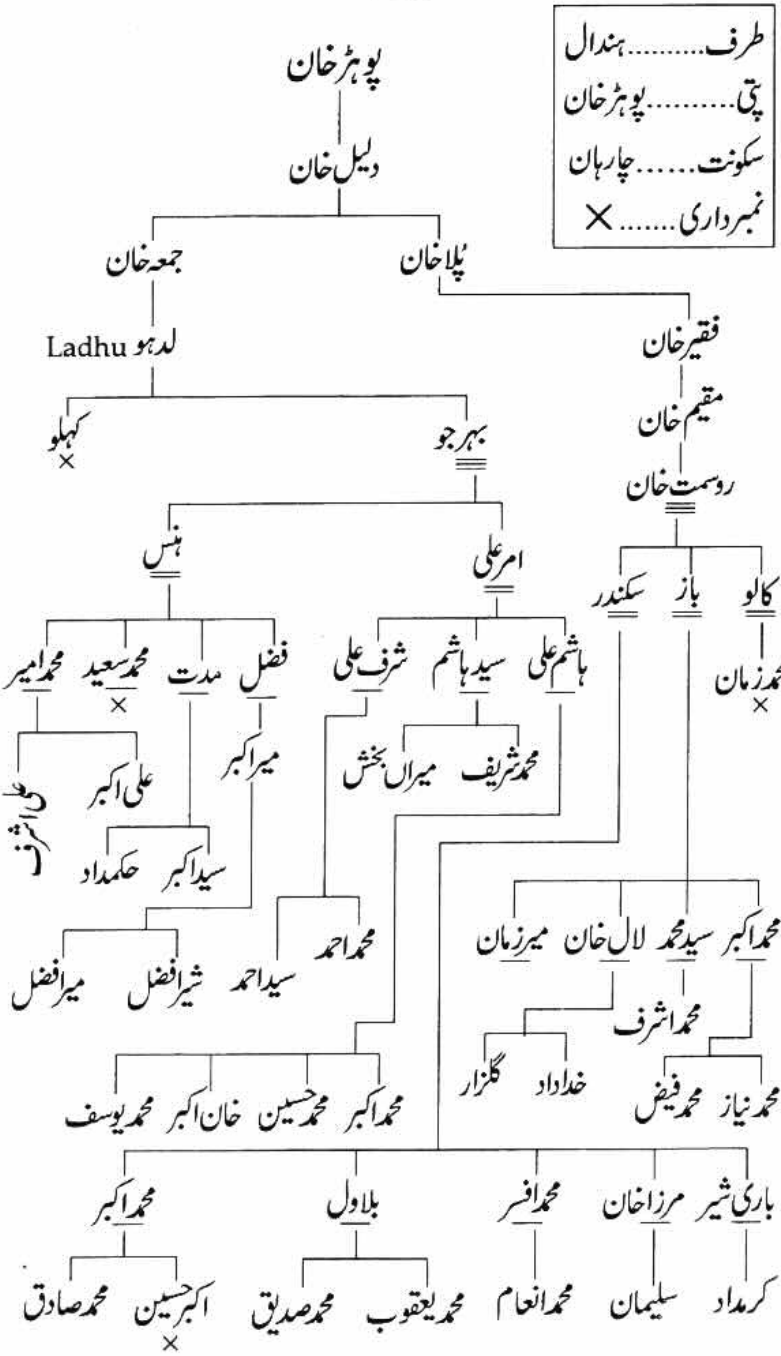
طرف.....ہندال
پتی.....پوہڑ خان
سکونت.....چارہان
نمبرداری.....×
پوہڑ خان
دلیل خان
جمعہ خان
پُلا خان
لدہو Ladhu
فقیر خان
کہلو ×
بہرجو
مقیم خان
روسمت خان
ہنس
امر علی
کالو
باز
سکندر
محمد زمان ×
محمد امیر
محمد سعید ×
مدت
فضل
شرف علی
ہاشم علی
سید ہاشم
علی اکبر
میر اکبر
محمد شریف
میراں بخش
سید اکبر
حکمداد
محمد احمد
سید احمد
شیر افضل
میر افضل
محمد اکبر
سید محمد
لال خان
میر زمان
محمد اشرف
خداداد
گلزار
محمد نیاز
محمد فیض
محمد اکبر
محمد حسین
خان اکبر
محمد یوسف
باری شیر
مرزا خان
محمد افسر
بلاول
محمد اکبر
کرمداد
سلیمان
محمد انعام
محمد یعقوب
محمد صدیق
اکبر حسین ×
محمد صادق

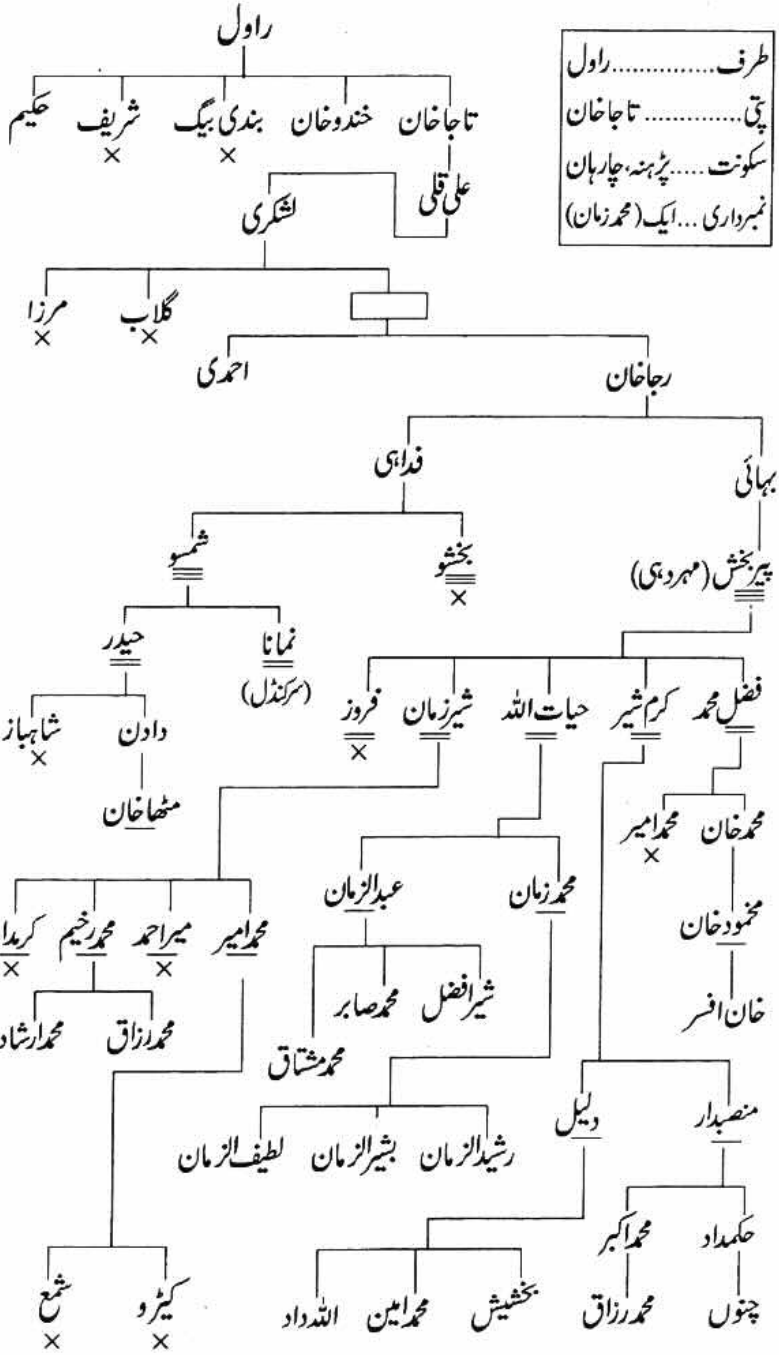
طرف.....راول
پتی.....تاجاخان
سکونت.....پڑہنہ، چارہان
نمبرداری...ایک (محمد زمان)
راول
تاجاخان
خندوخان
بندی بیگ
شریف
حکیم
علی قلی
لشکری
مرزا
گلاب
احمدی
رجاخان
بہائی
فداہی
پیر بخش (مہردہی)
بخشو
شمسو
نمانا (سرکنڈل)
حیدر
شاہباز
دادن
مٹھاخان
فضل محمد
کرم شیر
حیات اللہ
شیر زمان
فروز
محمد خان
محمد امیر
مخمود خان
خان افسر
محمد زمان
عبدالزمان
شیر افضل
محمد صابر
محمد مشتاق
محمد امیر
میر احمد
محمد رحیم
کرمداد
محمد رزاق
محمد ارشاد
منصبدار
دلیل
حکمداد
محمد اکبر
چنوں
محمد رزاق
رشید الزمان
بشیر الزمان
لطیف الزمان
بخشیش
محمد امین
اللہ داد
شمع
کیڑو

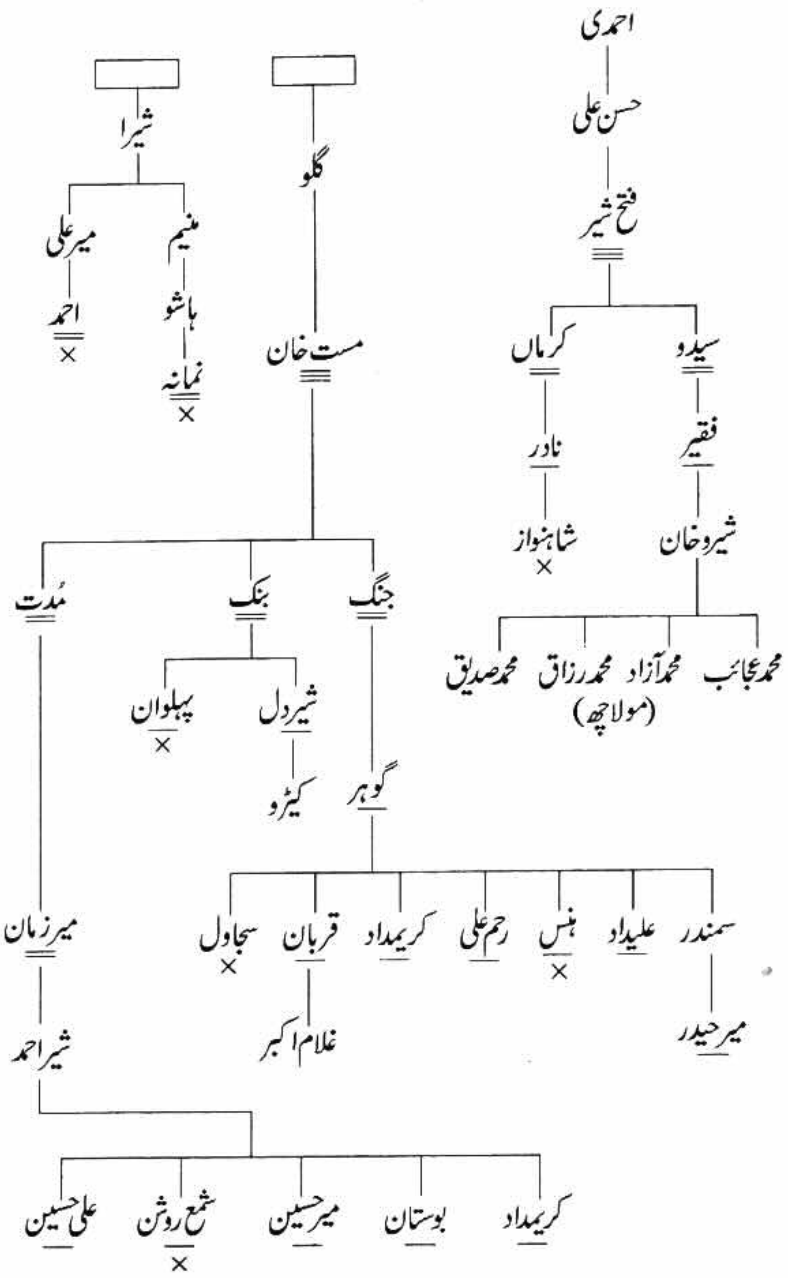
احمدی
حسن علی
فتح شیر
سیدو
کرماں
فقیر
نادر
شاہنواز
×
شیروخان
محمد عجائب
محمد آزاد
محمد رزاق
(مولاچھ)
محمد صدیق
گلو
مست خان
جنگ
بنک
مُدت
گوہر
شیردل
کیڑو
پہلوان
×
سمندر
میر حیدر
علیداد
ہنس
×
رحم علی
کریمداد
قربان
غلام اکبر
سجاول
×
میرزمان
شیر احمد
شیرا
منیم
ہاشو
نمانہ
×
میر علی
احمد
×
کریمداد
بوستان
میر حسین
شمع روشن
×
علی حسین

طرف.....راول
پتی.....حکیم
سکونت... پڑہنہ، چارہان
نمبرداری.....×

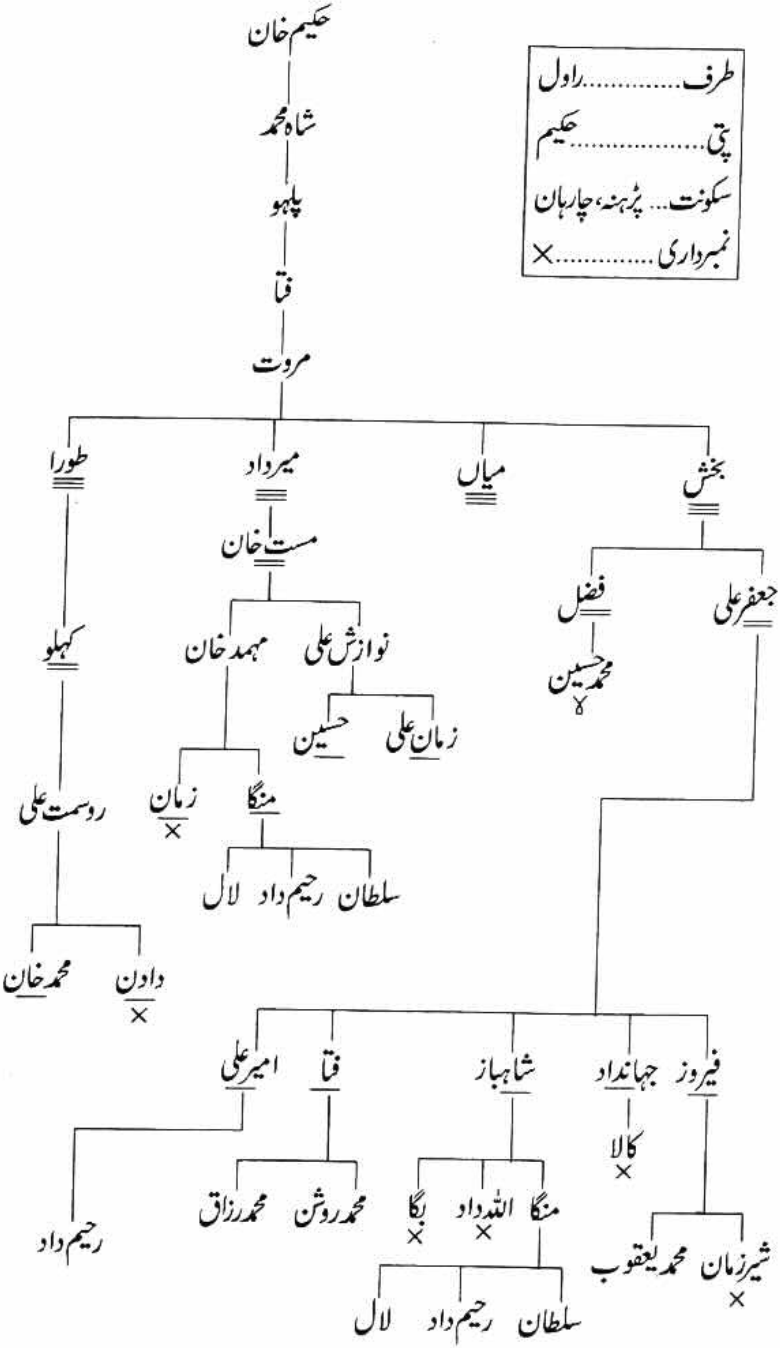

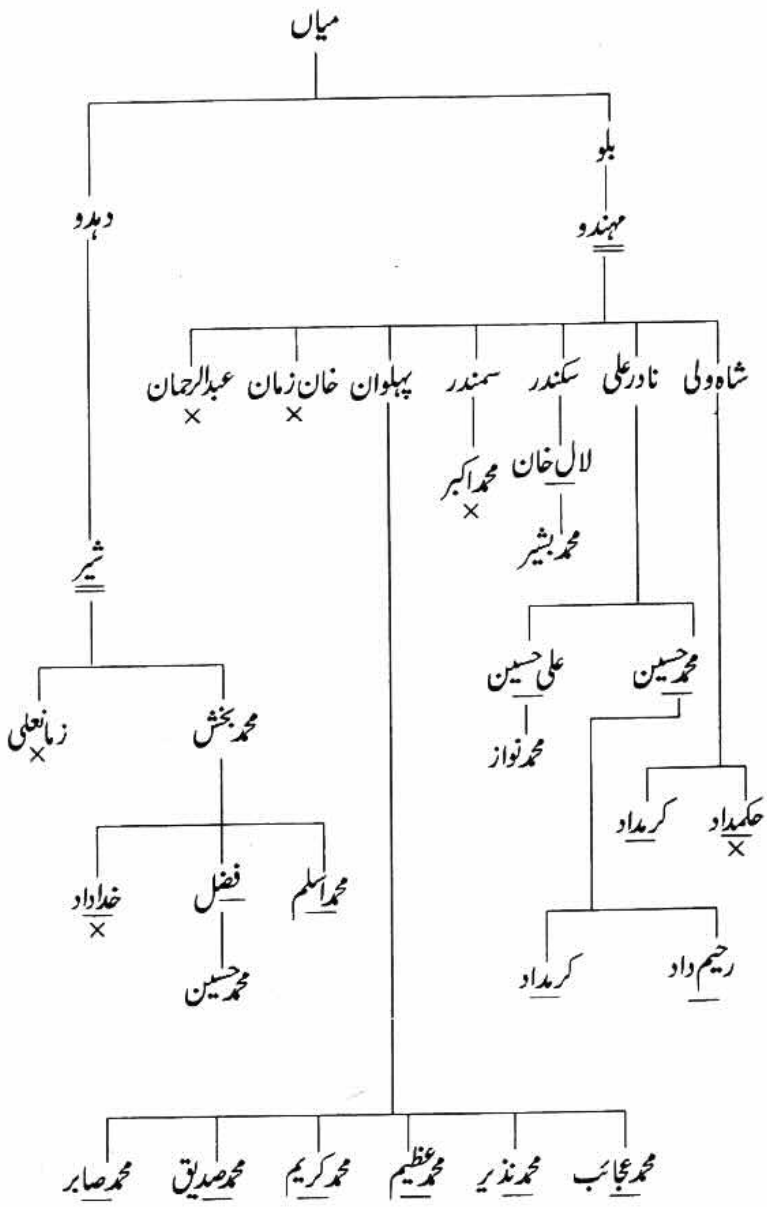
میاں
بلو
مہندو
دہدو
شاہ ولی
نادر علی
سکندر
سمندر
پہلوان
خان زمان
عبدالرحمان
لال خان
محمد اکبر
محمد بشیر
محمد حسین
علی حسین
محمد نواز
حکمداد
کرمداد
رحیم داد
کرمداد
شیر
محمد بخش
زمانعلی
محمد اسلم
فضل
خداداد
محمد حسین
محمد عجائب
محمد نذیر
محمد عظیم
محمد کریم
محمد صدیق
محمد صابر

طرف.....راول
پتی.....خندوخان
سکونت..پڑہنہ،راتھل
نمبرداری.....×

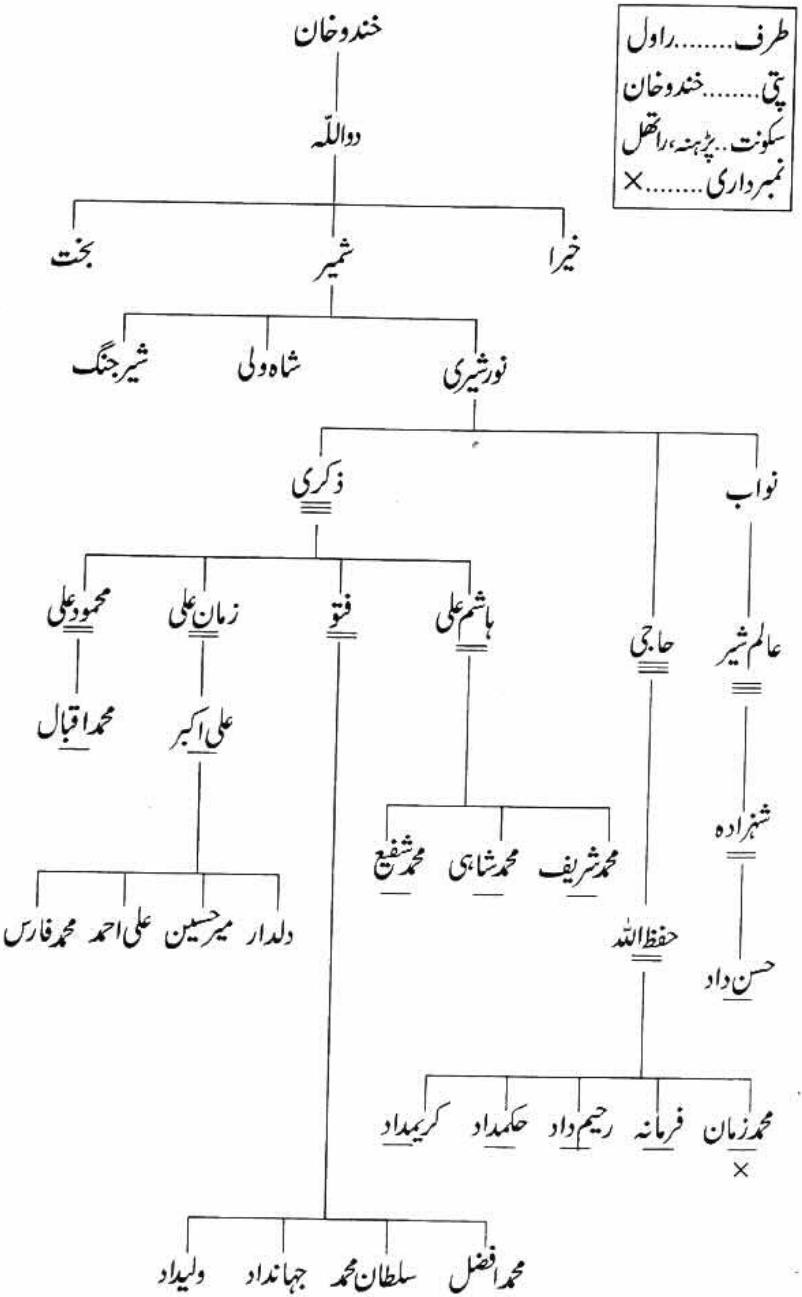

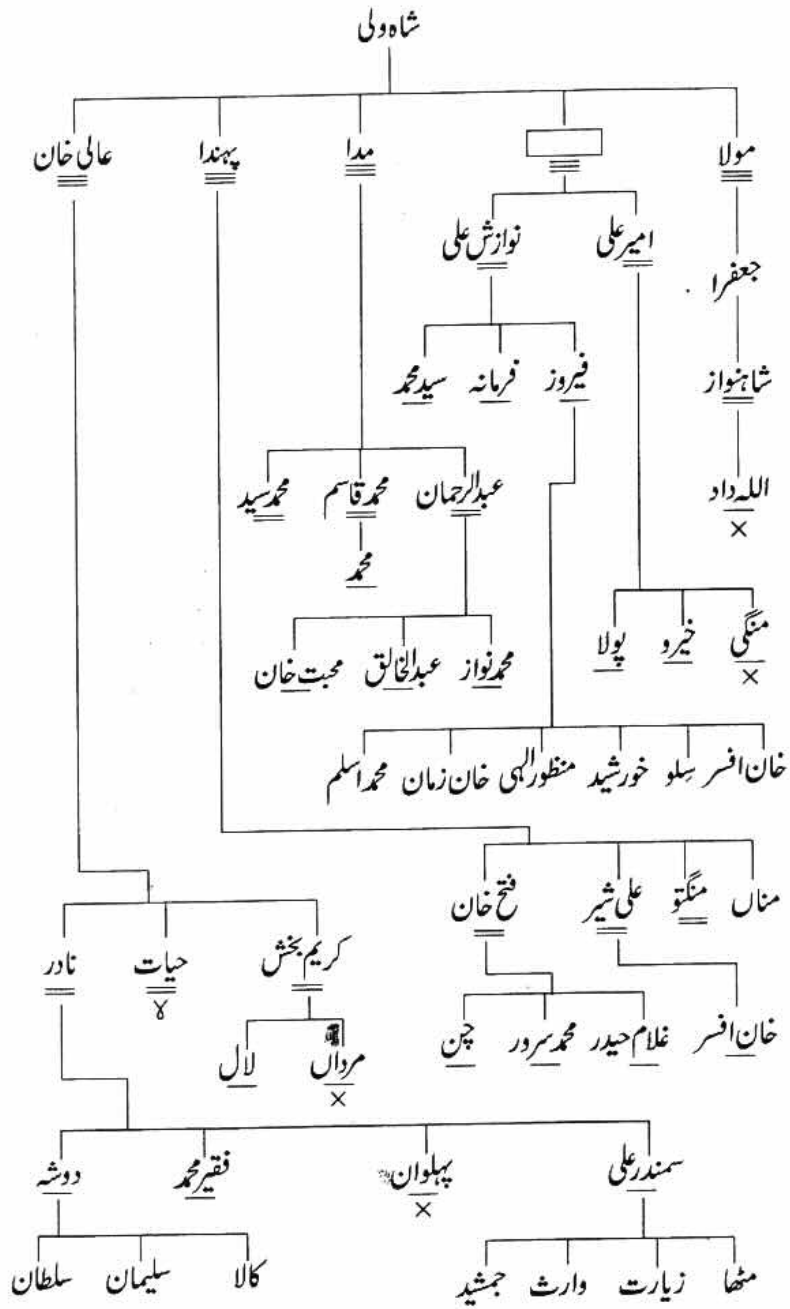
شاہ ولی
مولا
امیر علی
نوازش علی
جعفرا
شاہنواز
اللہ داد
×
فیروز
فرمانہ
سید محمد
عبدالرحمان
محمد قاسم
محمد سید
محمد
محمد نواز
عبدالخالق
محبت خان
منگی
خیرو
پولا
×
خان افسر
سلو
خورشید
منظور الٰہی
خان زمان
محمد اسلم
مداں
منگتو
علی شیر
فتح خان
خان افسر
غلام حیدر
محمد سرور
چن
پہندا
عالی خان
نادر
حیات
×
کریم بخش
مرداں
×
لال
سمندر علی
پہلوان
×
فقیر محمد
دوشہ
مٹھا
زیارت
وارث
جمشید
کالا
سلیمان
سلطان

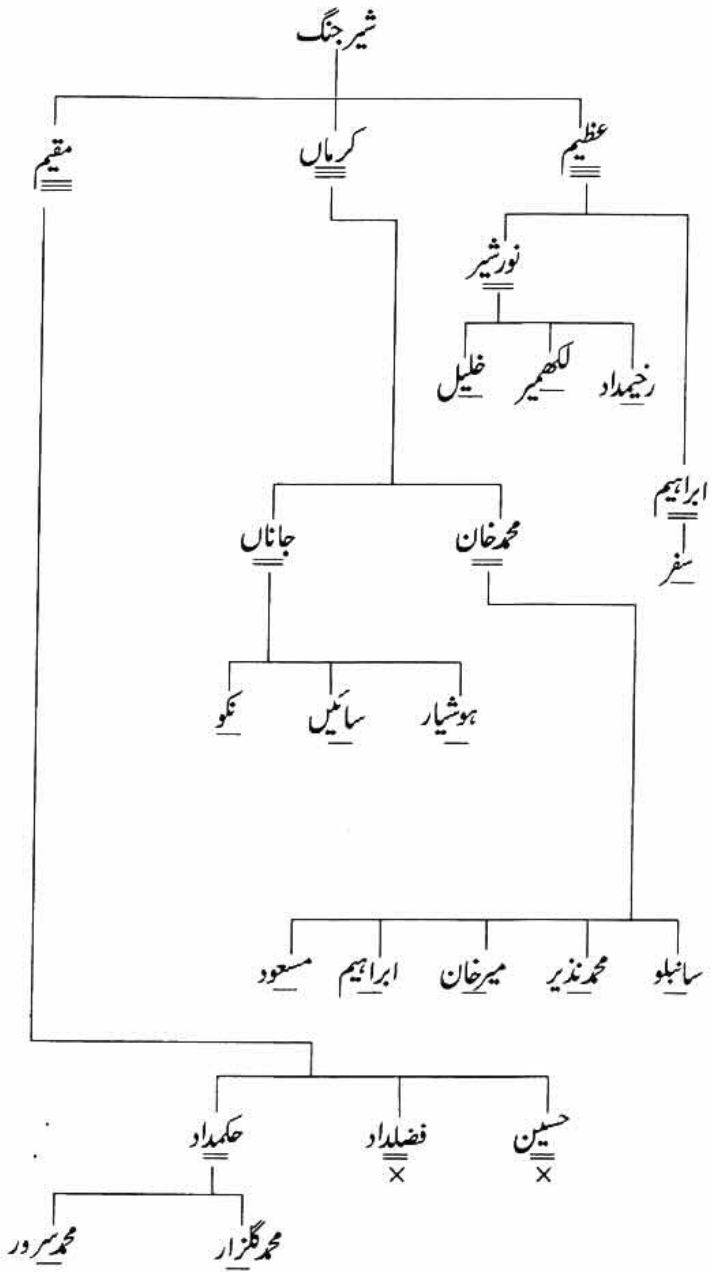
شیر جنگ
مقیم
کرماں
عظیم
نورشیر
رحیمداد
لکھمیر
خلیل
ابراہیم
سفر
جاناں
محمد خان
ہوشیار
سائیں
نکو
سانبلو
محمد نذیر
میر خان
ابراہیم
مسعود
حسین
فضلداد
حکمداد
محمد گلزار
محمد سرور

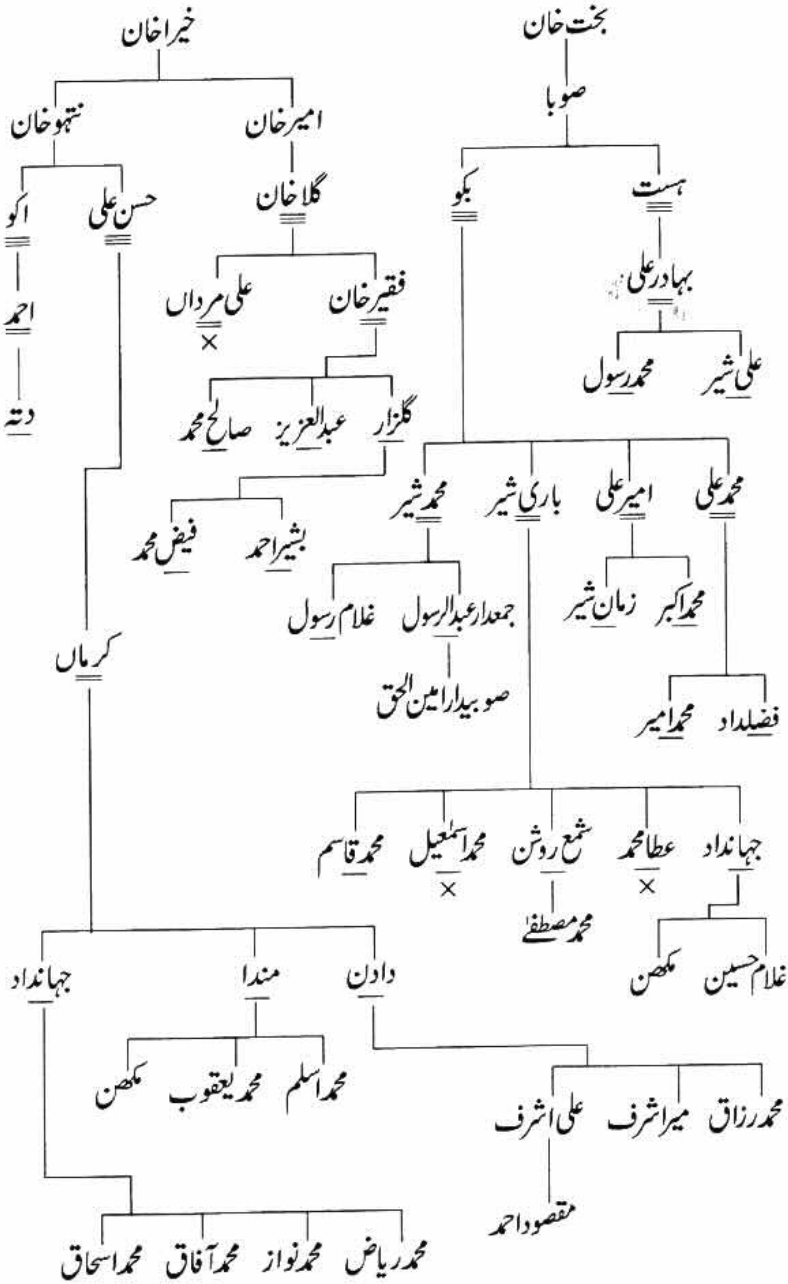
بخت خان
صوبا
ہست
بکو
بہادر علی
علی شیر
محمد رسول
محمد علی
امیر علی
باری شیر
محمد شیر
محمد اکبر
زمان شیر
جمعدار عبدالرسول
غلام رسول
صوبیدار امین الحق
فضلداد
محمد امیر
خیر اخان
امیر خان
نتھو خان
گلا خان
فقیر خان
علی مرداں
×
گلزار
عبدالعزیز
صالح محمد
بشیر احمد
فیض محمد
اکو
احمد
دتہ
حسن علی
کرماں
جہانداد
عطا محمد
×
شمع روشن
محمد اسمٰعیل
×
محمد قاسم
محمد مصطفےٰ
غلام حسین
مکھن
دادن
مندا
جہانداد
محمد اسلم
محمد یعقوب
مکھن
محمد رزاق
میر اشرف
علی اشرف
مقصود احمد
محمد ریاض
محمد نواز
محمد آفاق
محمد اسحاق

طرف.....کمال
پتی.....عزیز خان
سکونت...سیرگراں، بگلیاں، پڑہنہ
نمبرداری.....×

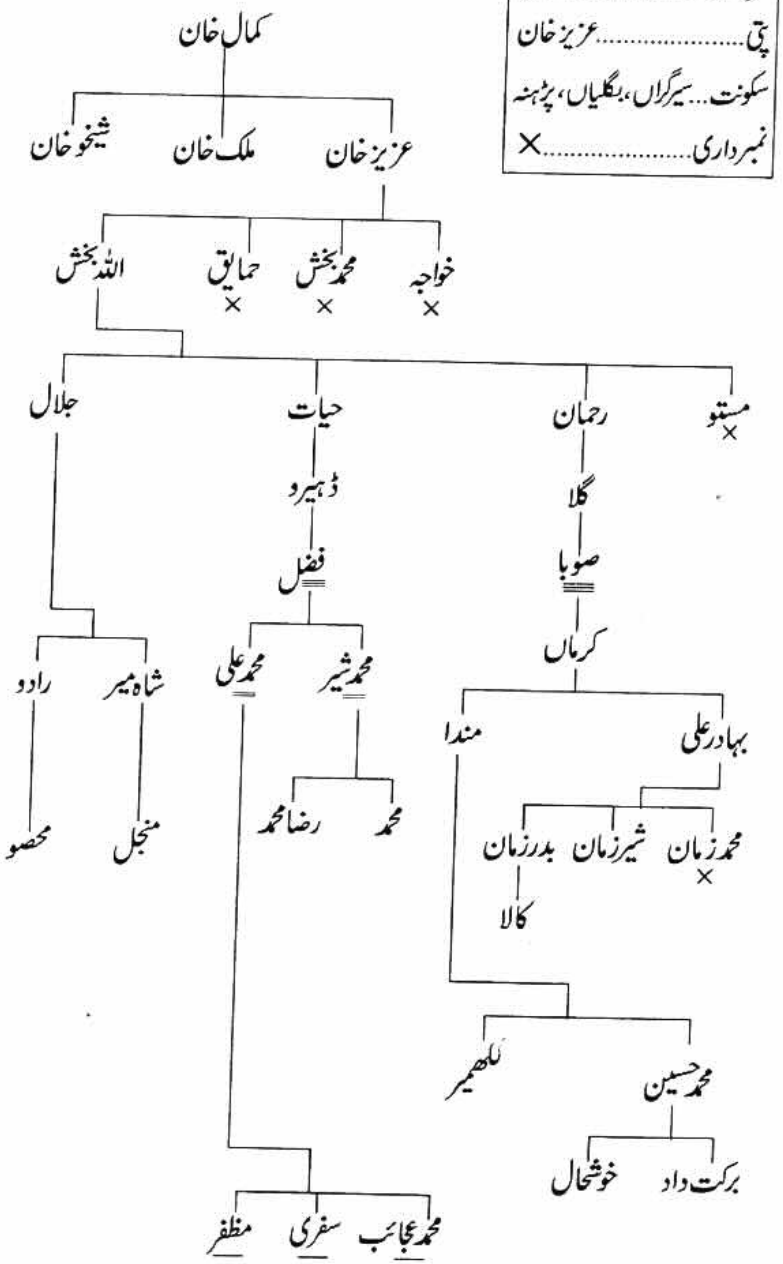

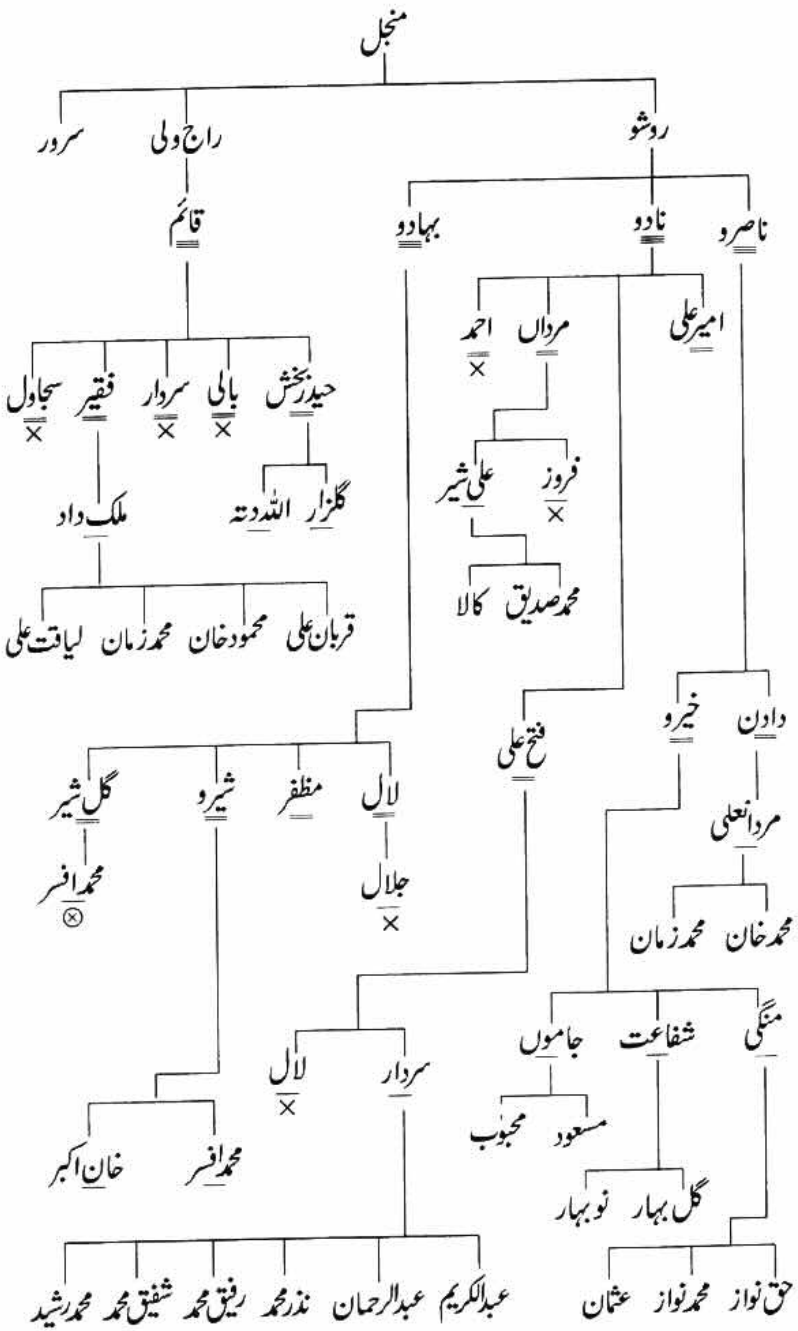
منجل
روشو
ناصرو
نادو
بہادو
راج ولی
سرور
امیر علی
مرداں
احمد
×
قائم
حیدر بخش
بالی
×
سردار
×
فقیر
سجاول
×
فروز
×
علی شیر
گلزار
اللہ دتہ
ملک داد
محمد صدیق
کالا
قربان علی
محمود خان
محمد زمان
لیاقت علی
دادن
خیرو
فتح علی
لال
مظفر
شیرو
گل شیر
جلال
×
محمد افسر
⊗
مرد انعلی
محمد خان
محمد زمان
منگی
شفاعت
جاموں
سردار
لال
×
مسعود
محبوب
محمد افسر
خان اکبر
گل بہار
نو بہار
عبدالکریم
عبدالرحمان
نذر محمد
رفیق محمد
شفیق محمد
محمد رشید
حق نواز
محمد نواز
عثمان

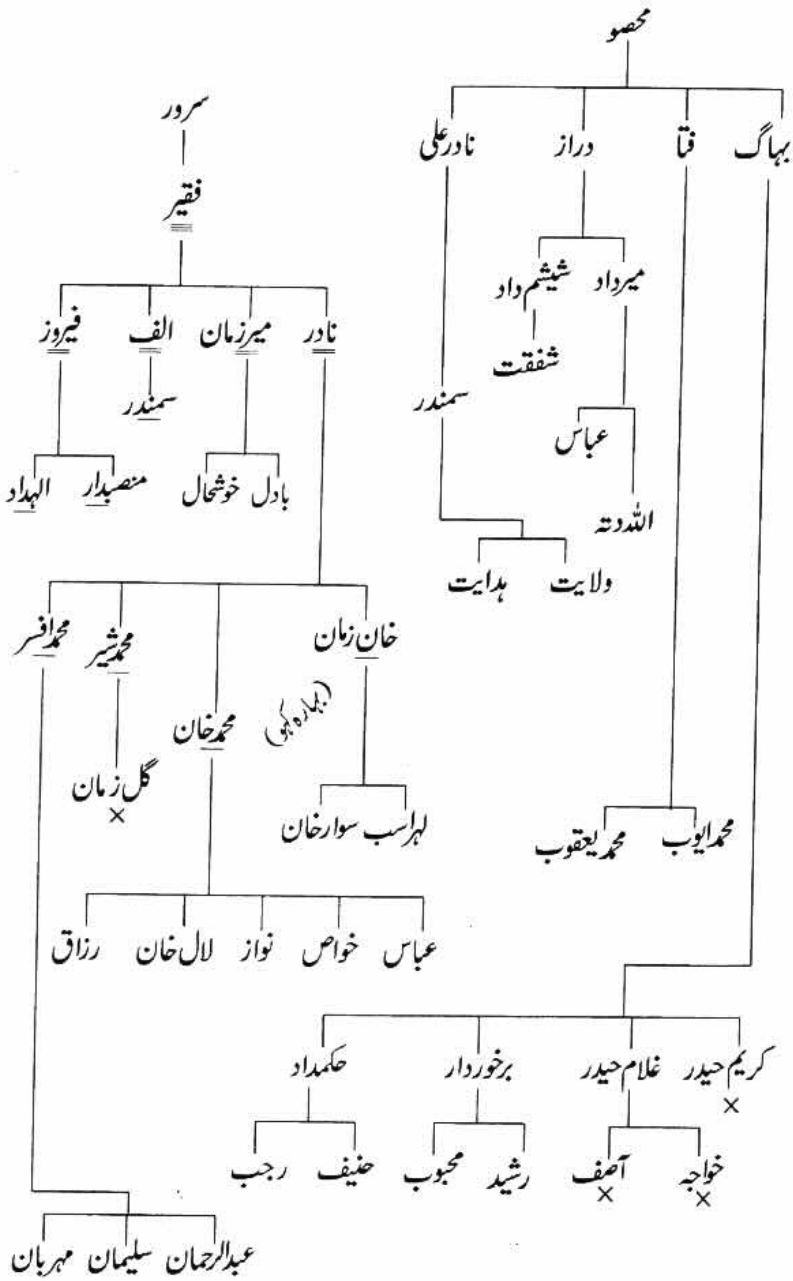
محصو
بہاگ
فتا
دراز
نادرعلی
میرداد
شیشم داد
شفقت
عباس
اللہ دتہ
سمندر
ولایت
ہدایت
محمد ایوب
محمد یعقوب
سرور
فقیر
نادر
میرزمان
الف
فیروز
سمندر
بادل
خوشحال
منصبدار
الہداد
خان زمان
محمد شیر
محمد افسر
محمد خان
(بلارہ کلی)
گل زمان
×
لہراسب سوارخان
عباس
خواص
نواز
لال خان
رزاق
کریم حیدر
×
غلام حیدر
برخوردار
حکمداد
خواجہ
×
آصف
×
رشید
محبوب
حنیف
رجب
عبدالرحمان
سلیمان
مہربان

طرف.....کمال
پتی.....ملک
سکونت... بانڈی، چاچل، پڑہنہ
نمبرداری.....×

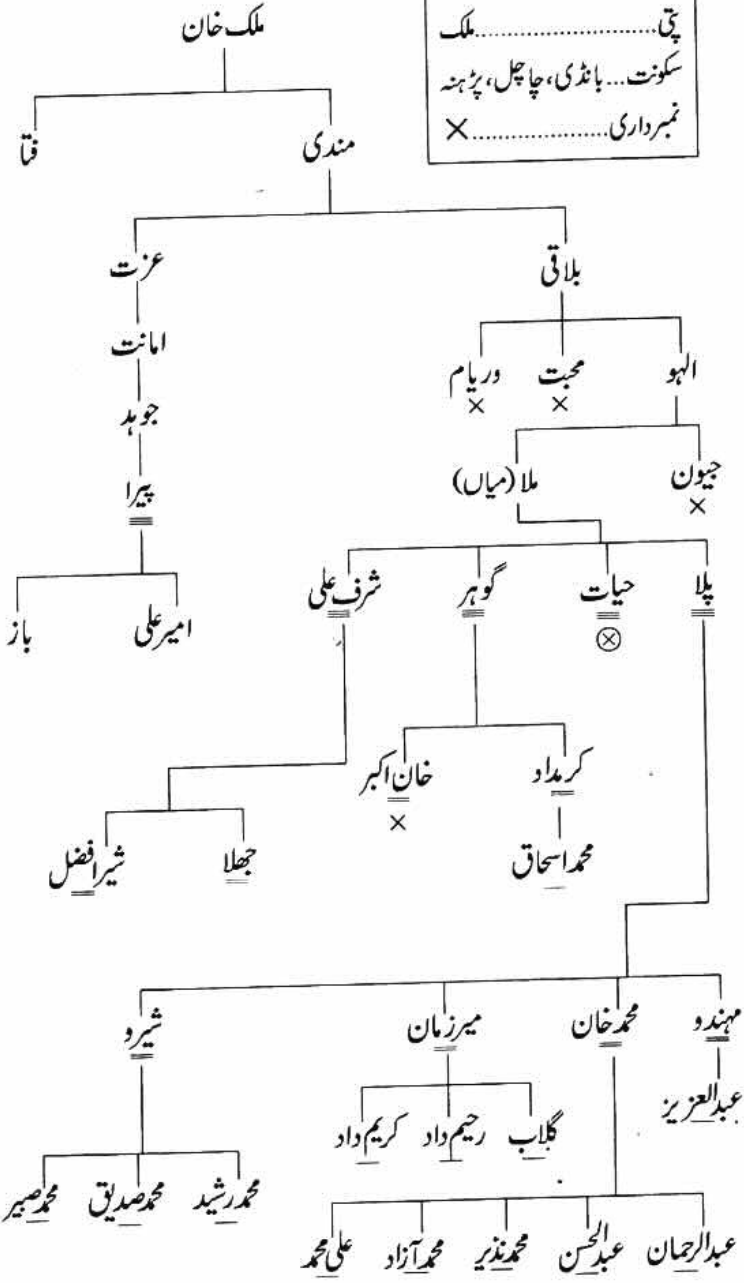

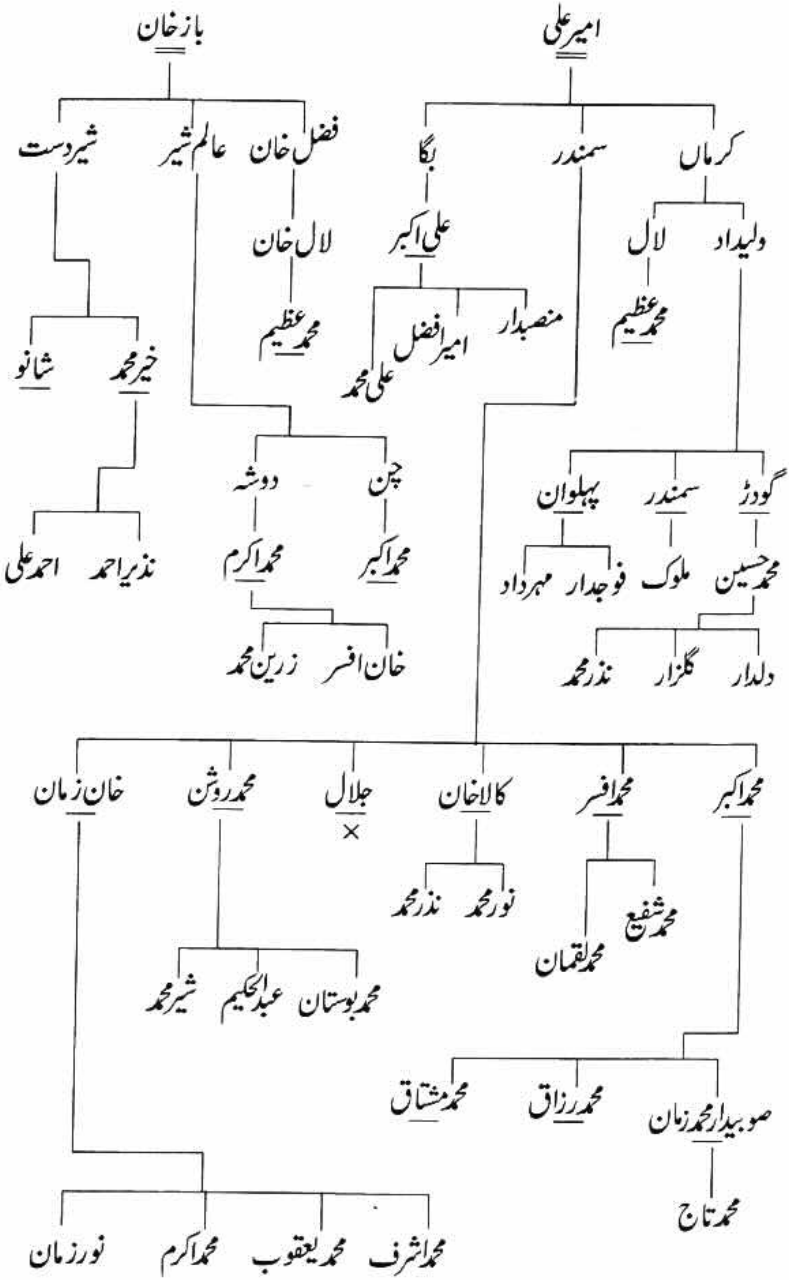
امیر علی
باز خان
کرماں
سمندر
بگا
فضل خان
عالم شیر
شیر دست
ولیداد
لال
علی اکبر
لال خان
منصبدار
امیر افضل
علی محمد
محمد عظیم
محمد عظیم
خیر محمد
شانو
گودڑ
سمندر
پہلوان
چن
دوشہ
محمد حسین
ملوک
فوجدار
مہرداد
محمد اکبر
محمد اکرم
نذیر احمد
احمد علی
دلدار
گلزار
نذر محمد
خان افسر
زرین محمد
محمد اکبر
محمد افسر
کالا خان
جلال
محمد روشن
خان زمان
نور محمد
نذر محمد
محمد شفیع
محمد لقمان
محمد بوستان
عبدالحکیم
شیر محمد
صوبیدار محمد زمان
محمد رزاق
محمد مشتاق
محمد تاج
محمد اشرف
محمد یعقوب
محمد اکرم
نور زمان

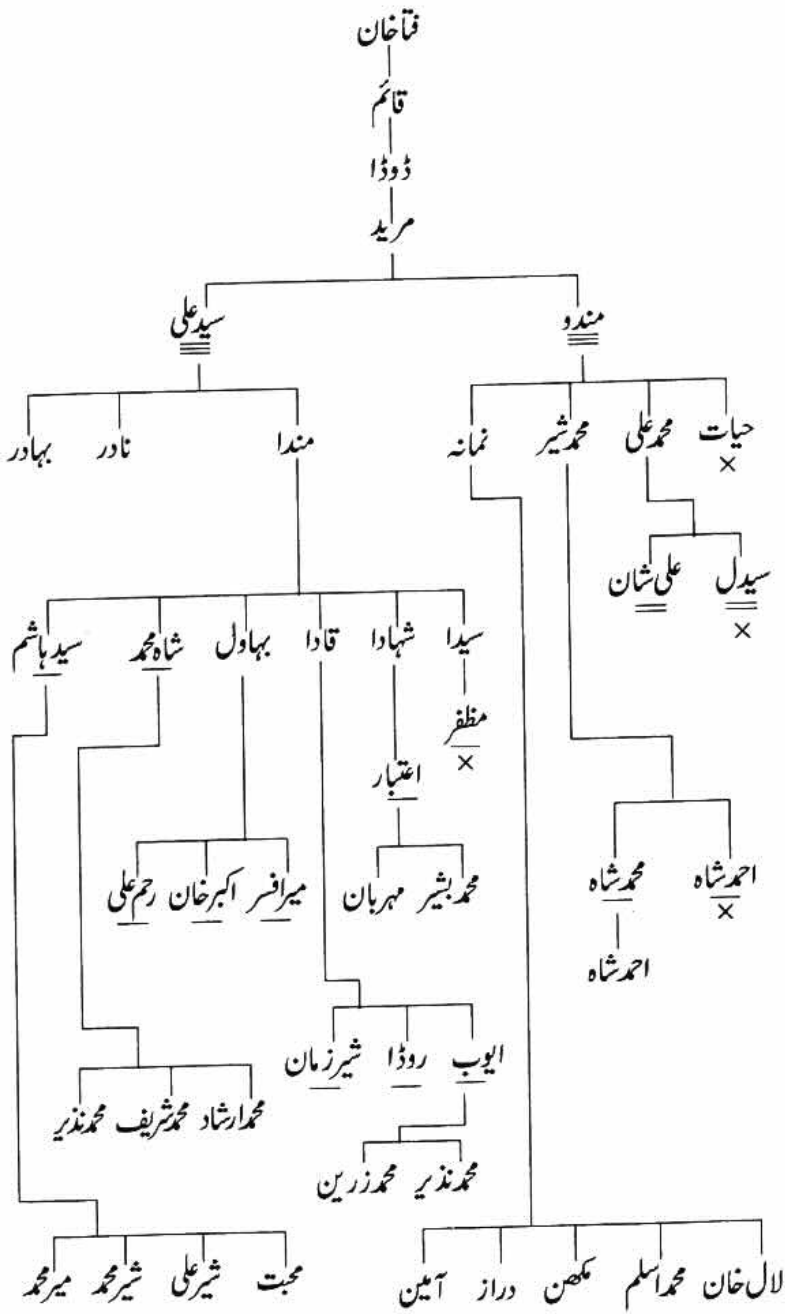
فتاخان
قائم
ڈوڈا
مرید
مندو
سیدعلی
حیات
محمدعلی
محمدشیر
نمانہ
نادر
بہادر
مندا
سیدل
علی شان
سیدا
شہادا
قادا
بہاول
شاہ محمد
سید ہاشم
مظفر
اعتبار
احمدشاہ
محمدشاہ
احمدشاہ
محمد بشیر
مہربان
میرافسر
اکبرخان
رحم علی
ایوب
روڈا
شیرزمان
محمدنذیر
محمدزرین
محمدارشاد
محمدشریف
محمدنذیر
لال خان
محمداسلم
مکھن
دراز
آمین
محبت
شیرعلی
شیرمحمد
میرمحمد

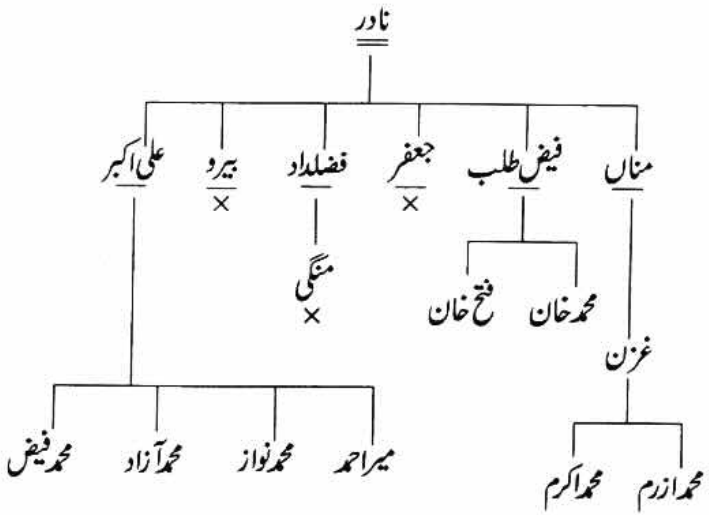
نادر
علی اکبر
بیرو
فضلداد
جعفر
فیض طلب
مناں
منگی
محمد خان
فتح خان
غزن
محمد فیض
محمد آزاد
محمد نواز
میر احمد
محمد ازرم
محمد اکرم

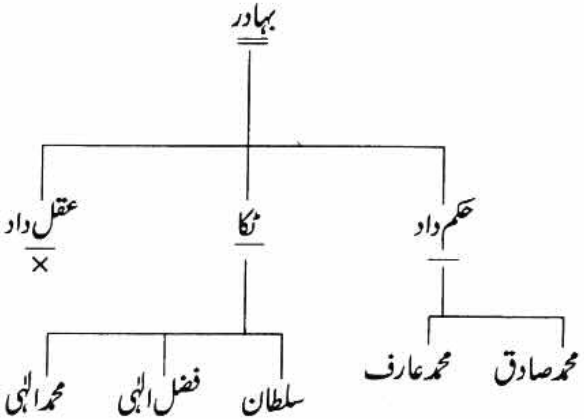
بہادر
عقل داد
ٹکا
حکم داد
محمد الٰہی
فضل الٰہی
سلطان
محمد عارف
محمد صادق

طرف.....کمال
پتی.....شیخو
سکونت...پڑہنہ،سیرگراں
نمبرداری.....ایک

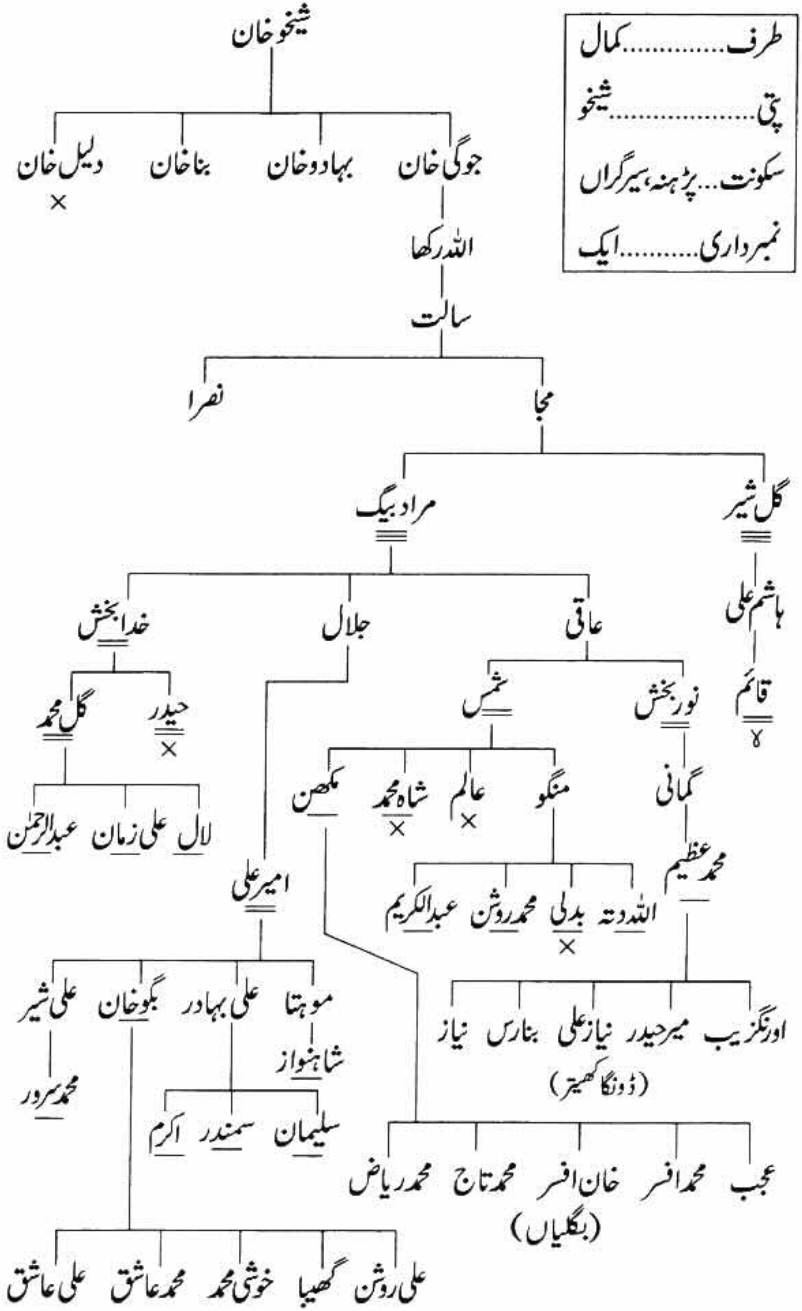

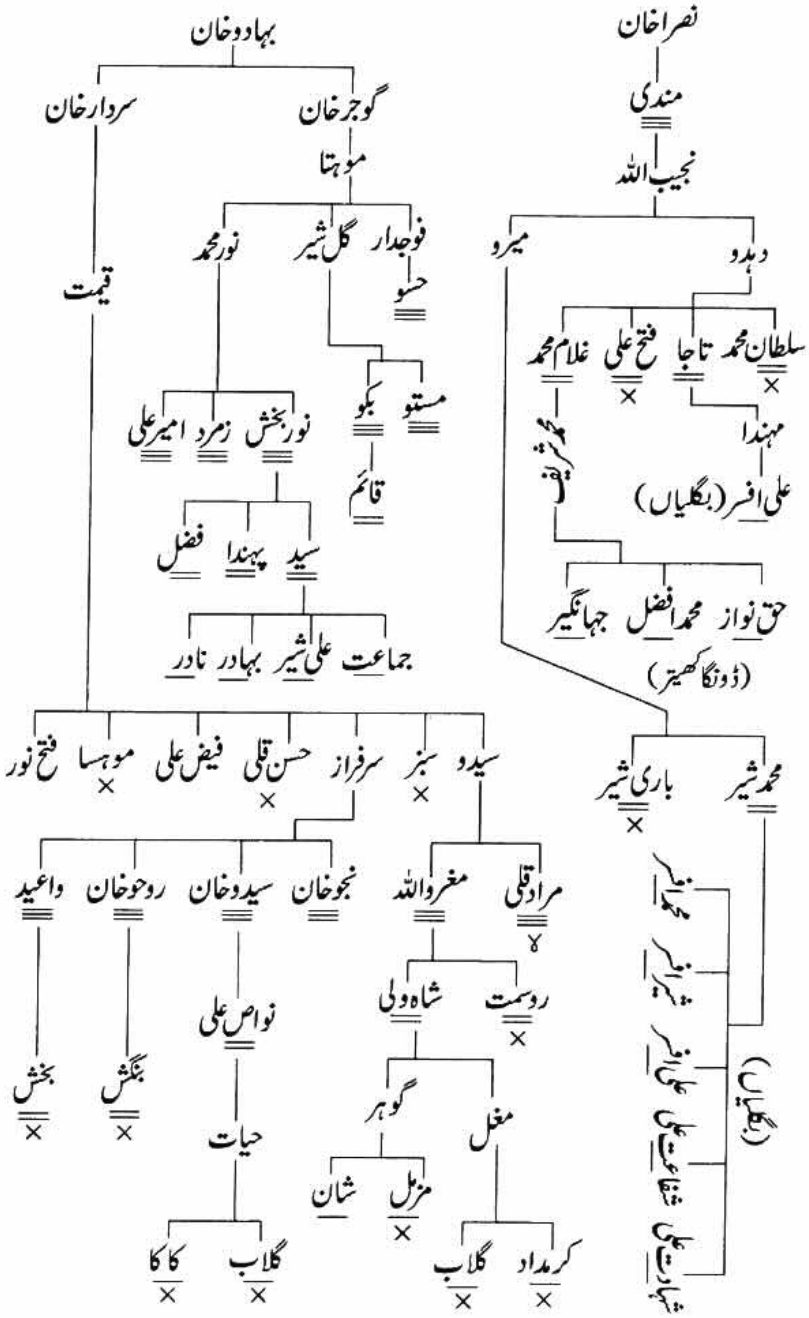
نصر اخان
مندی
نجیب اللہ
دہدو
میرو
سلطان محمد
تاجا
فتح علی
×
غلام محمد
مہندا
علی افسر (بگلیاں)
حق نواز
محمد افضل
جہانگیر
(ڈونگا کھیتر)
محمد شیر
باری شیر
×
بہادو خان
سردار خان
گوجر خان
موہتا
فوجدار
گل شیر
نور محمد
حسو
قیمت
مستو
بکو
نور بخش
زمرد
امیر علی
قائم
سید
پہندا
فضل
جماعت علی
شیر بہادر
نادر
سیدو
سبز
×
سرفراز
حسن قلی
×
فیض علی
موہسا
×
فتح نور
مراد قلی
مغرو اللہ
نجو خان
سیدو خان
روحو خان
واعید
×
روسمت
×
شاہ ولی
نواص علی
حیات
گلاب
×
کاکا
×
گوہر
مزمل
×
شان
مغل
کرمداد
×
گلاب
×
(بگلیاں)

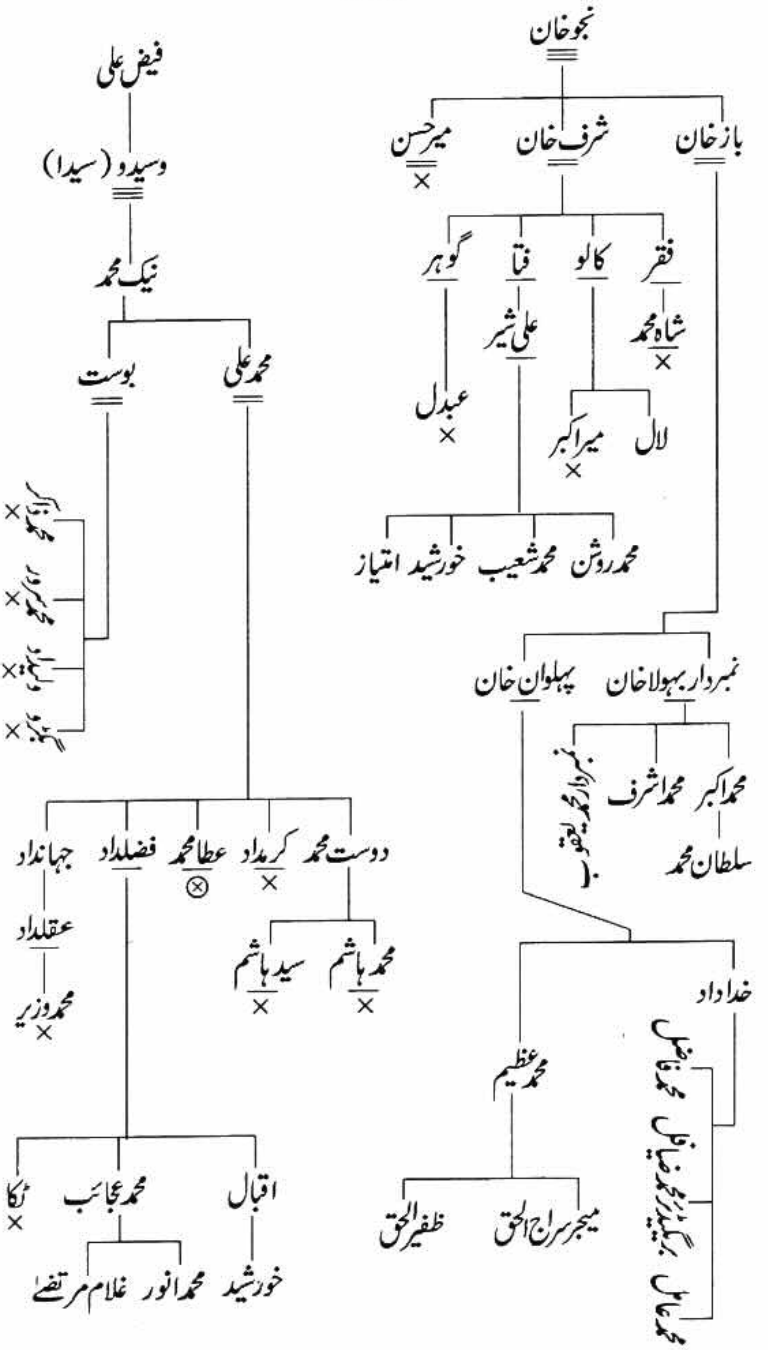
نجو خان
باز خان
شرف خان
میر حسن
فقر
کالو
فتا
گوہر
شاہ محمد
علی شیر
عبدل
لال
میر اکبر
محمد روشن
محمد شعیب
خورشید
امتیاز
نمبردار بہولا خان
پہلوان خان
محمد اکبر
محمد اشرف
سلطان محمد
خداداد
محمد عظیم
میجر سراج الحق
ظفیر الحق
فیض علی
وسیدو (سیدا)
نیک محمد
محمد علی
بوست
دوست محمد
کرمداد
عطا محمد
فضلداد
جہانداد
محمد ہاشم
سید ہاشم
عقلداد
محمد وزیر
اقبال
محمد عجائب
ٹکا
خورشید
محمد انور
غلام مرتضےٰ

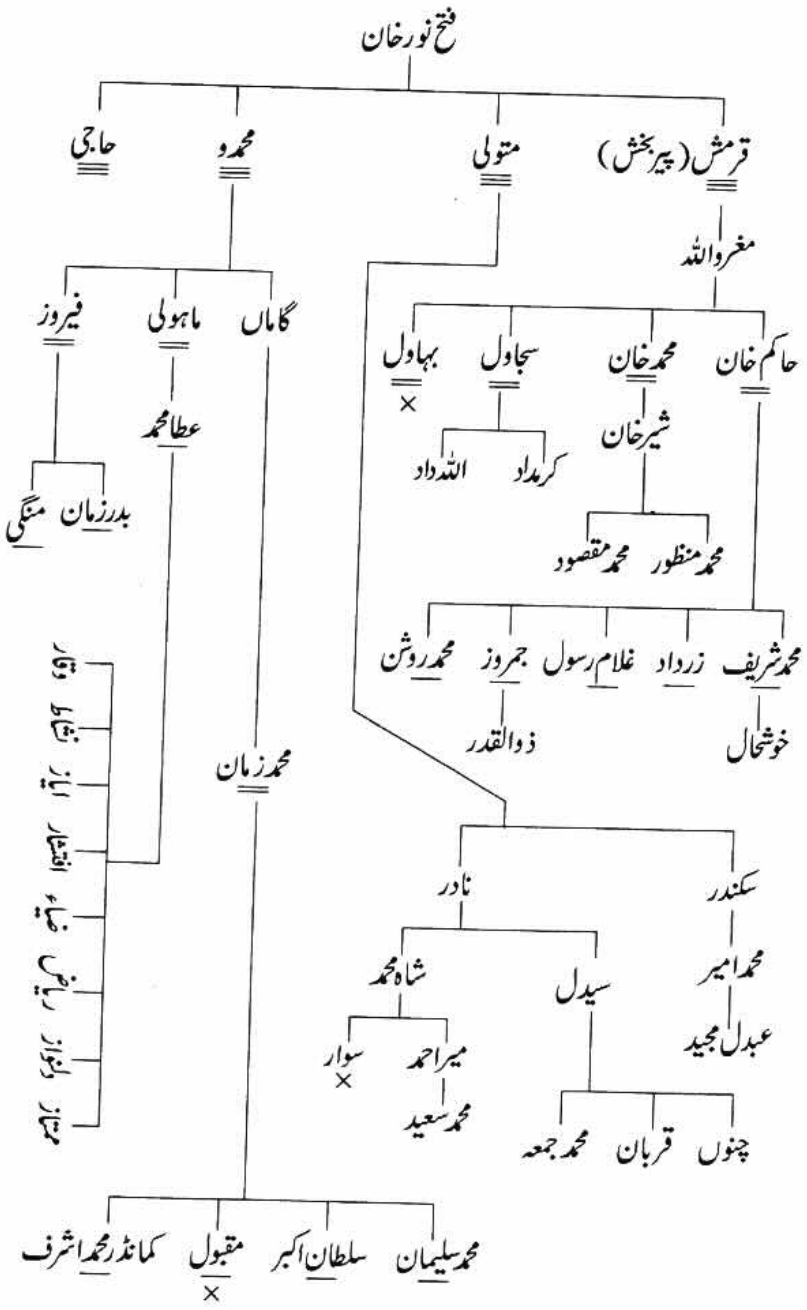
فتح نور خان
قرمش (پیر بخش)
متولی
محمدو
حاجی
مغرواللہ
حاکم خان
محمد خان
سجاول
بہاول
×
شیر خان
کرمداد
اللہ داد
محمد منظور
محمد مقصود
محمد شریف
زرداد
غلام رسول
جمروز
محمد روشن
خوشحال
ذوالقدر
سکندر
نادر
محمد امیر
عبدل مجید
سیدل
شاہ محمد
میر احمد
سوار
×
محمد سعید
چنوں
قربان
محمد جمعہ
گاماں
ماہولی
فیروز
عطا محمد
بدرزمان
منگی
محمد زمان
وقار
نثار
ایاز
افتخار
ضیاء
ریاض
نواز
ممتاز
محمد سلیمان
سلطان اکبر
مقبول
×
کمانڈر محمد اشرف

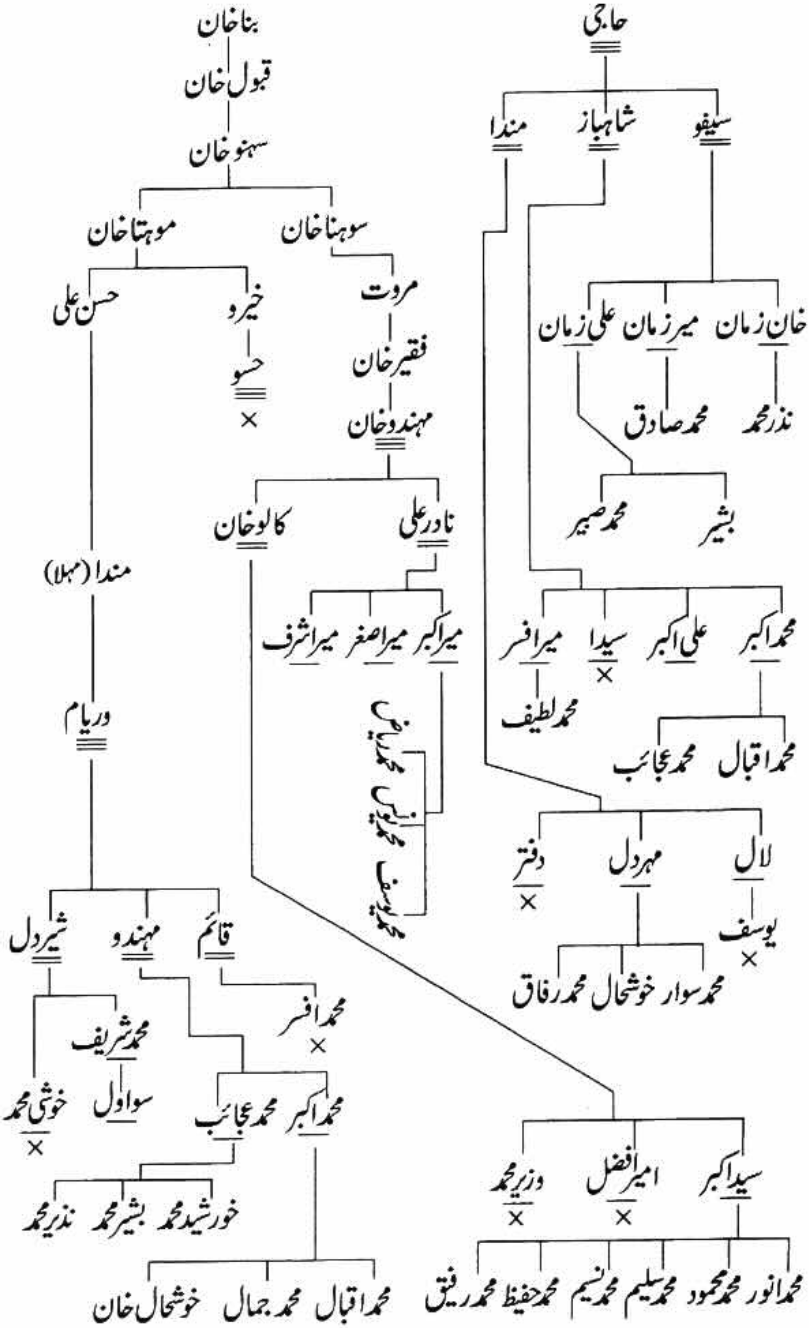
حاجی
سیفو
شاہباز
مندا
خان زمان
میر زمان
علی زمان
نذر محمد
محمد صادق
بشیر
محمد صبیر
محمد اکبر
علی اکبر
سیدا
میر افسر
محمد لطیف
محمد اقبال
محمد عجائب
لال
مہر دل
دفتر
یوسف
محمد سوار
خوشحال
محمد رفاق
سید اکبر
امیر افضل
وزیر محمد
محمد انور
محمد محمود
محمد سلیم
محمد نسیم
محمد حفیظ
محمد رفیق
بناخان
قبول خان
سہنو خان
سوہنا خان
موہتا خان
مروت
خیرو
حسن علی
فقیر خان
حسو
مہندو خان
نادر علی
کالو خان
میر اکبر
میر اصغر
میر اشرف
محمد یوسف
محمد یونس
محمد یاس
مندا (مہلا)
وریام
قائم
مہندو
شیر دل
محمد افسر
محمد شریف
سواول
خوشی محمد
محمد اکبر
محمد عجائب
خورشید محمد
بشیر محمد
نذیر محمد
محمد اقبال
محمد جمال
خوشحال خان

طرف.....کالا
پتی.....قیدو
سکونت....سانچ، چارہان
نمبرداری.....ایک

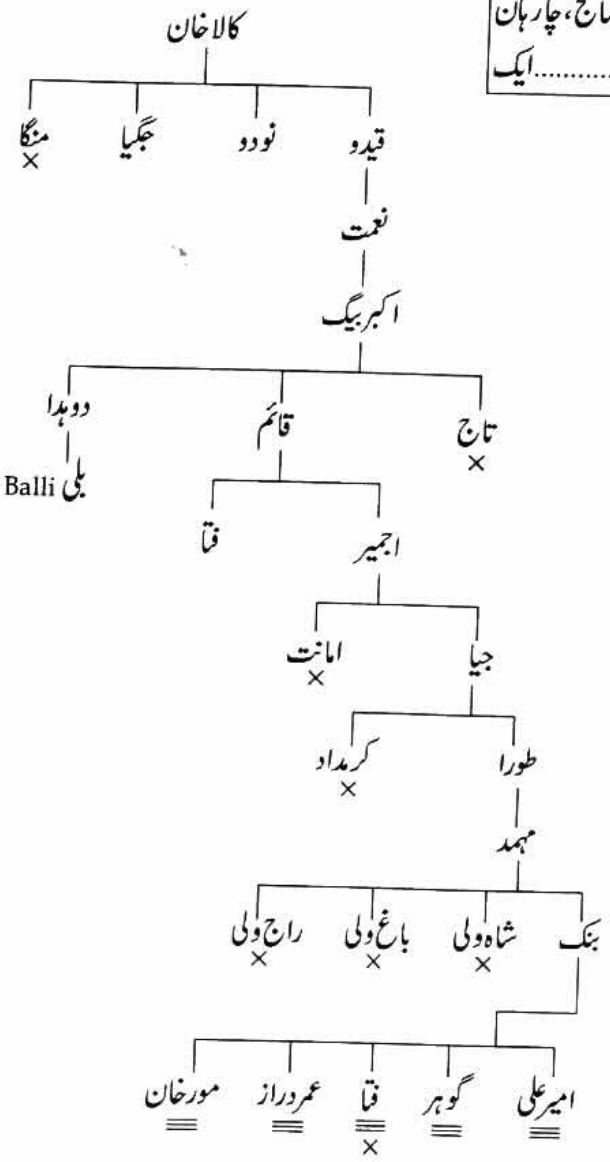

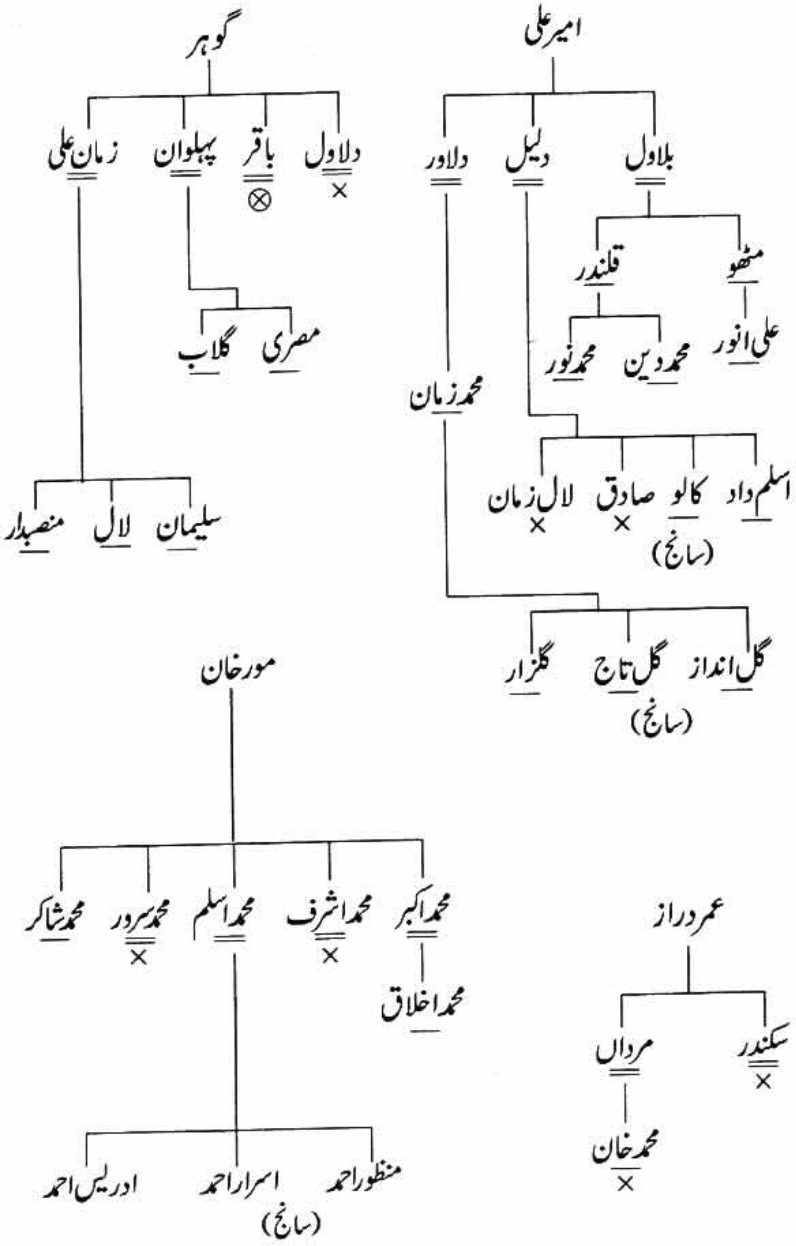
امیر علی
بلاول
دلیل
دلاور
مٹھو
قلندر
علی انور
محمد دین
محمد نور
محمد زمان
اسلم داد
کالو
صادق
لال زمان
(سانج)
گل انداز
گل تاج
گلزار
(سانج)
گوہر
دلاول
باقر
پہلوان
زمان علی
مصری
گلاب
سلیمان
لال
منصبدار
مور خان
محمد اکبر
محمد اشرف
محمد اسلم
محمد سرور
محمد شاکر
محمد اخلاق
منظور احمد
اسرار احمد
ادریس احمد
(سانج)
عمر دراز
سکندر
مرداں
محمد خان

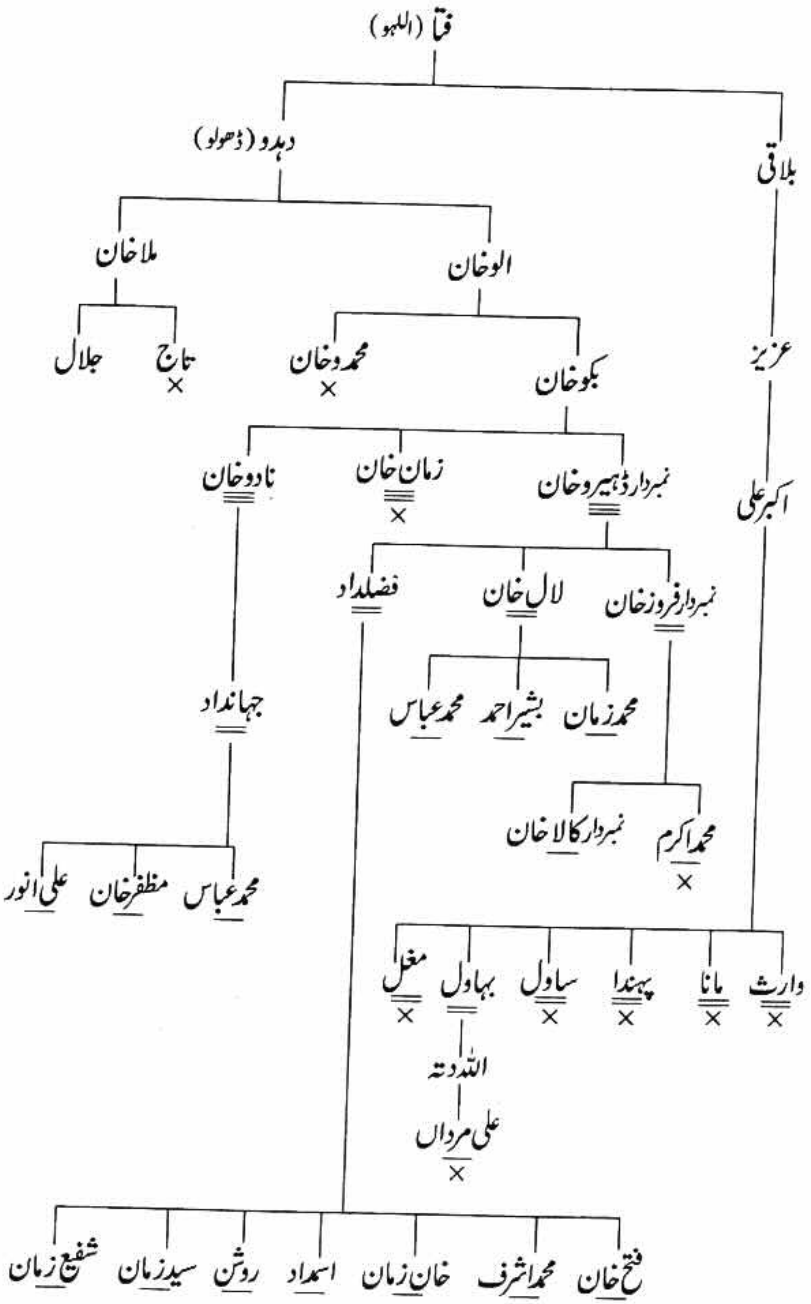
فتا (اللہو)
دہدو (ڈھولو)
بلاقی
ملا خان
الو خان
عزیز
تاج
جلال
محمد وخان
بکو خان
اکبر علی
نادو خان
زمان خان
نمبردار ڈھیرو خان
فضلداد
لال خان
نمبردار فروز خان
جہانداد
محمد زمان
بشیر احمد
محمد عباس
محمد اکرم
نمبردار کالا خان
محمد عباس
مظفر خان
علی انور
وارث
مانا
پہندا
ساول
بہاول
مغل
اللہ دتہ
علی مرداں
فتح خان
محمد اشرف
خان زمان
اسماد
روشن
سید زمان
شفیع زمان

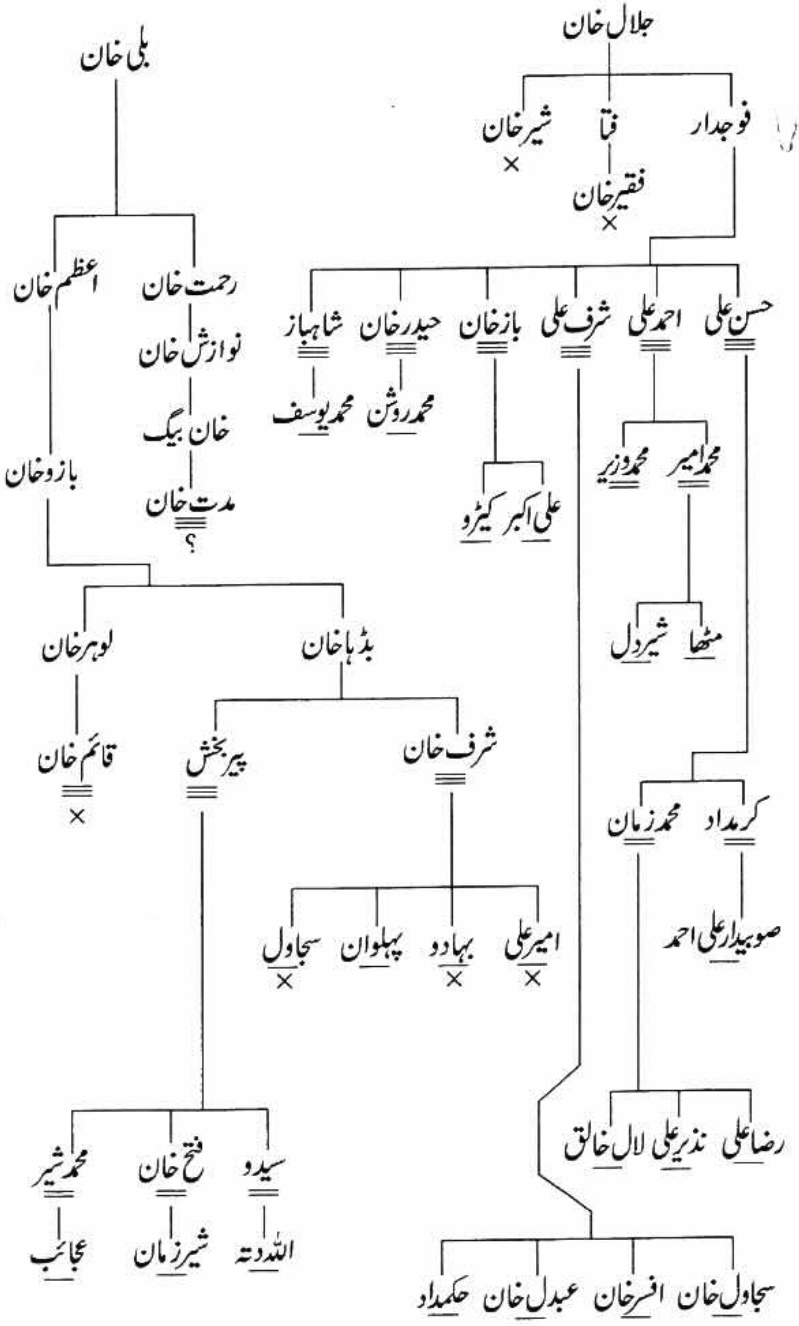
جلال خان
بلی خان
فوجدار
فتا
شیر خان
×
فقیر خان
×
حسن علی
احمد علی
شرف علی
باز خان
حیدر خان
شاہباز
محمد روشن
محمد یوسف
علی اکبر کیڑو
محمد امیر
محمد وزیر
مٹھا
شیر دل
رحمت خان
نوازش خان
خان بیگ
مدت خان
؟
اعظم خان
بازو خان
بڈھا خان
لوہر خان
قائم خان
×
پیر بخش
شرف خان
امیر علی
×
بہادو
×
پہلوان
سجاول
×
کرمداد
محمد زمان
صوبیدار علی احمد
رضا علی
نذیر علی لال
خالق
سیدو
اللہ دتہ
فتح خان
شیر زمان
محمد شیر
عجائب
سجاول خان
افسر خان
عبدل خان
حکمداد

طرف.....کالاخان
پتی.....قیدونودو
سکونت.....سانج
نمبرداری.....×

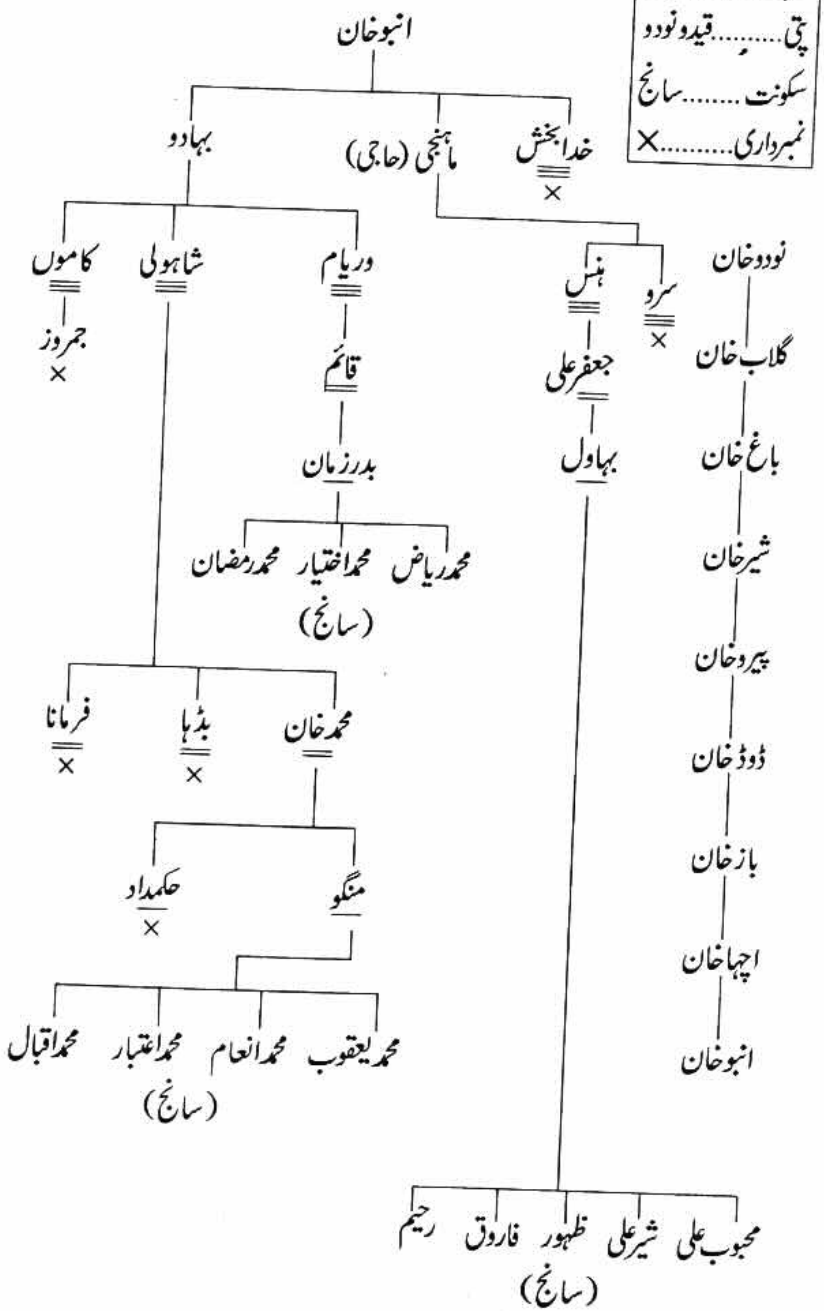

طرف..... کالاخان
پتی.....قیدونودو
سکونت..سانج، بانڈی

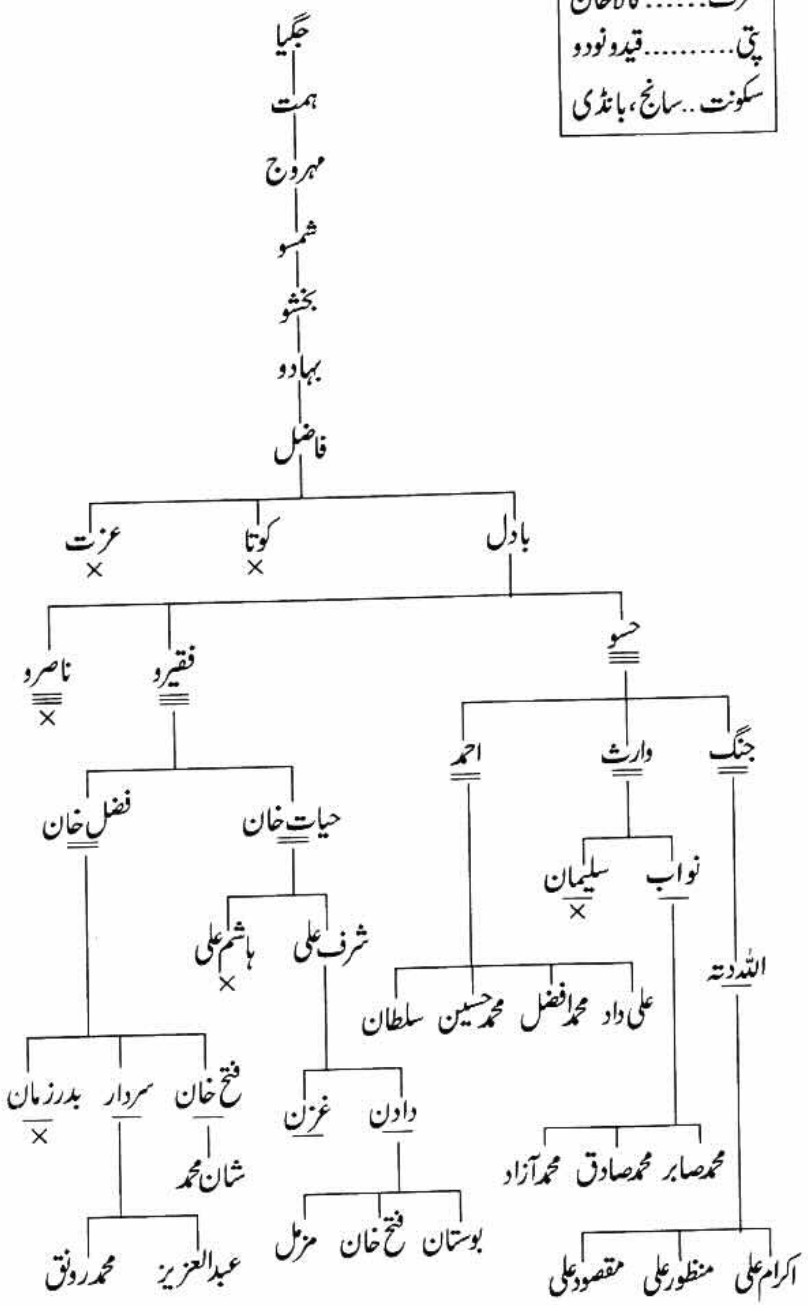

طرف.....مولوخان
پتی.....مولوخان
سکونت....چارہان، پڑہنہ
نمبرداری.....ایک

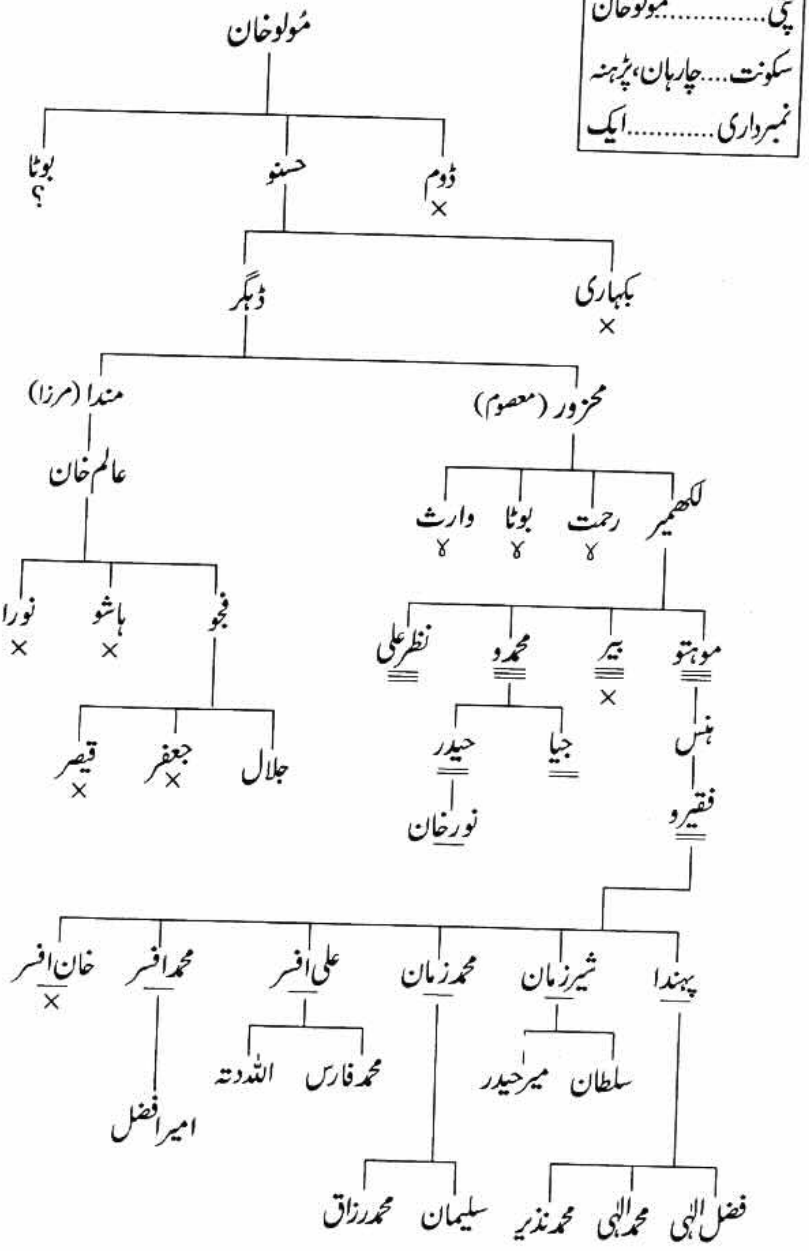

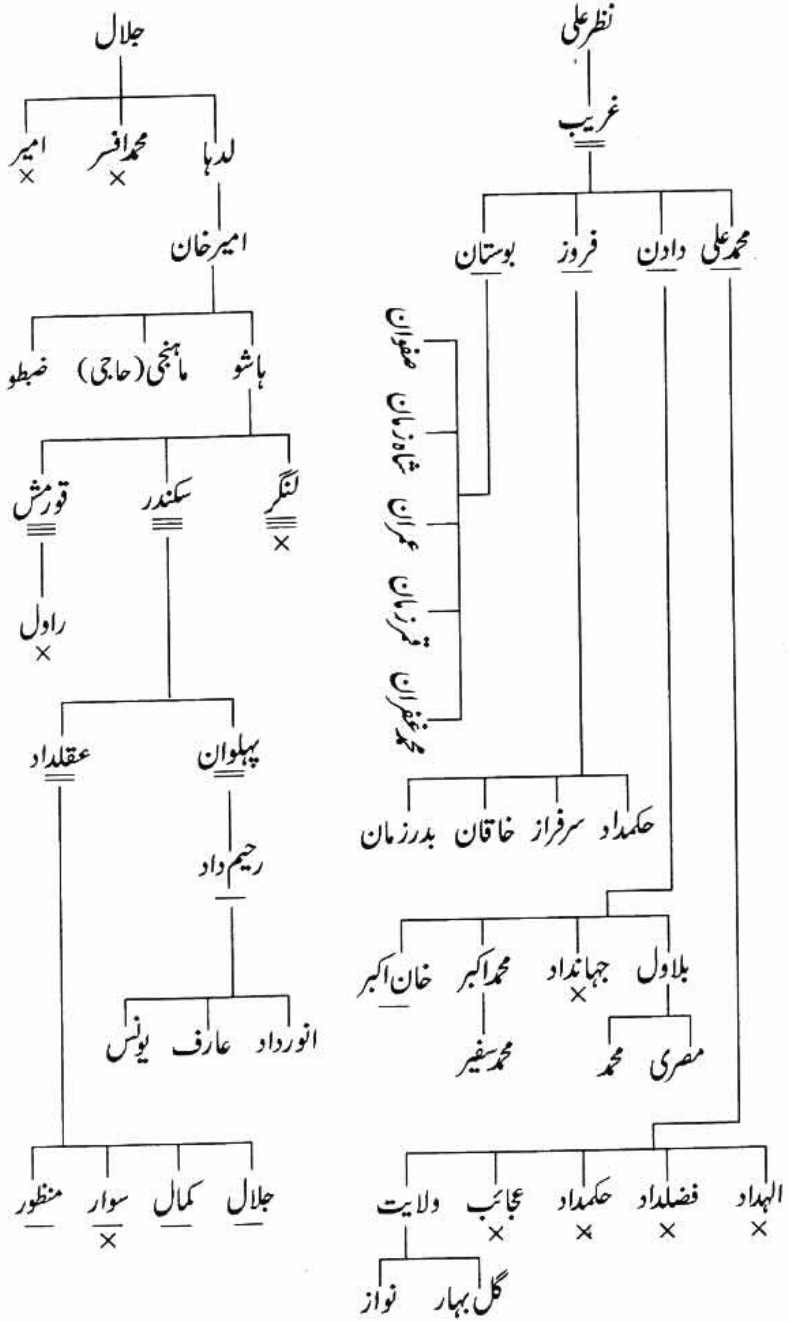
نظر علی
غریب
محمد علی
دادن
فروز
بوستان
محمد غفران
قمر زمان
عمران
شاہ زمان
صفوان
حکمداد
سرفراز
خاقان
بدرزمان
بلاول
جہانداد
محمد اکبر
خان اکبر
مصری
محمد
محمد سفیر
الہداد
فضلداد
حکمداد
عجائب
ولایت
گل بہار
نواز
جلال
لدہا
محمد افسر
امیر
امیر خان
ہاشو
ماہنجی (حاجی)
ضبطو
لنگر
سکندر
قورمش
راول
پہلوان
عقلداد
رحیم داد
انورداد
عارف
یونس
جلال
کمال
سوار
منظور

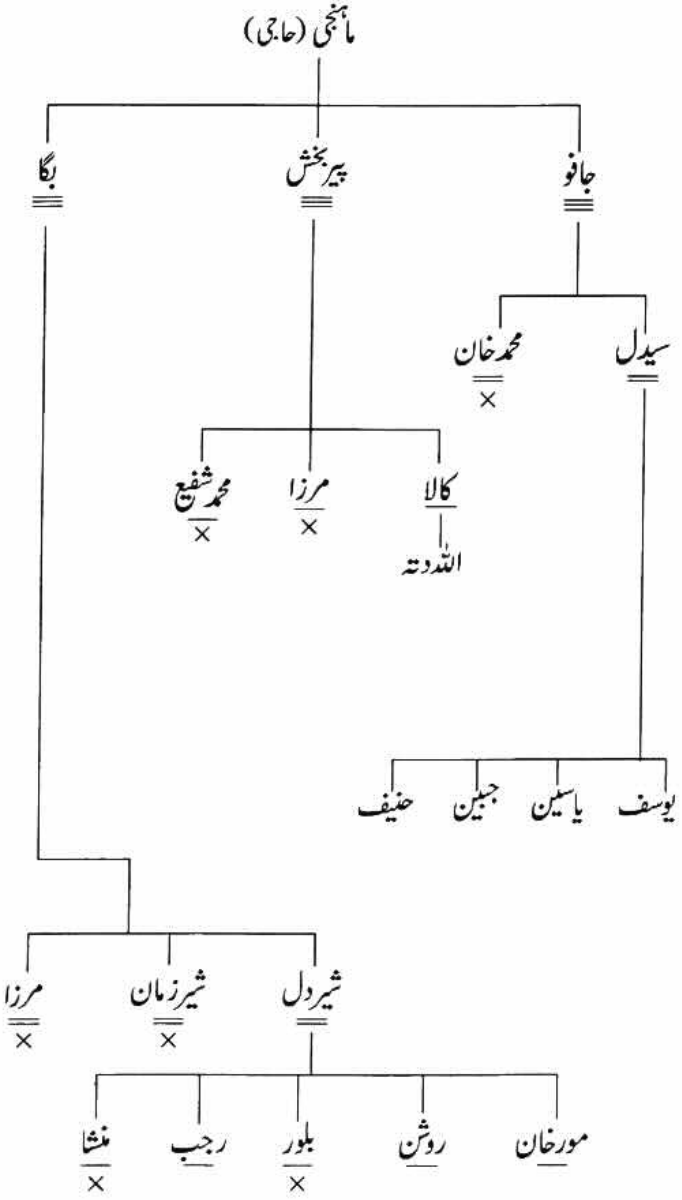
ماہنجی (حاجی)
بگا
پیر بخش
جافو
سیدل
محمد خان
×
کالا
مرزا
×
محمد شفیع
×
اللہ دتہ
یوسف
یاسین
جبین
حنیف
مرزا
×
شیر زمان
×
شیر دل
مور خان
روشن
بلور
×
رجب
منشا
×

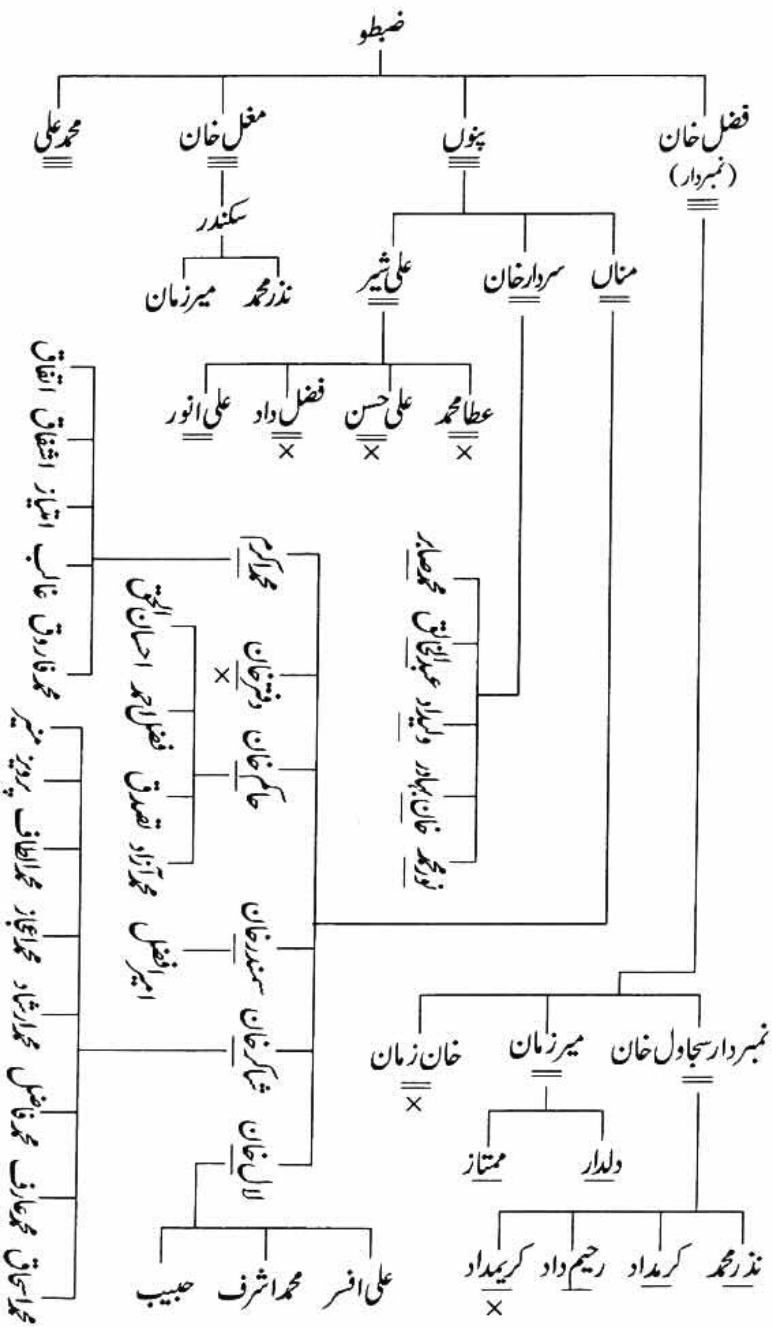
ضبطو
فضل خان
(نمبردار)
پنوں
مغل خان
محمد علی
مناں
سردار خان
علی شیر
سکندر
نذر محمد
میر زمان
عطا محمد
علی حسن
فضل داد
علی انور
نمبردار سجاول خان
میر زمان
خان زمان
دلدار
ممتاز
نذر محمد
کرمداد
رحیم داد
کریمداد
نور محمد خان بہادر
ولیداد
عبدالخالق
محمد صابر
محمد کریم
حاکم خان
دفتر خان
امیر افضل
محمد آزاد
تصدق
فضل احمد
احسان الحق
سمندر خان
شاکر خان
لال خان
علی افسر
محمد اشرف
حبیب
محمد فاروق
غالب
امتیاز
اشفاق
اتفاق
محمد پرویز منیر
محمد الطاف
محمد اعجاز
محمد ارشاد
محمد فاضل
محمد عارف
محمد اسحاق

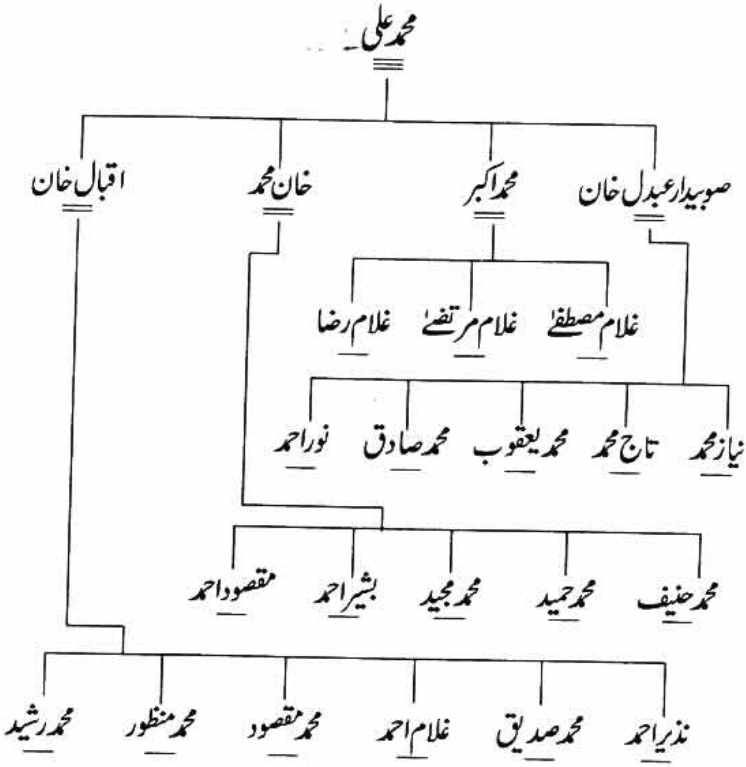
محمد علی
صوبیدار عبدل خان
محمد اکبر
خان محمد
اقبال خان
غلام مصطفیٰ
غلام مرتضیٰ
غلام رضا
نیاز محمد
تاج محمد
محمد یعقوب
محمد صادق
نور احمد
محمد حنیف
محمد حمید
محمد مجید
بشیر احمد
مقصود احمد
نذیر احمد
محمد صدیق
غلام احمد
محمد مقصود
محمد منظور
محمد رشید

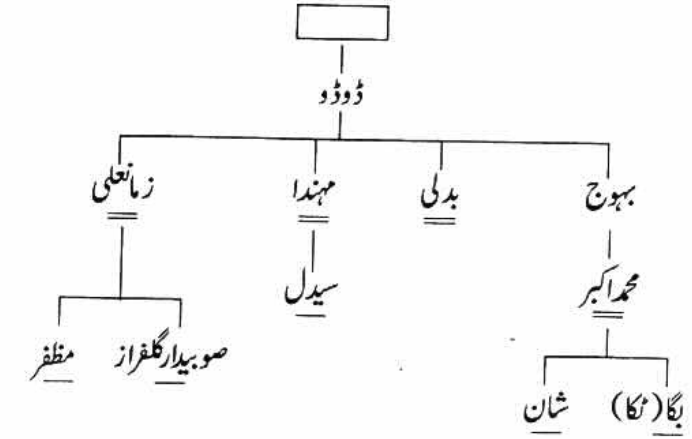
ڈوڈو
بہوج
بدلی
مہندا
زمانعلی
محمد اکبر
سیدل
صوبیدار گلفراز
مظفر
بگا (ٹکا)
شان

شاخ.....گلووال

سکونت.....چارہان

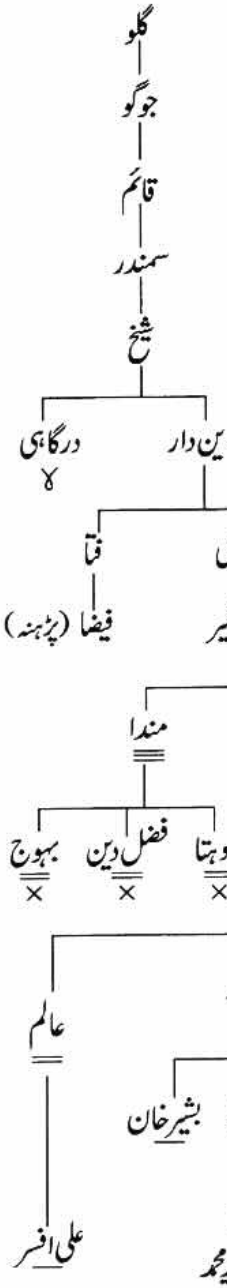

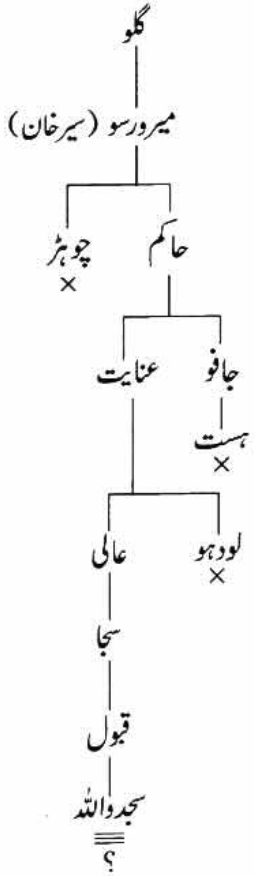

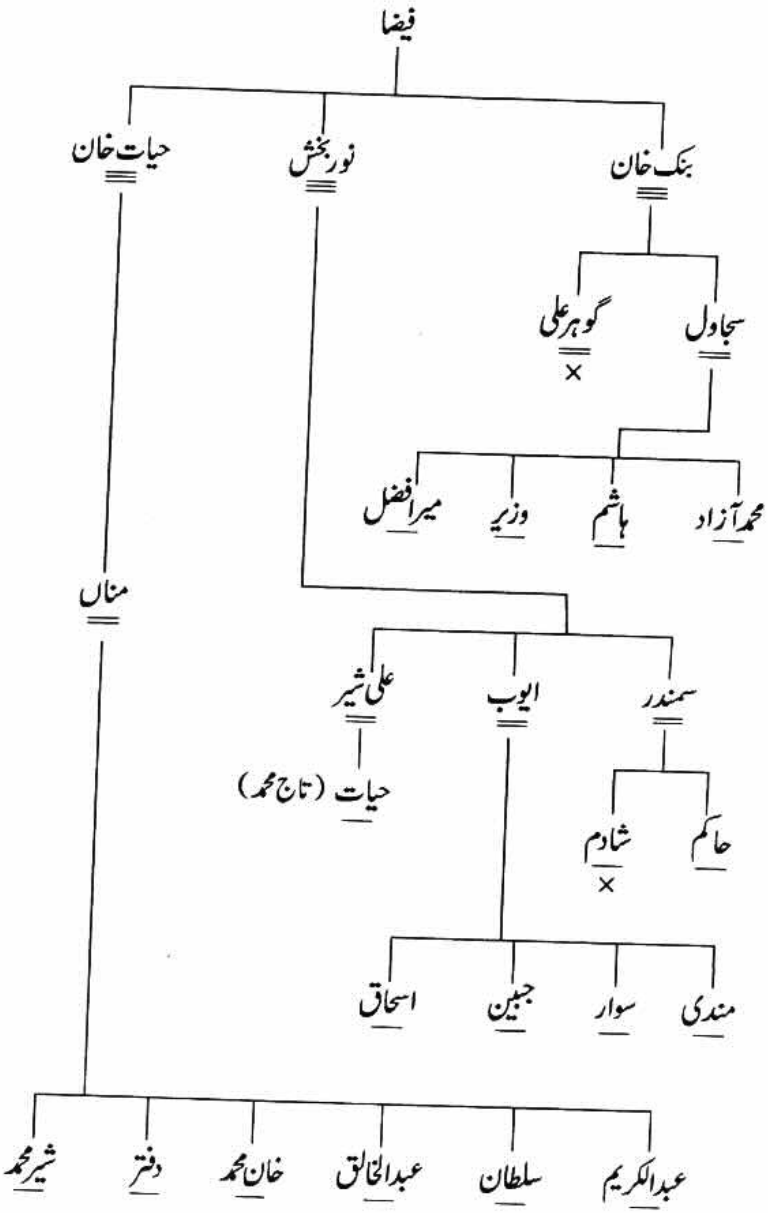
فیضا
حیات خان
نور بخش
بنک خان
سجاول
گوہر علی
×
محمد آزاد
ہاشم
وزیر
میر افضل
مناں
علی شیر
ایوب
سمندر
حیات (تاج محمد)
حاکم
شادم
×
مندی
سوار
جبین
اسحاق
عبدالکریم
سلطان
عبدالخالق
خان محمد
دفتر
شیر محمد

طرف .....ساہو
پتی .....گدو
سکونت.....گہل
نمبرداری..... ایک

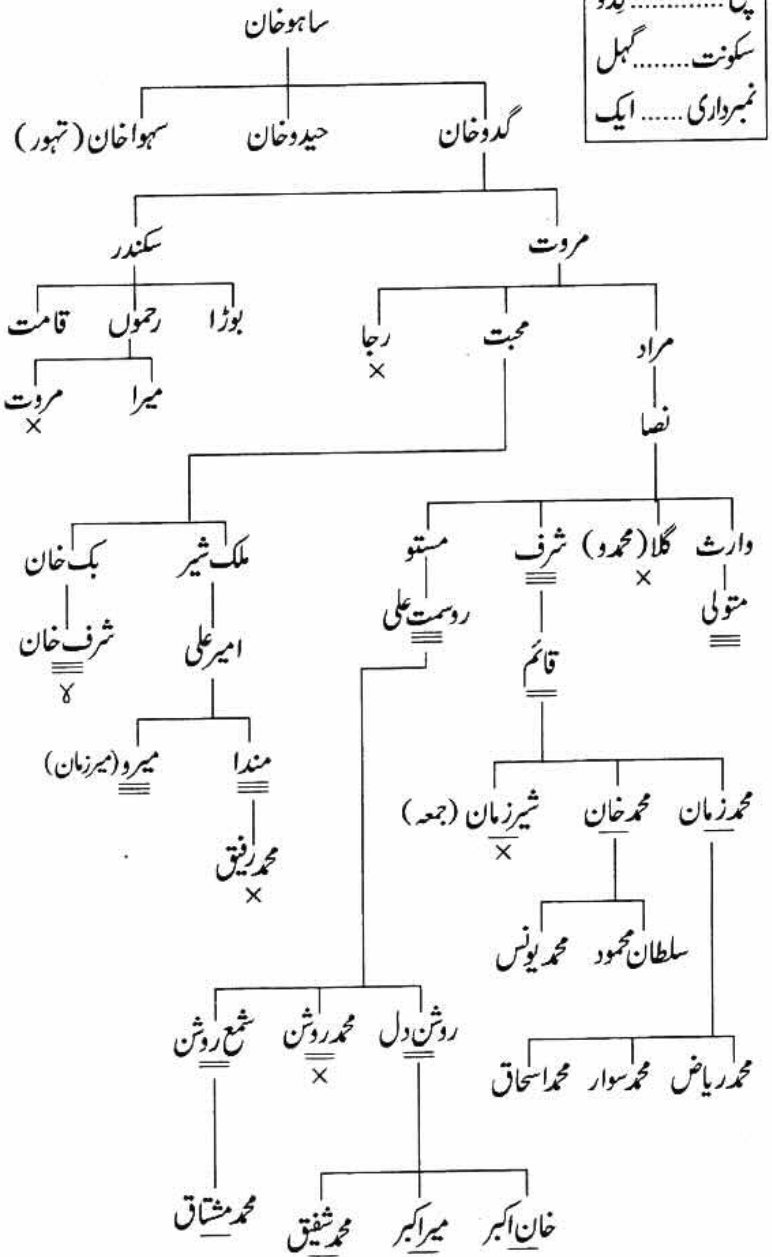

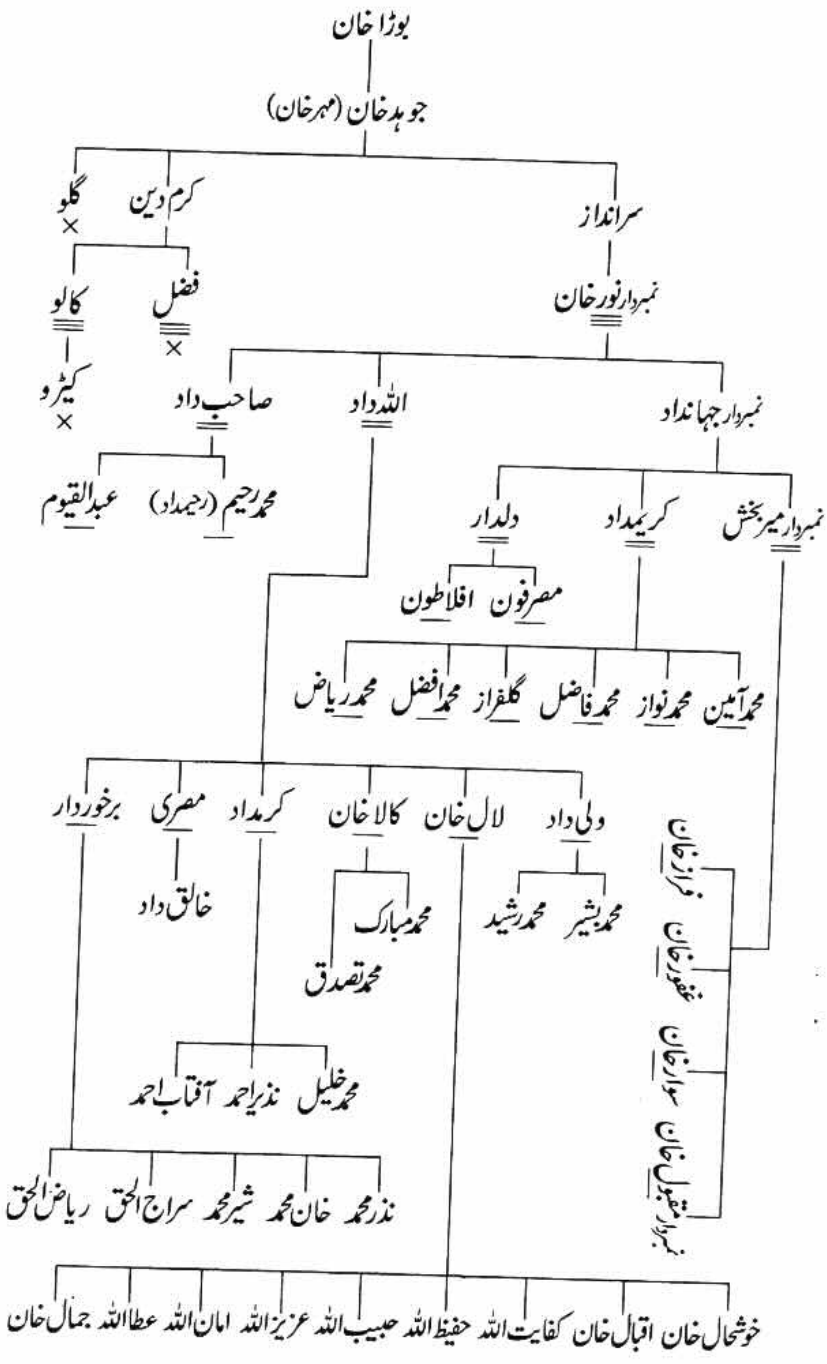
بوڑا خان
جوہدخان (مہرخان)
سرانداز
کرم دین
گلو
×
فضل
کالو
کیڑو
×
نمبردارنورخان
نمبردار جہانداد
اللہ داد
صاحب داد
محمد رحیم (رحیمداد)
عبدالقیوم
نمبردار میر بخش
کریمداد
دلدار
مصرفون
افلاطون
محمد آمین
محمد نواز
محمد فاضل
گلفراز
محمد افضل
محمد ریاض
ولی داد
لال خان
کالا خان
کرمداد
مصری
برخوردار
محمد بشیر
محمد رشید
محمد مبارک
محمد تصدق
خالق داد
محمد خلیل
نذر احمد
آفتاب احمد
نذر محمد
خان محمد
شیر محمد
سراج الحق
ریاض الحق
نمبردار مقبول خان
سردار خان
غفور خان
فراز خان
خوشحال خان
اقبال خان
کفایت اللہ
حفیظ اللہ
حبیب اللہ
عزیز اللہ
امان اللہ
عطا اللہ
جمال خان

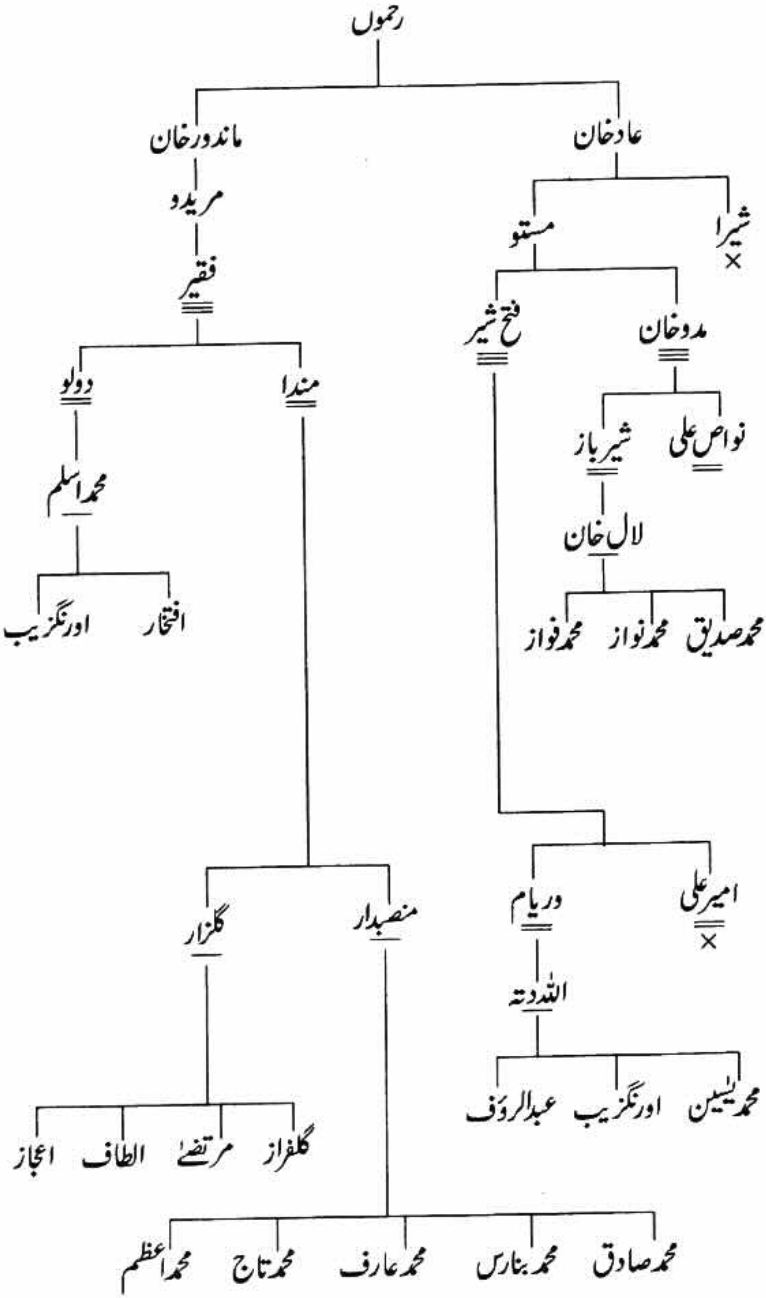
رحموں
عادخان
ماندورخان
شیرا
×
مستو
مریدو
فقیر
مدوخان
فتح شیر
دولو
مندا
نواص علی
شیرباز
محمد اسلم
لال خان
افتخار
اورنگزیب
محمد صدیق
محمد نواز
محمد فواز
گلزار
منصبدار
امیر علی
×
وریام
اللہ دتہ
گلفراز
مرتضیٰ
الطاف
اعجاز
محمد یٰسین
اورنگزیب
عبدالروف
محمد صادق
محمد بنارس
محمد عارف
محمد تاج
محمد اعظم

طرف .....ساہو
پتی .....حیدو
سکونت...پڑہنہ گہل
نمبرداری.....×

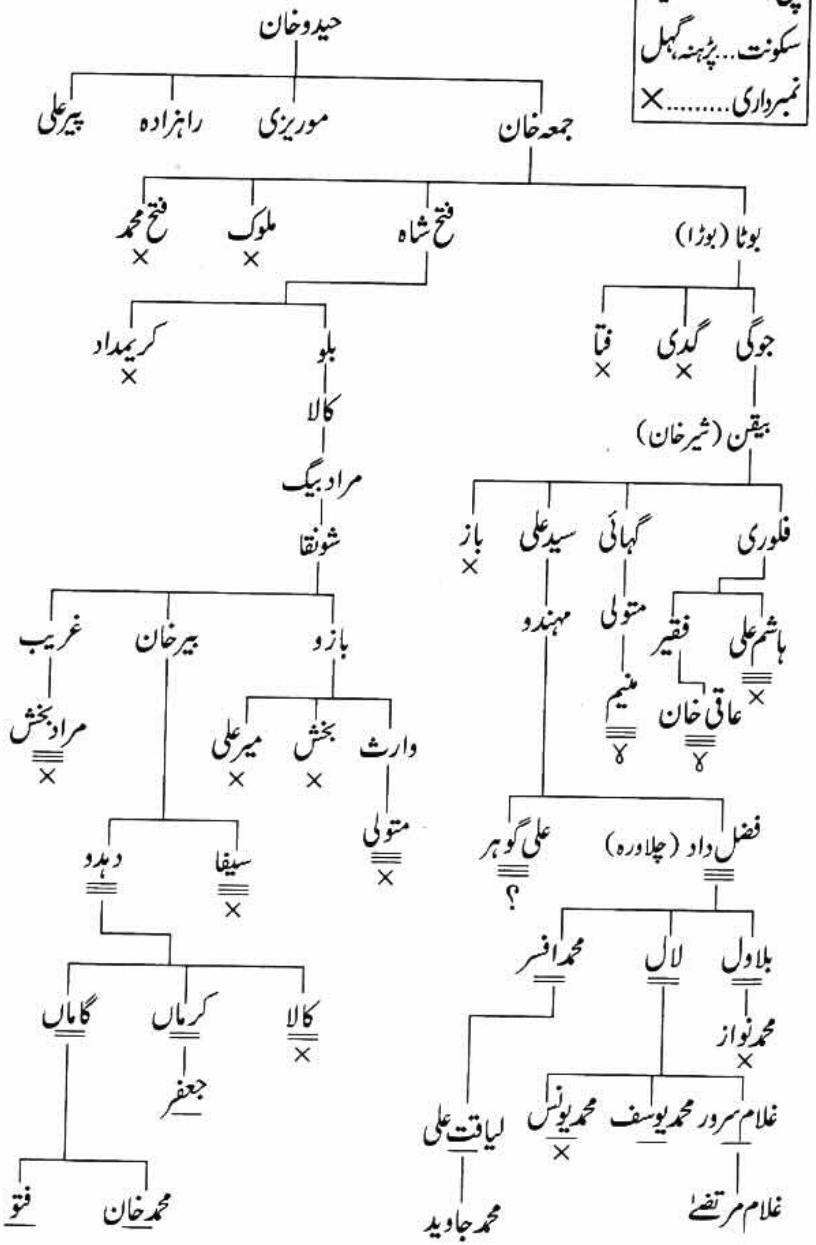

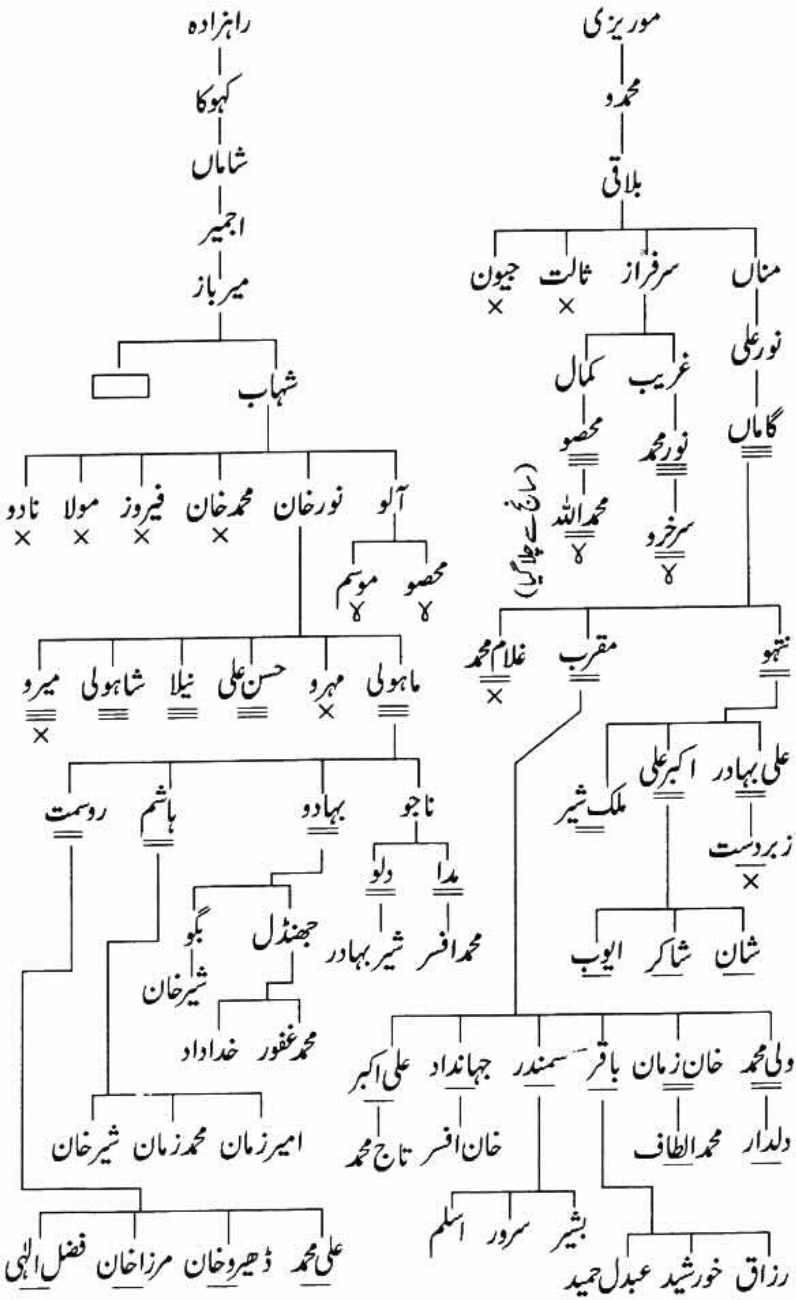
موریزی
محمدو
بلاقی
مناں
سرفراز
ثالت
جیون
نورعلی
گاماں
غریب
کمال
نورمحمد
محصو
سرخرو
محمداللہ
(سانچے سے چلا گیا)
نتھو
مقرب
غلام محمد
علی بہادر
اکبرعلی
ملک شیر
زبردست
شان
شاکر
ایوب
ولی محمد
خان زمان
باقر
سمندر
جہانداد
علی اکبر
دلدار
محمدالطاف
خان افسر
تاج محمد
بشیر
سرور
اسلم
رزاق
خورشید
عبدل حمید
راہزادہ
کہوکا
شاماں
اجمیر
میرباز
شہاب
آلو
نورخان
محمدخان
فیروز
مولا
نادو
محصو
موسم
ماہولی
مہرو
حسن علی
نیلا
شاہولی
میرو
ناجو
بہادو
ہاشم
روسمت
مدا
دلو
محمدافسر
شیربہادر
جھنڈل
بگو
شیرخان
محمدغفور
خداداد
امیرزمان
محمدزمان
شیرخان
علی محمد
ڈھیروخان
مرزاخان
فضل الٰہی

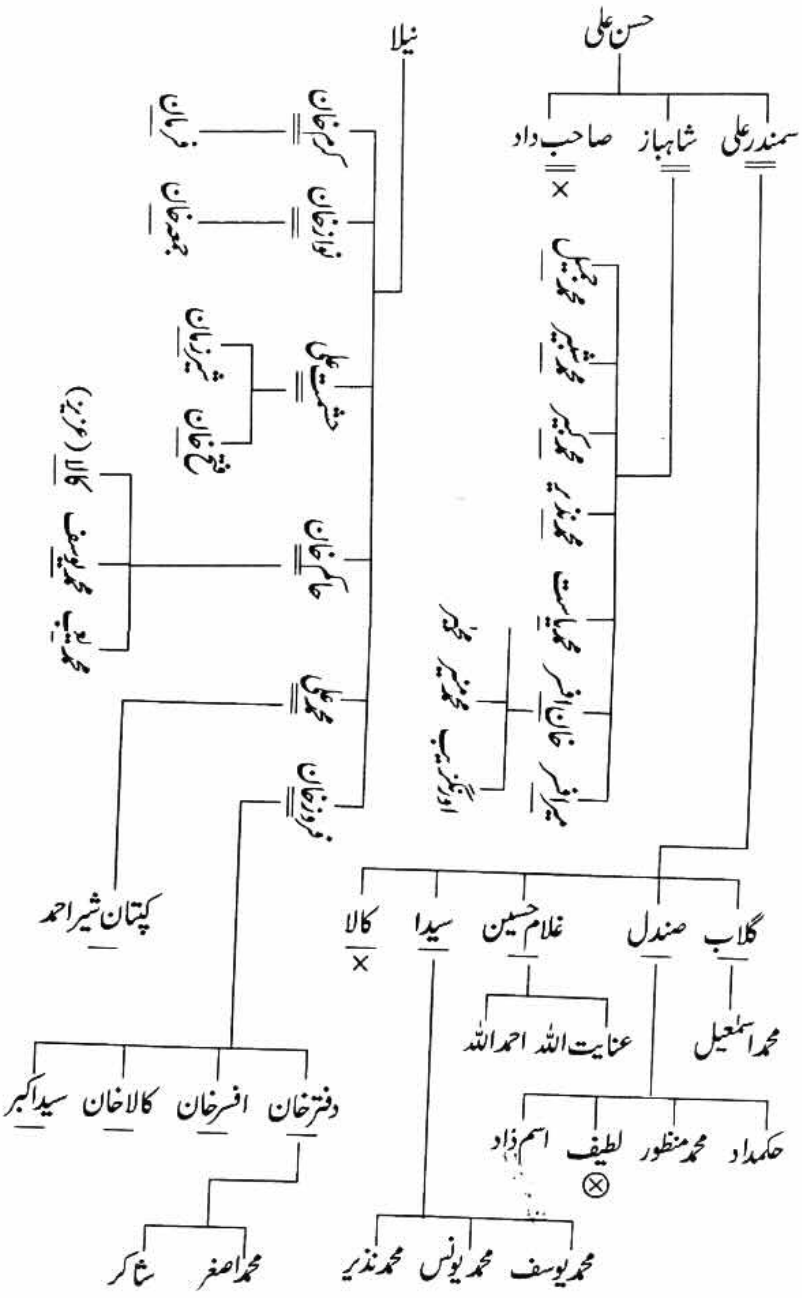
حسن علی
سمندر علی
شاہباز
صاحب داد
نیلا
کرم خان
فرمان
نواز خان
جمعہ خان
حشمت علی
شیر زمان
فتح خان
حاکم خان
محمد یوسف
کالا (عزیز)
محمد علی
فروز خان
کپتان شیر احمد
میر افسر
خان افسر
محمد یاست
محمد نذیر
محمد کبیر
محمد شبیر
محمد جمیل
اورنگزیب
محمد منیر
گلاب
صندل
غلام حسین
سیدا
کالا
محمد اسمٰعیل
عنایت اللہ
احمد اللہ
حکمداد
محمد منظور
لطیف
اسم زاد
دفتر خان
افسر خان
کالا خان
سید اکبر
محمد یوسف
محمد یونس
محمد نذیر
محمد اصغر
شاکر

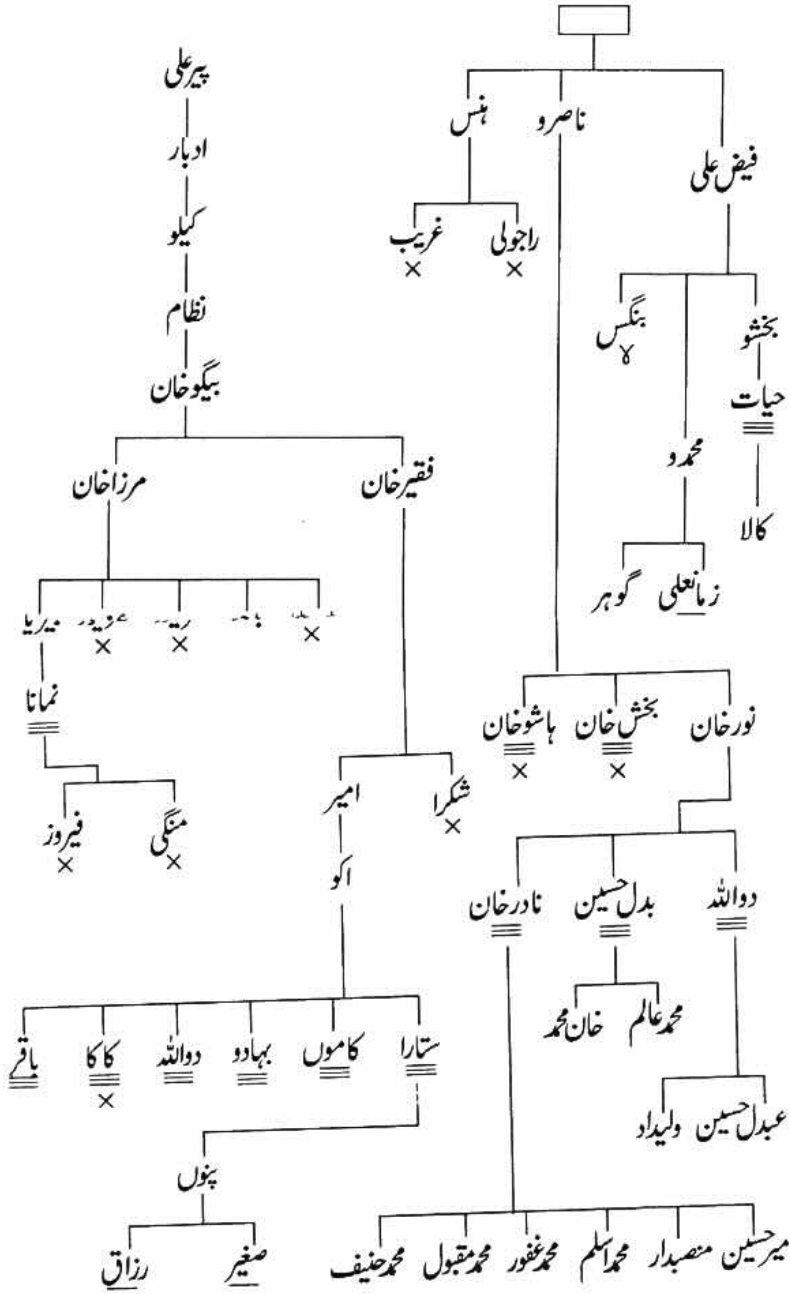
فیض علی
ناصرو
ہنس
راجولی
غریب
بخشو
بنگس
حیات
کالا
محمدو
زمانعلی
گوہر
نورخان
بخش خان
ہاشوخان
دواللہ
بدل حسین
نادرخان
محمد عالم
خان محمد
عبدل حسین
ولیداد
میرحسین
منصبدار
محمد اسلم
محمد غفور
محمد مقبول
محمد حنیف
پیر علی
ادبار
کیلو
نظام
بیگوخان
مرزاخان
فقیرخان
نمانا
منگی
فیروز
امیر
اکو
شکرا
ستارا
کاموں
بہادو
دواللہ
کاکا
باقر
پنوں
صغیر
رزاق

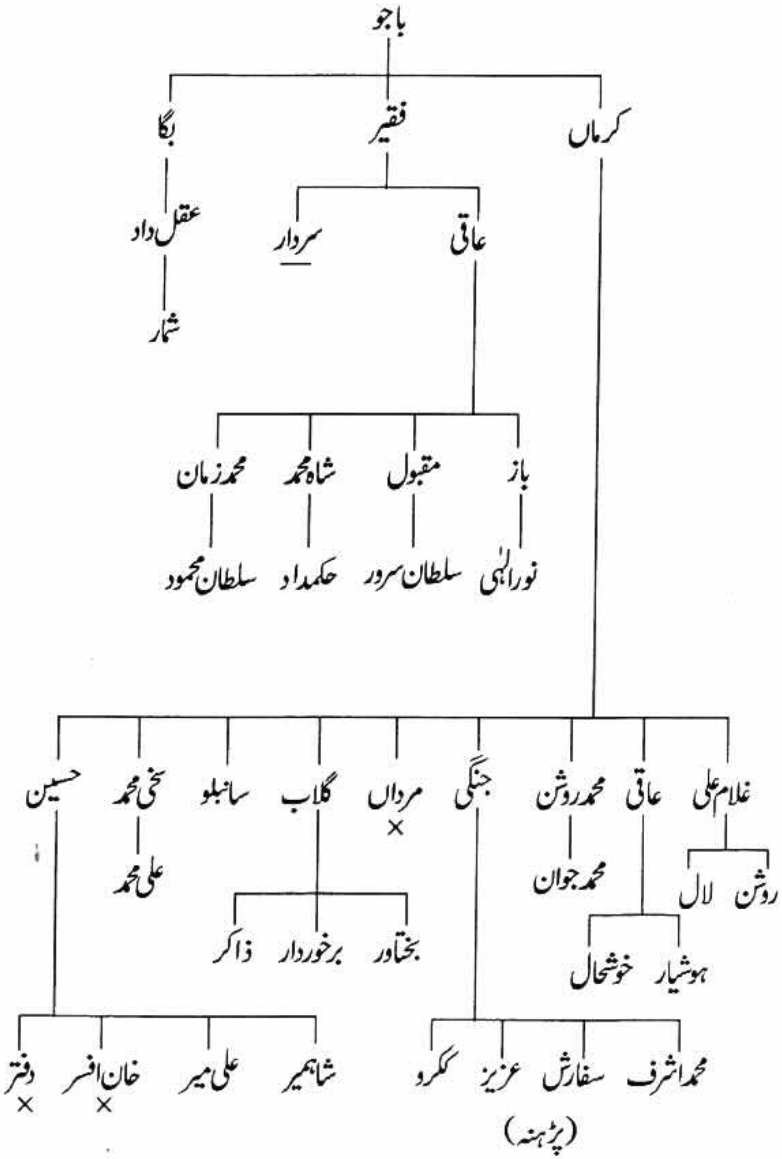
باجو
کرماں
فقیر
بگا
عاقی
سردار
عقل داد
شمار
باز
مقبول
شاہ محمد
محمد زمان
نورالٰہی
سلطان سرور
حکمداد
سلطان محمود
غلام علی
عاقی
محمد روشن
جنگی
مرداں
گلاب
سانبلو
سخی محمد
حسین
روشن لال
محمد جوان
ہوشیار خوشحال
بختاور
برخوردار
ذاکر
علی محمد
محمد اشرف
سفارش
عزیز
کمکرو
(پڑہنہ)
شاہمیر
علی میر
خان افسر
دفتر

شاخ.....ساہوال
سکونت..... پڑہنہ
سانج، بلاوڑہ

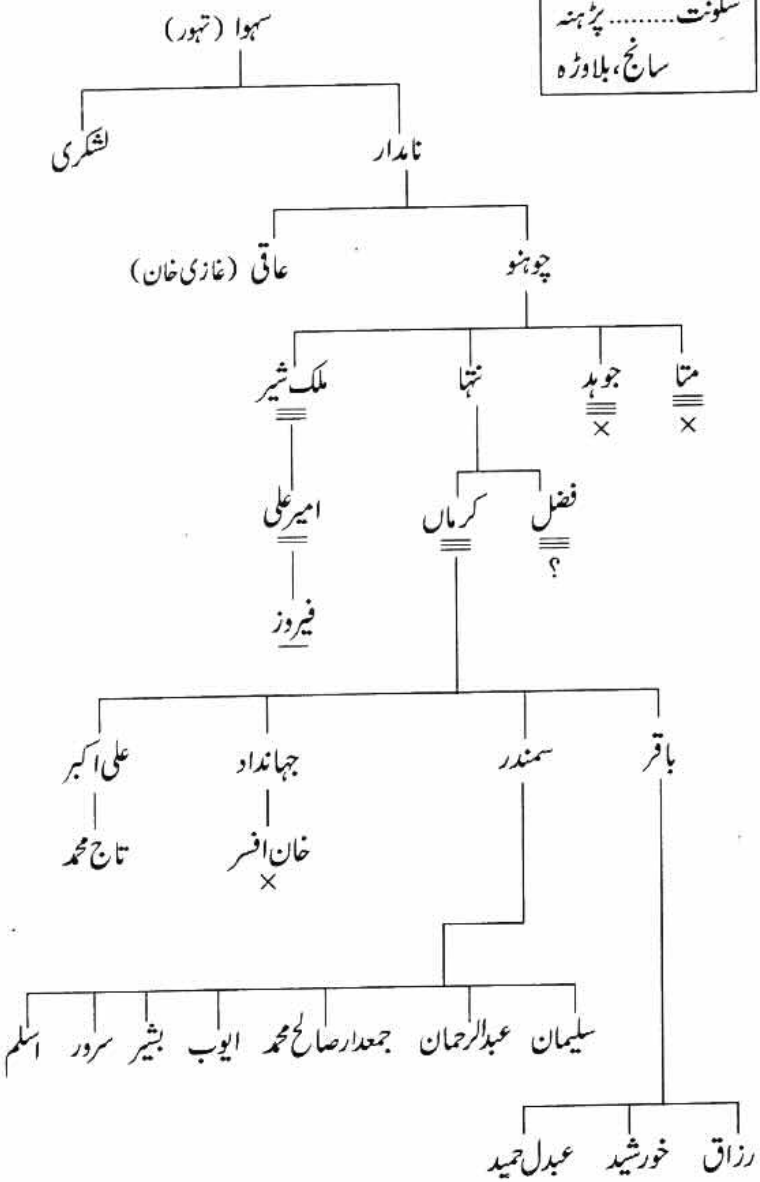

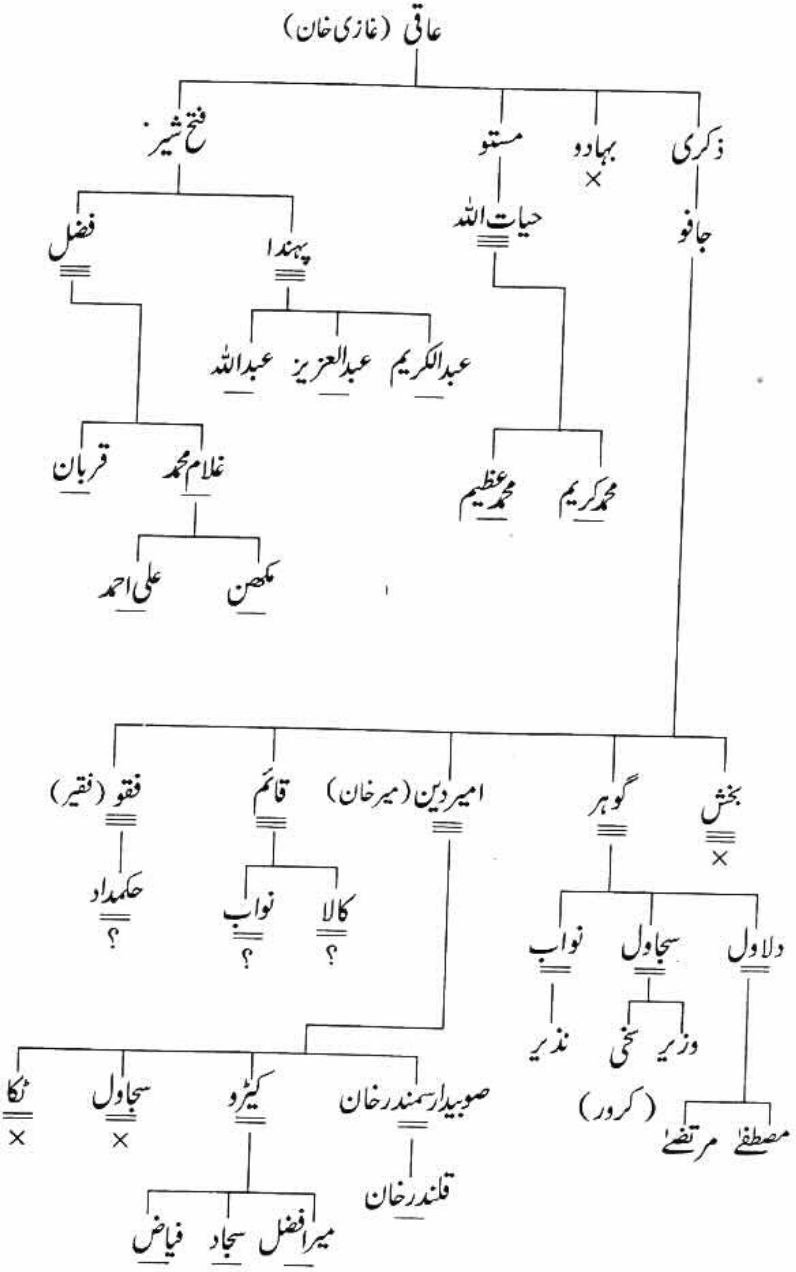
عاقی (غازی خان)
ذکری
بہادو
×
مستو
فتح شیر
جافو
حیات اللہ
فضل
پہندا
عبدالکریم
عبدالعزیز
عبداللہ
غلام محمد
قربان
محمد کریم
محمد عظیم
مکھن
علی احمد
بخش
×
گوہر
امیر دین (میر خان)
قائم
فقو (فقیر)
دلاول
سجاول
نواب
وزیر
سخی
نذیر
(کرور)
مصطفیٰ
مرتضیٰ
کالا
؟
نواب
؟
حکمداد
؟
صوبیدار سمندر خان
کیڑو
سجاول
×
ٹکا
×
قلندر خان
میر افضل
سجاد
فیاض

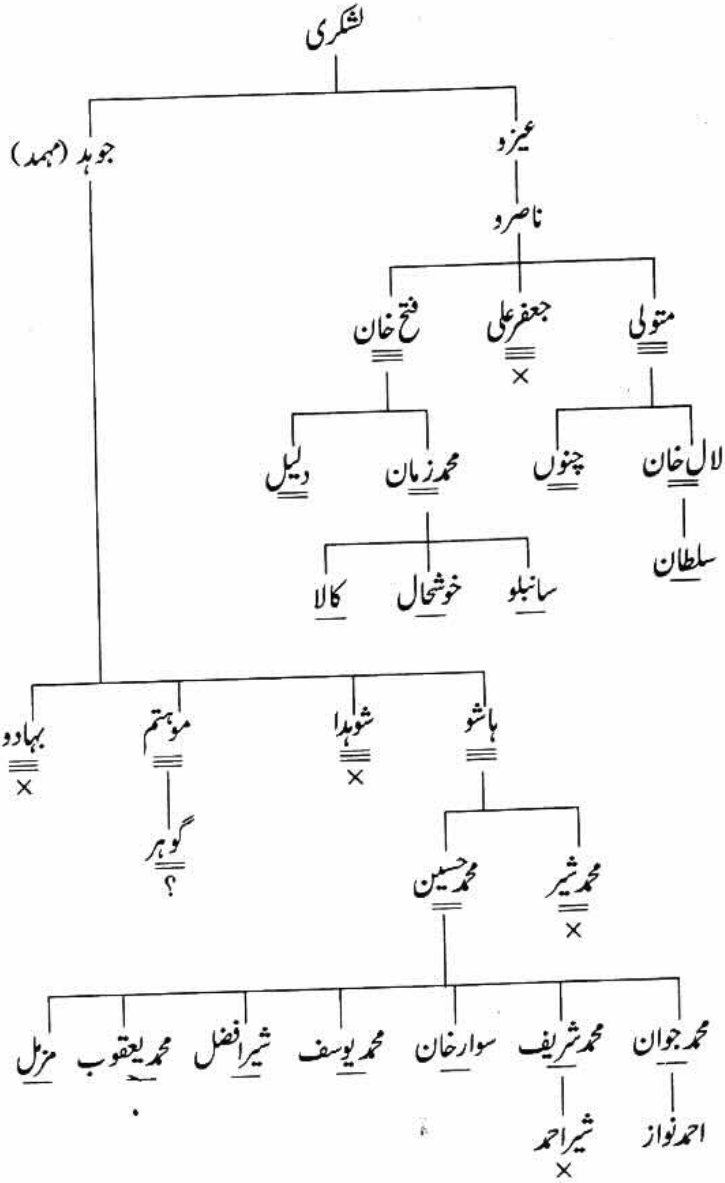
لشکری
عیزو
جوہد (مہمد)
ناصرو
متولی
جعفرعلی
×
فتح خان
لال خان
چنوں
محمدزمان
دلیل
سلطان
سانبلو
خوشحال
کالا
ہاشو
شوہدا
×
موہتم
بہادو
×
گوہر
؟
محمد شیر
×
محمدحسین
محمد جوان
محمد شریف
سوارخان
محمد یوسف
شیرافضل
محمد یعقوب
مزمل
احمدنواز
شیراحمد
×

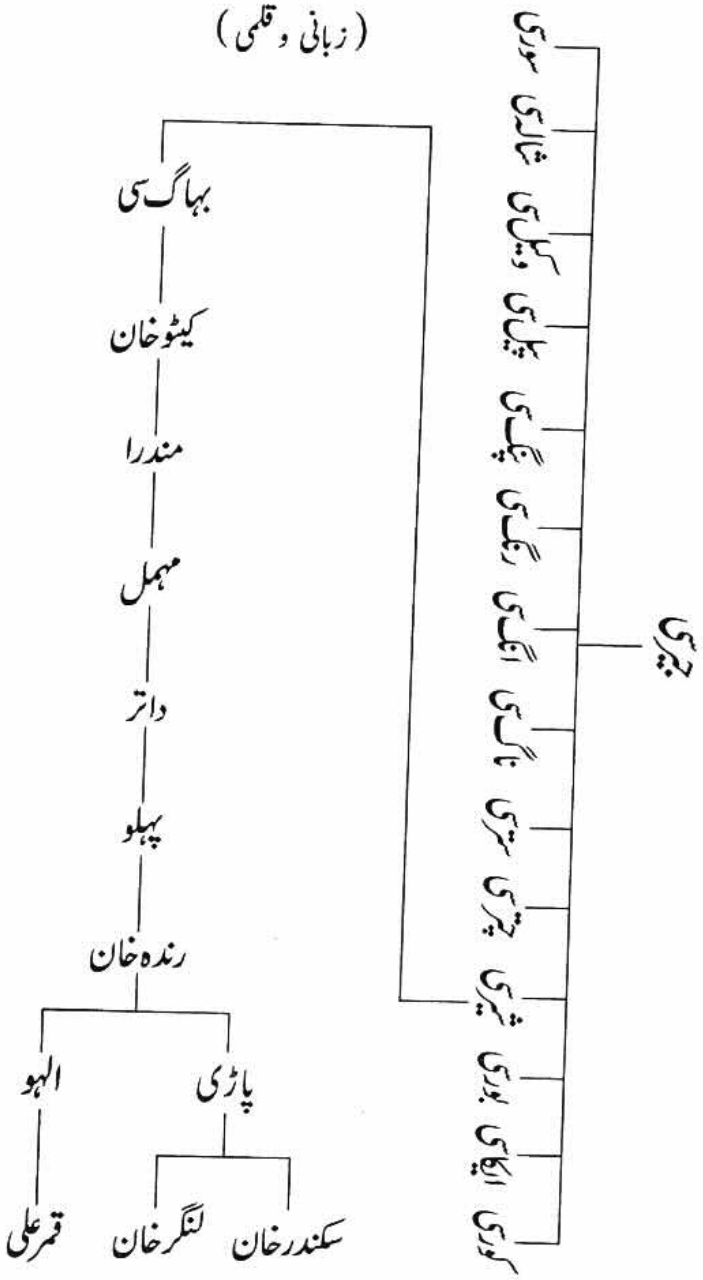
(زبانی و قلمی)
جیری
سوری
شالہ سی
وکیل سی
پیل سی
پنگ سی
رنگ سی
انگ سی
ناگ سی
ستری
چتری
شیری
بوری
ایکا سی
کوری
بہاگ سی
کیٹو خان
مندرا
مہمل
داتر
پہلو
رندہ خان
پاڑی
الہو
سکندر خان
لنگر خان
قمر علی

طرف ..... کیٹھوال
پتی ..... سکندر خان
سکونت .. دھیرکوٹ کیٹھوالاں
نمبرداری ..... ایک

بمطابق بندوبست ہائے اراضی 06-1905ء و 56-1955ء

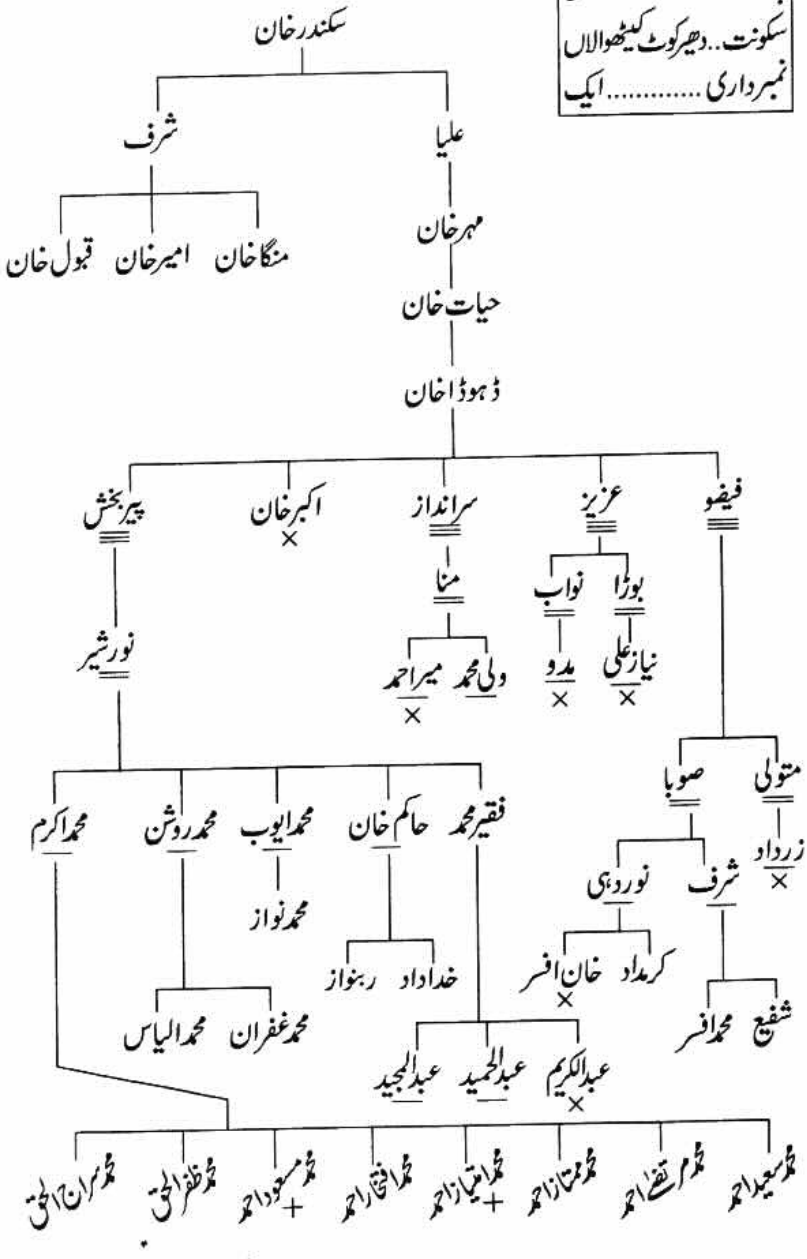

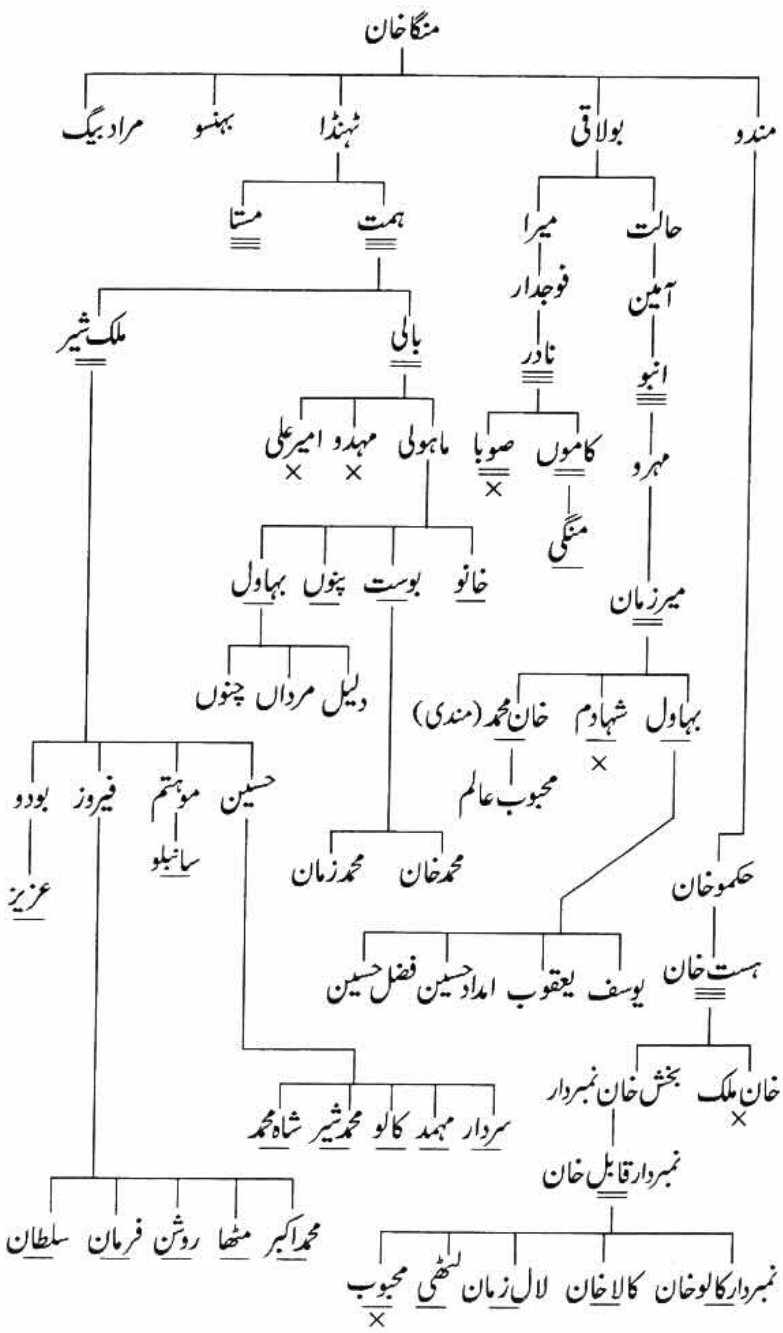
منگا خان
مراد بیگ
بہنسو
ٹھنڈا
بولاقی
مندو
مستا
ہمت
میرا
حالت
فوجدار
آمین
ملک شیر
بالی
نادر
انبو
امیر علی
مہدو
ماہولی
کاموں
صوبا
مہرو
منگی
خانو
بوست
پنوں
بہاول
میرزمان
دلیل
مرداں
چنوں
بہاول
شہادم
خان محمد (مندی)
محبوب عالم
حسین
فیروز
بودو
موہتم
عزیز
سانبلو
محمد خان
محمد زمان
حکمو خان
یوسف
یعقوب
امداد حسین
فضل حسین
ہست خان
خان ملک
بخش خان نمبردار
سردار
مہمد
کالو
محمد شیر
شاہ محمد
نمبردار قابل خان
محمد اکبر
مٹھا
روشن
فرمان
سلطان
نمبردار
کالو خان
کالا خان
لال زمان
لٹھی
محبوب

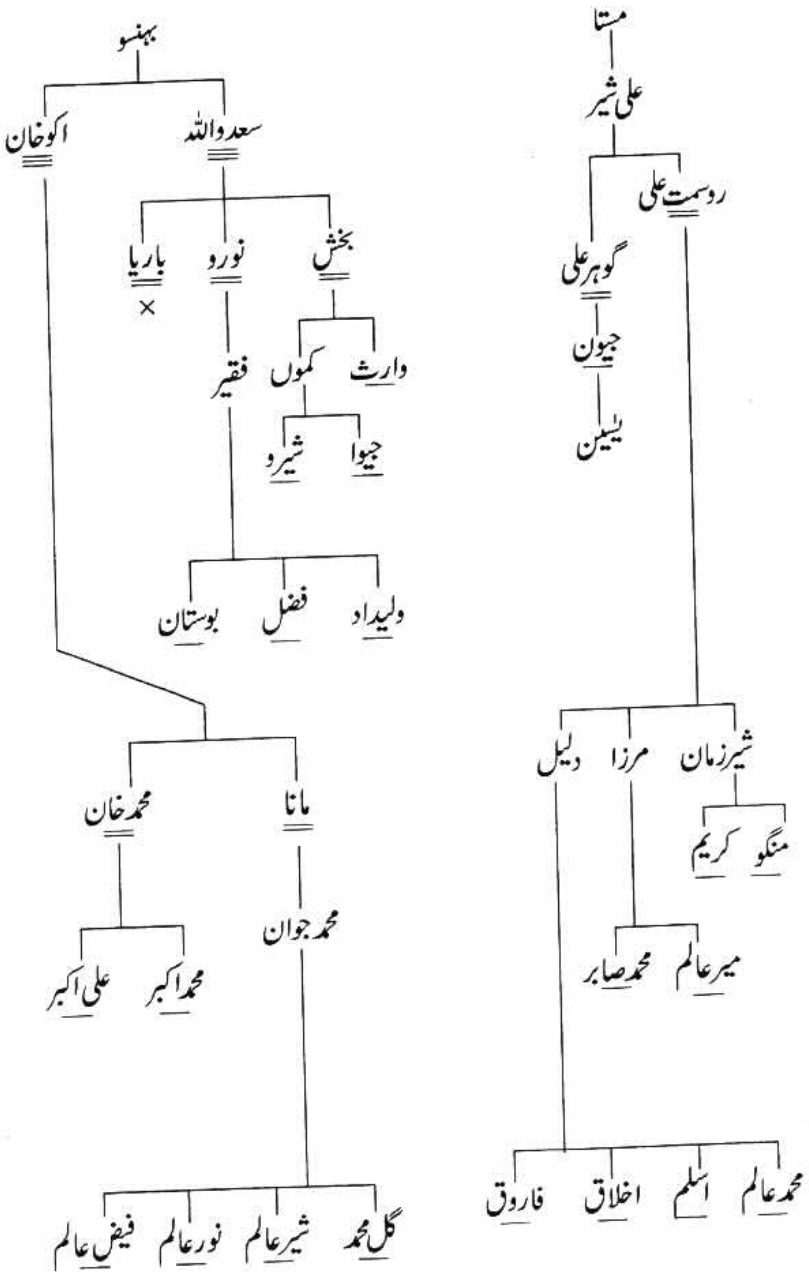
بہنسو
اکوخان
سعداللہ
بخش
نورو
باریا
×
وارث
کموں
فقیر
جیوا
شیرو
ولیداد
فضل
بوستان
مانا
محمدخان
محمد جوان
محمداکبر
علی اکبر
گل محمد
شیرعالم
نورعالم
فیض عالم
مستا
علی شیر
روسمت علی
گوہرعلی
جیون
یٰسین
شیرزمان
مرزا
دلیل
منگو
کریم
میرعالم
محمد صابر
محمد عالم
اسلم
اخلاق
فاروق

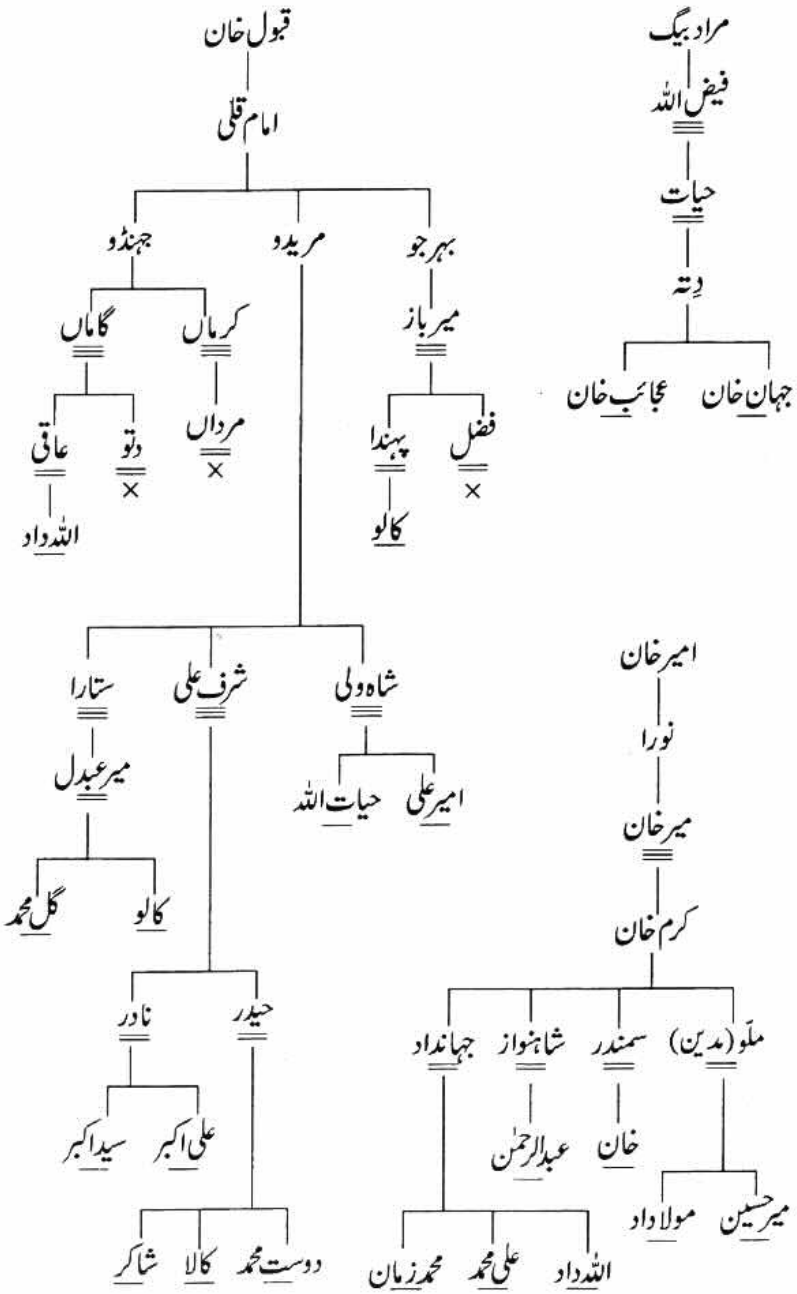
مراد بیگ
فیض اللہ
حیات
دِتہ
جہان خان
عجائب خان
قبول خان
امام قلی
بہرجو
مریدو
جہنڈو
میرباز
کرماں
گاماں
فضل
پہندا
مرداں
دتو
عاقی
کالو
اللہ داد
امیر خان
نورا
میر خان
کرم خان
ملّو (مدین)
سمندر
شاہنواز
جہانداد
خان
عبدالرحمٰن
میر حسین
مولا داد
اللہ داد
علی محمد
محمد زمان
شاہ ولی
شرف علی
ستارا
امیر علی
حیات اللہ
میر عبدل
کالو
گل محمد
حیدر
نادر
علی اکبر
سید اکبر
دوست محمد
کالا
شاکر

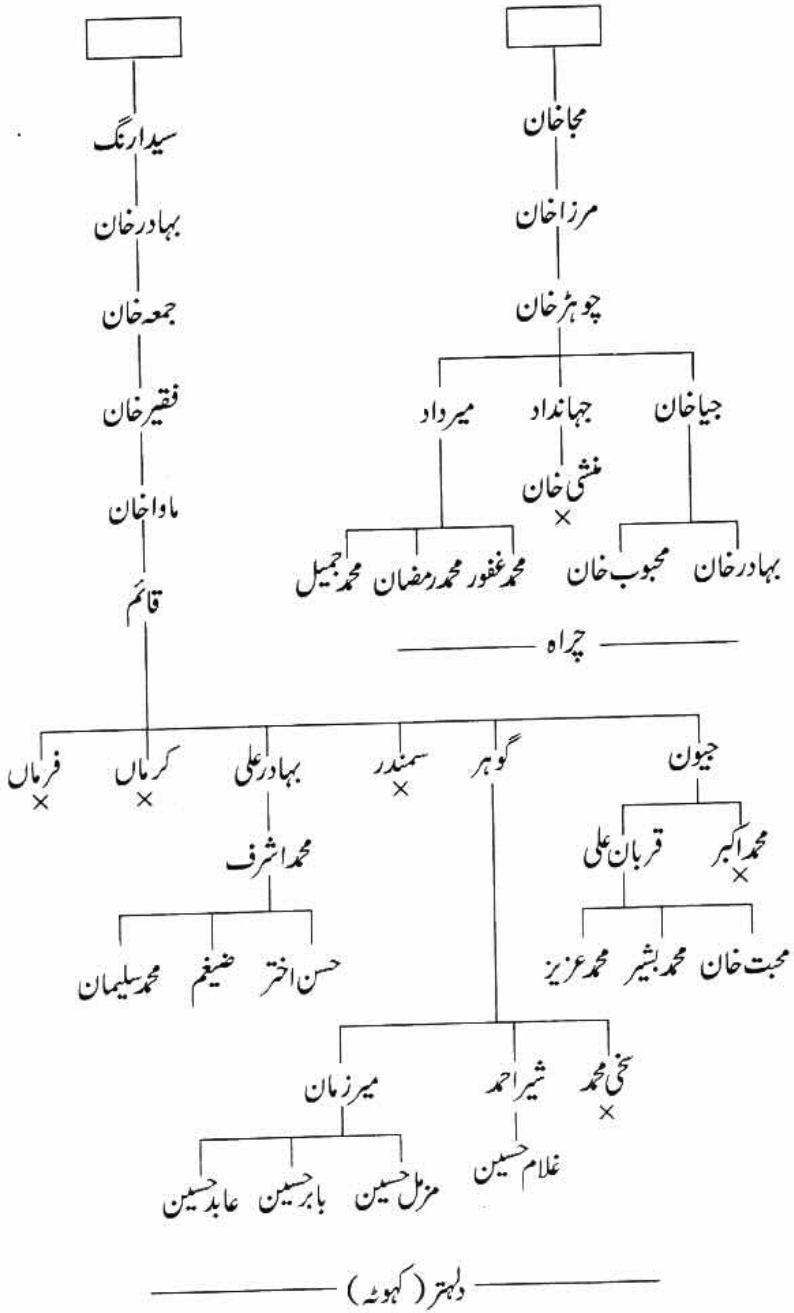
مجاخان
مرزاخان
چوہڑخان
جیاخان
جہانداد
میرداد
منشی خان
×
بہادرخان
محبوب خان
محمد غفور
محمد رمضان
محمد جمیل
چراہ
سیدارنگ
بہادرخان
جمعہ خان
فقیرخان
ماواخان
قائم
جیون
گوہر
سمندر
بہادرعلی
کرماں
فرماں
×
×
×
محمد اکبر
قربان علی
×
محمد اشرف
محبت خان
محمد بشیر
محمد عزیز
حسن اختر
ضیغم
محمد سلیمان
سخی محمد
×
شیر احمد
میرزمان
غلام حسین
مزمل حسین
بابر حسین
عابد حسین
دلہتر (کہوٹہ)

طرف.....کیٹھوال
پتی .....لنگرخان
سکونت...دھیرکوٹ
نمبرداری.....×

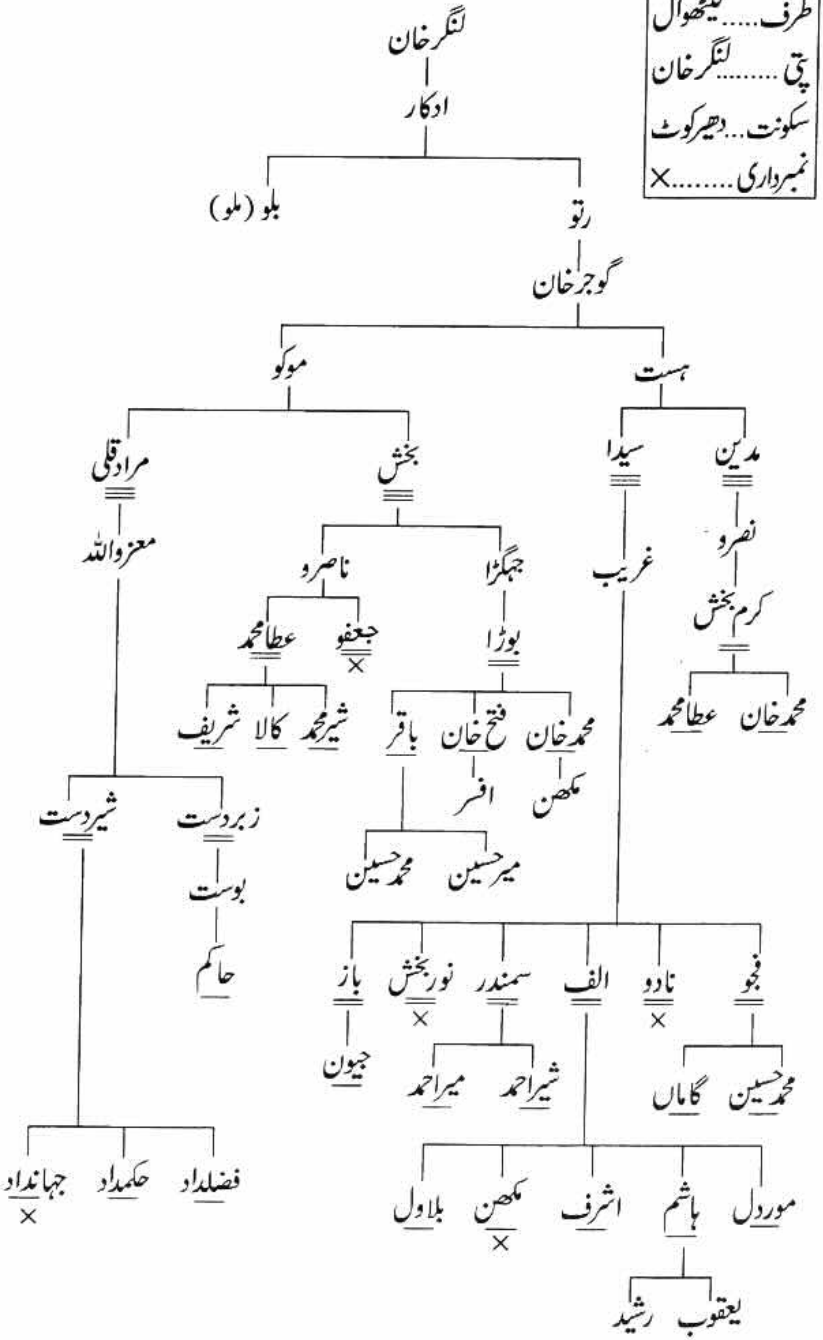

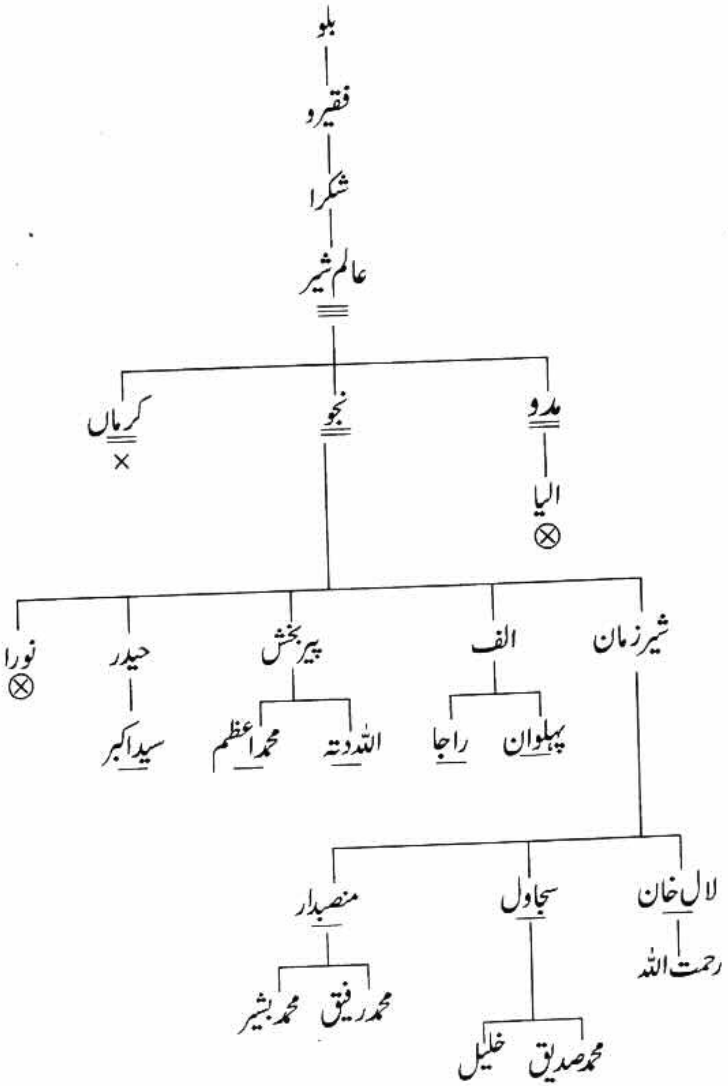
بلو
فقیرو
شکرا
عالم شیر
مدو
نجو
کرماں
×
الیا
⊗
شیر زمان
الف
پیر بخش
حیدر
نورا
⊗
پہلوان
راجا
اللہ دتہ
محمد اعظم
سید اکبر
لال خان
سجاول
منصبدار
رحمت اللہ
محمد صدیق
خلیل
محمد رفیق
محمد بشیر

طرف.....کیٹھوال
پتی.....قمرعلی
سکونت...دھیرکوٹ
نمبرداری.....×

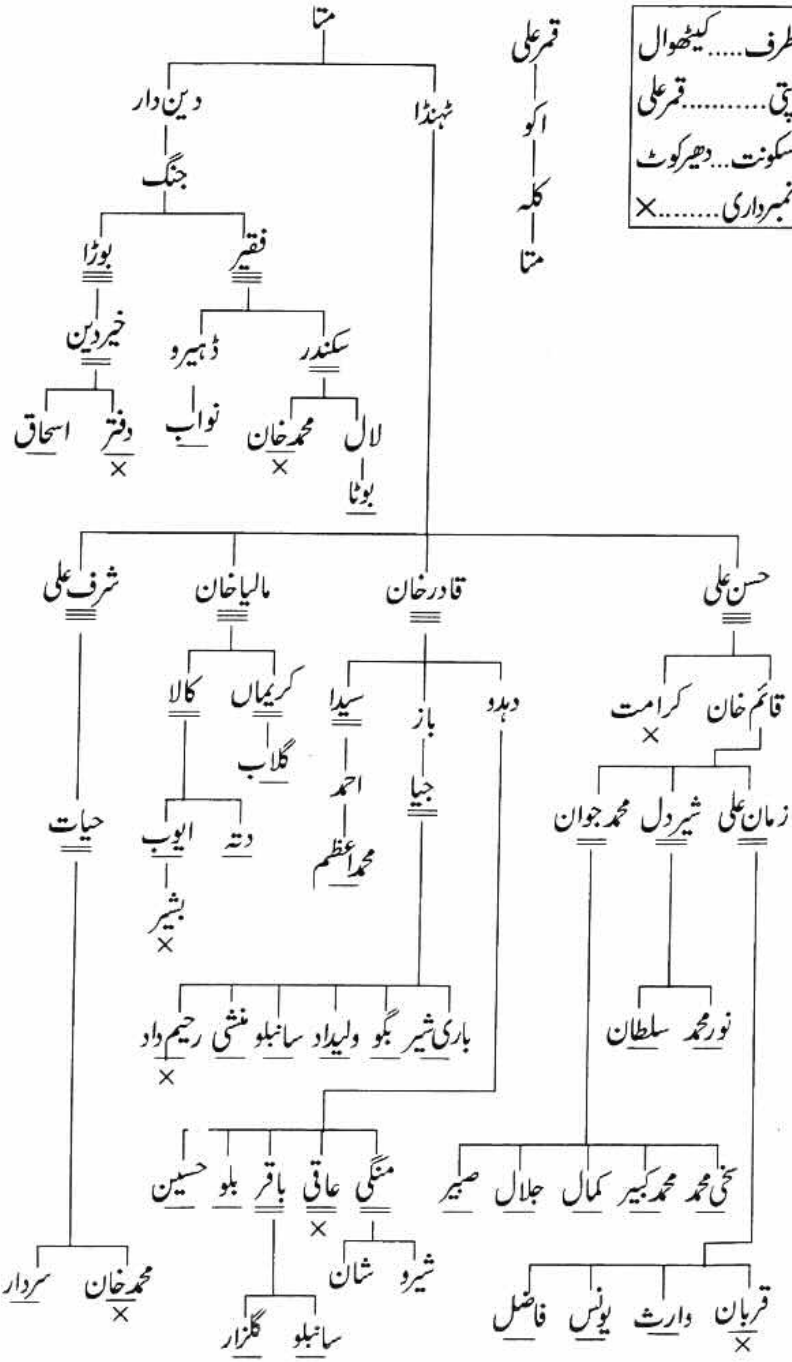

شجرہ نسب شاخ سورسی قوم کیٹھوال

بمطابق شجرہ نسب زبانی وقلمی از حاجی گلاب خان کرسی دار موضع موڑی بتاریخ 30-10-1951

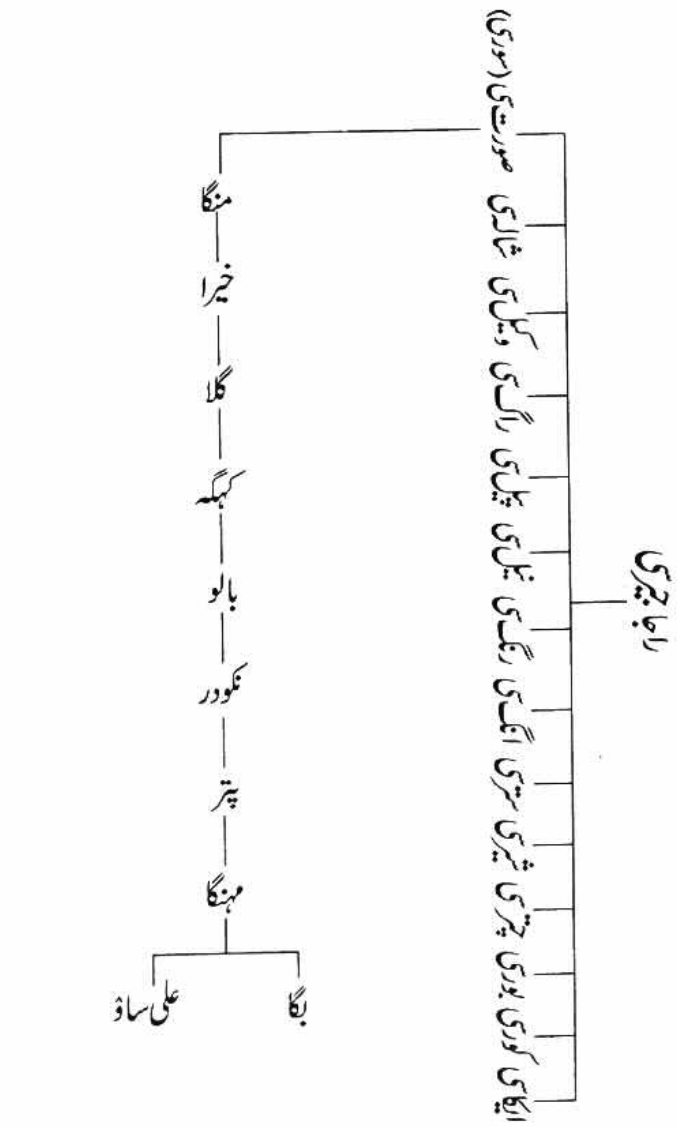

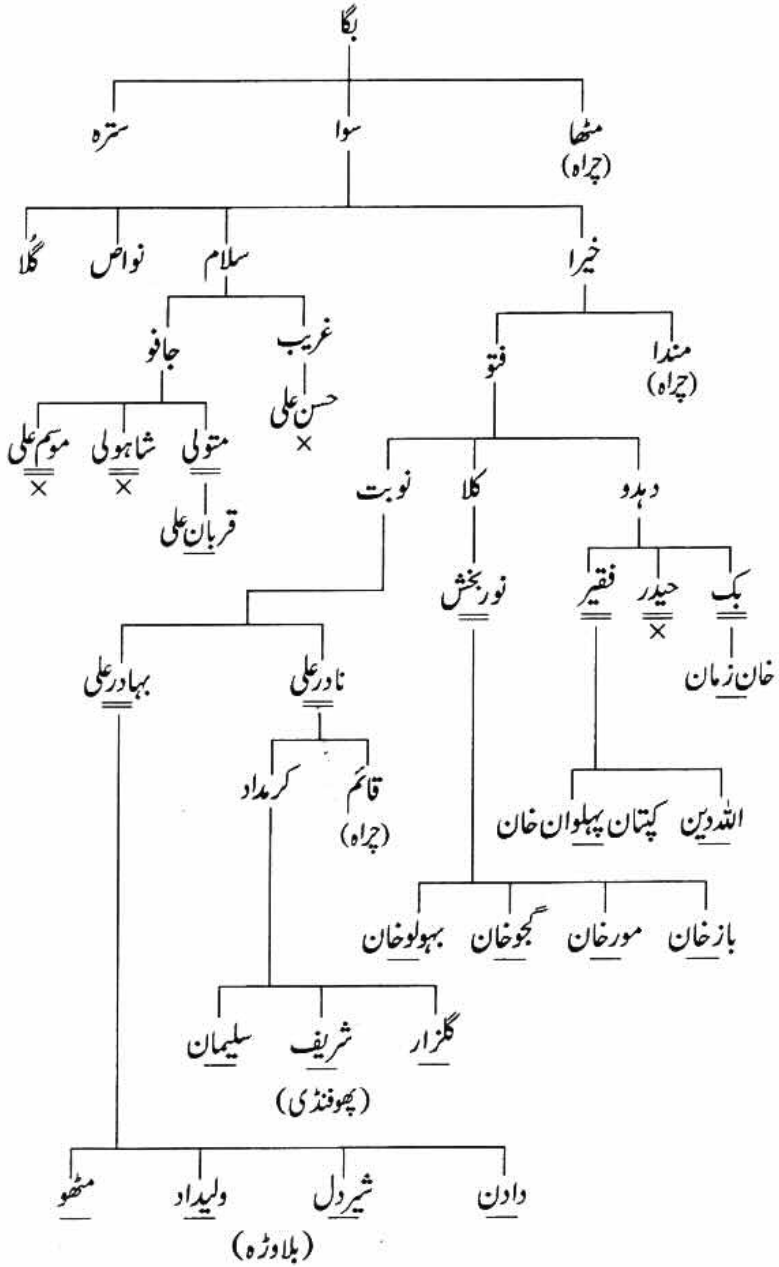
بگا
مٹھا
(چراہ)
سوا
سترہ
خیرا
سلام
نواص
گلا
مندا
(چراہ)
فتو
غریب
جافو
حسن علی
×
متولی
شاہولی
موسم علی
×
×
قربان علی
دہدو
کلا
نوبت
بک
حیدر
×
فقیر
نور بخش
خان زمان
نادر علی
بہادر علی
قائم
(چراہ)
کرمداد
اللہ دین
کپتان پہلوان خان
بازخان
مورخان
گجوخان
بہولوخان
گلزار
شریف
(پھوفنڈی)
سلیمان
دادن
شیر دل
ولیداد
(بلاوڑہ)
مٹھو

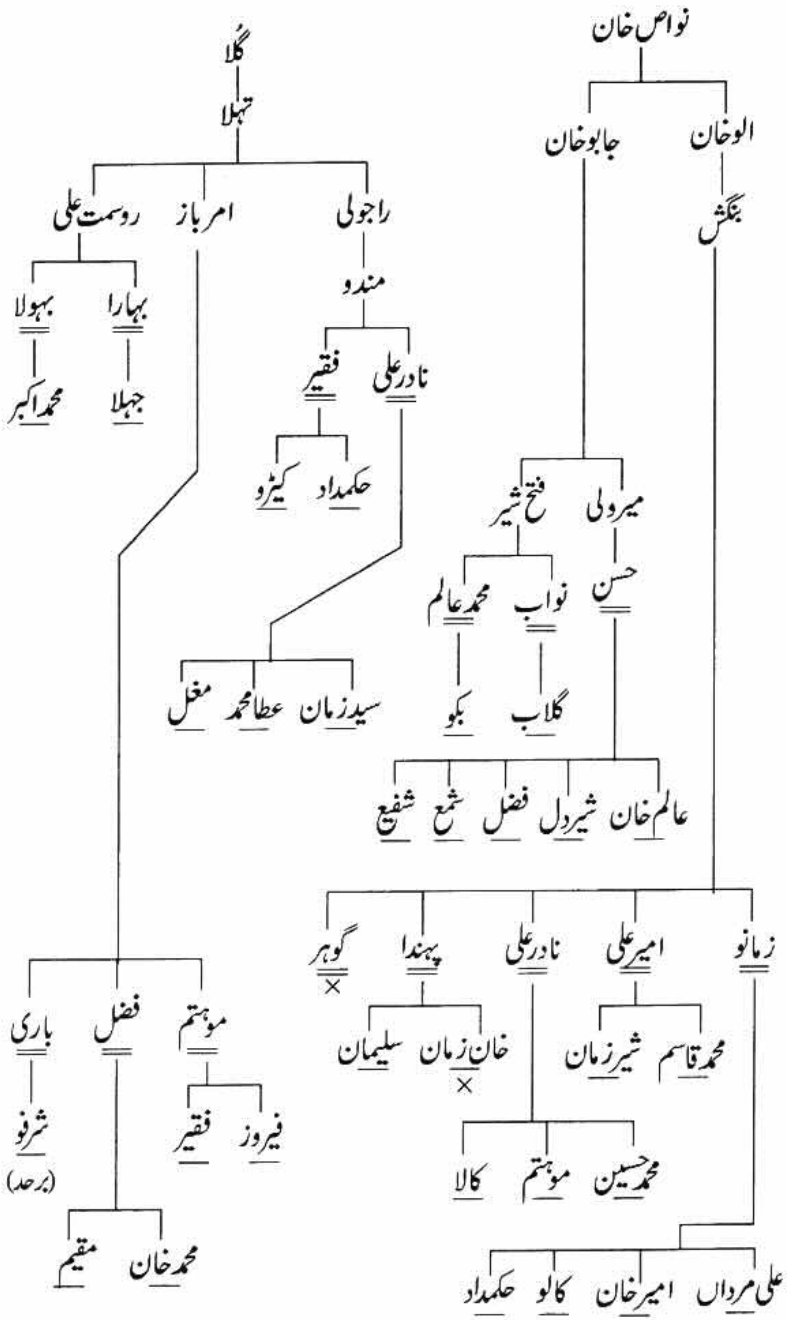
نواص خان
الو خان
جابو خان
بنگش
میرولی
فتح شیر
حسن
نواب
محمد عالم
گلاب
بکو
عالم خان
شیر دل
فضل
شمع
شفیع
زمانو
امیر علی
نادر علی
پہندا
گوہر
×
محمد قاسم
شیر زمان
خان زمان
×
سلیمان
محمد حسین
موہتم
کالا
علی مرداں
امیر خان
کالو
حکمداد
گلا
تہلا
راجولی
امر باز
روسمت علی
مندو
نادر علی
فقیر
حکمداد
کیڑو
سید زمان
عطا محمد
مغل
بہارا
بہولا
جہلا
محمد اکبر
موہتم
فضل
باری
فیروز
فقیر
شرفو
(برحد)
محمد خان
مقیم

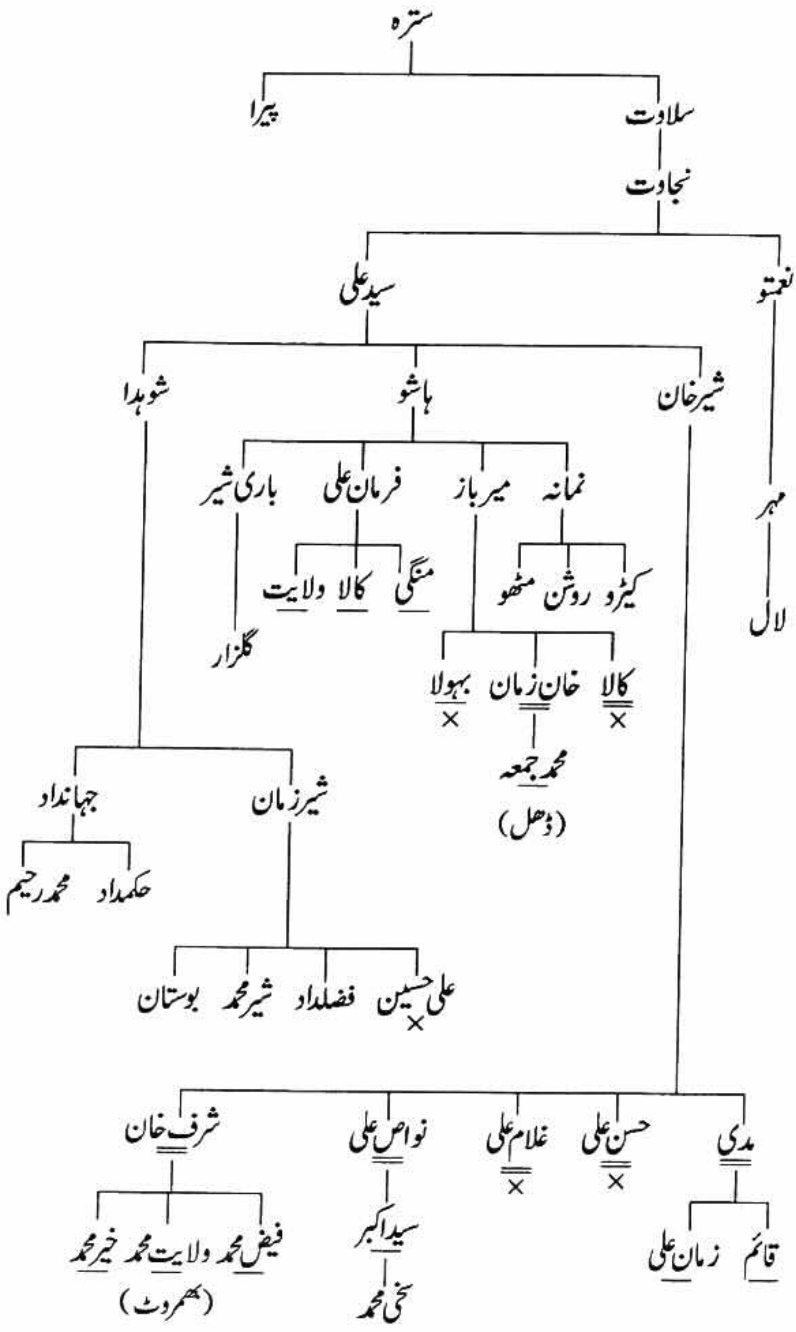
ستره
سلاوت
پیرا
نجاوت
نعتو
سید علی
شیر خان
شوہدا
ہاشو
مہر
لال
نمانہ
میر باز
فرمان علی
باری شیر
کیڑو
روشن
مٹھو
منگی
کالا
ولایت
گلزار
کالا
خان زمان
بہولا
محمد جمعہ
(ڈھل)
جہانداد
شیر زمان
حکمداد
محمد رحیم
علی حسین
فضلداد
شیر محمد
بوستان
شرف خان
نواص علی
غلام علی
حسن علی
مدی
فیض محمد
ولایت محمد
خیر محمد
(بھمروٹ)
سید اکبر
سخی محمد
قائم
زمان علی

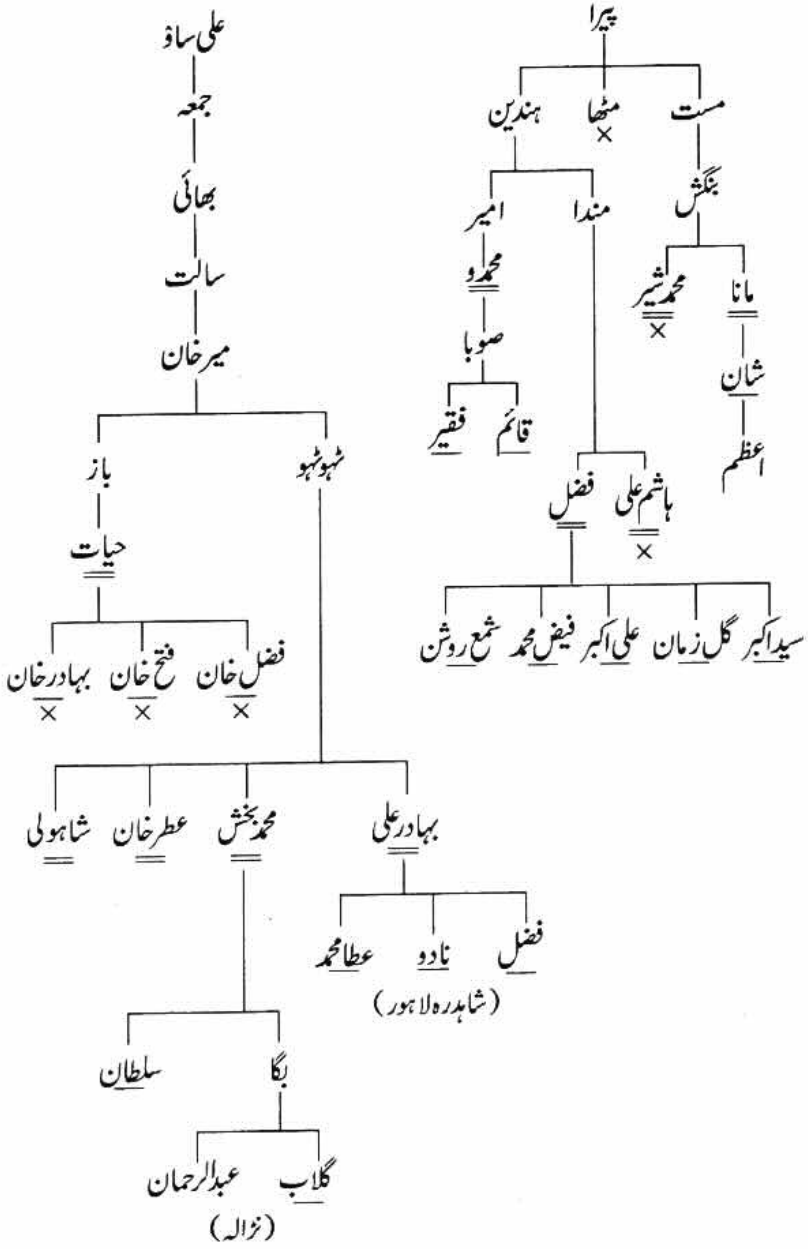
پیرا
مست
مٹھا
×
ہندین
بنگش
مندا
امیر
محمدو
صوبا
قائم
فقیر
مانا
محمد شیر
×
شان
اعظم
ہاشم علی
×
فضل
سید اکبر
گل زمان
علی اکبر
فیض محمد
شمع روشن
علی ساؤ
جمعہ
بھائی
سالت
میر خان
ٹھوٹھو
باز
حیات
فضل خان
×
فتح خان
×
بہادر خان
×
بہادر علی
فضل
نادو
عطا محمد
(شاہدرہ لاہور)
محمد بخش
عطر خان
شاہولی
بگا
سلطان
گلاب
عبدالرحمان
(نژالہ)

مطالعہ

1. The Punjab Chiefs ..... Griffson
2. The Punjab Castes ..... Sir Denzil Ibbetson
3. The Races of Afghanistan ..... H.W. Bellow
4. Between Oxus and Indus ..... Ibbetson
5. Cyrus, The Great ..... Herold Lamb
6. The Imperial Gazetteer of India
7. The Rawalpindi District Gazetteer
8. The Hazara District Gazetteer
9. The History of Persia ..... Sir Percy Sykes
10. تاریخِ ایران ..... مقبول بیگ چغتائی
11. تاریخِ عالم ..... مرتضےٰ احمد خان
12. تفہیم القرآن ..... مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
13. تاریخِ اقوام کشمیر ..... محمد الدین فوق
14. تاریخِ کشمیر ..... سید محمود آزاد
15. تمدن ہند ..... سید علی بلگرامی
16. سرزمین پوٹھوار ..... کرم حیدری
17. پوٹھوار ..... عزیز ملک
18. تاریخِ پوٹھوار ..... عارف منہاس
19. تاریخِ پنجاب ..... کنہیالال
20. تاریخِ پنجاب ..... اقبال صلاح الدین
21. تاریخِ پنجاب ..... سید محمد لطیف
22. آریائی زبانیں ..... سدھیشور ورما
23. تاریخِ اعوان ..... ملک شیر محمد اعوان
24. اعوان اور اعوان گوتیں ..... محبت حسین اعوان

رابطہ

1. حاجی عبدالرؤف چارہان
2. راجا محمد ارشاد ناظم یوسی چارہان
3. محمد عظیم گلہرہ گلی
4. نیاز احمد پردیسی سوراسی
5. ماسٹر محفوظ علی چارہان
6. محمود خان چارہان
7. سجاد اختر چارہان
8. محمد ریاض چارہان
9. محمد حبیب چارہان
10. نمبردار امجد رشید پڑہنہ
11. امجد اقبال پڑہنہ
12. محمد سلیم پڑہنہ
13. علی محمد پڑہنہ
14. حاجی محمد ذاکر پڑہنہ
15. ڈاکٹر محمد اسلم پڑہنہ
16. محمد نواز پڑہنہ
17. نمبردار محمد ایوب سیرگراں
18. عبدالمجید سیرگراں
19. محمد حنیف سیرگراں
20. مسعود خان سیرگران
21. نثار احمد سکاری
22. حاجی محمد رفیق سکاری
23. رضاءاللہ سکاری
24. منیر احمد چارہان
25. محمد روشن سانج
26. محمد ایوب سانج
27. محمد صابر بانڈی
28. محمد عزیز بانڈی
29. شیر محمد بانڈی
30. میر اکبر گہل
31. محمد فاضل گہل
32. محمد زاہد گہل
33. محمد جمیل گہل
34. محمد مبارک گہل
35. میر حسین گہل
36. خداداد گہل
37. محمد سعید احمد دھیرکوٹ
38. برکت علی ارمان دھیرکوٹ
39. محمد سلیم دھیرکوٹ
40. شیر عبدل دھیرکوٹ
41. ظہور احمد دھیرکوٹ

اختتامیہ

قارئین کرام ! زیرِ دست تالیف آپ نے پڑھ لی۔ مجھے پوری طرح احساس ہے کہ آپ کی پیاس نہیں بجھی۔ علم اور جستجو کی پیاس کو بجھنا بھی نہیں چاہیے۔ بقول کسے خوب سے خوب تر کی تلاش ہی مقصدِ حیات ہے۔

تاریخ کی اس کتاب کو ایک بنیادی مآخذ کے طور پر لیا جائے۔ جان بوجھ کر غیر ضروری لفاظی، فرضی قصوں اور خیالی منظر کشی سے گریز کیا گیا ہے تا کہ سنجیدگی سے مطالعہ کرنے والوں کو بے جا ذہنی کوفت نہ ہو۔ اِس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کو بنیادی معلومات فراہم کرنا ہی اصل مقصد ہے تا کہ جادہ پیمائی میں کچھ آسانی پیدا ہو سکے۔

میرا یہ قطعاً دعویٰ نہیں کہ میں نے قبیلہ کیٹھوال کی ایک مکمل اور مستند تاریخ مرتب کی ہے، البتہ مقدور بھر بھولی بسری روایات اور لوک داستانوں کو صفحۂ قرطاس پر لانے کی ایک کوشش ضرور کی ہے تا کہ نوجوان نسل میں اپنے اسلاف کو کھوجنے کی تڑپ پیدا ہو سکے۔

(وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ)

مؤلّف

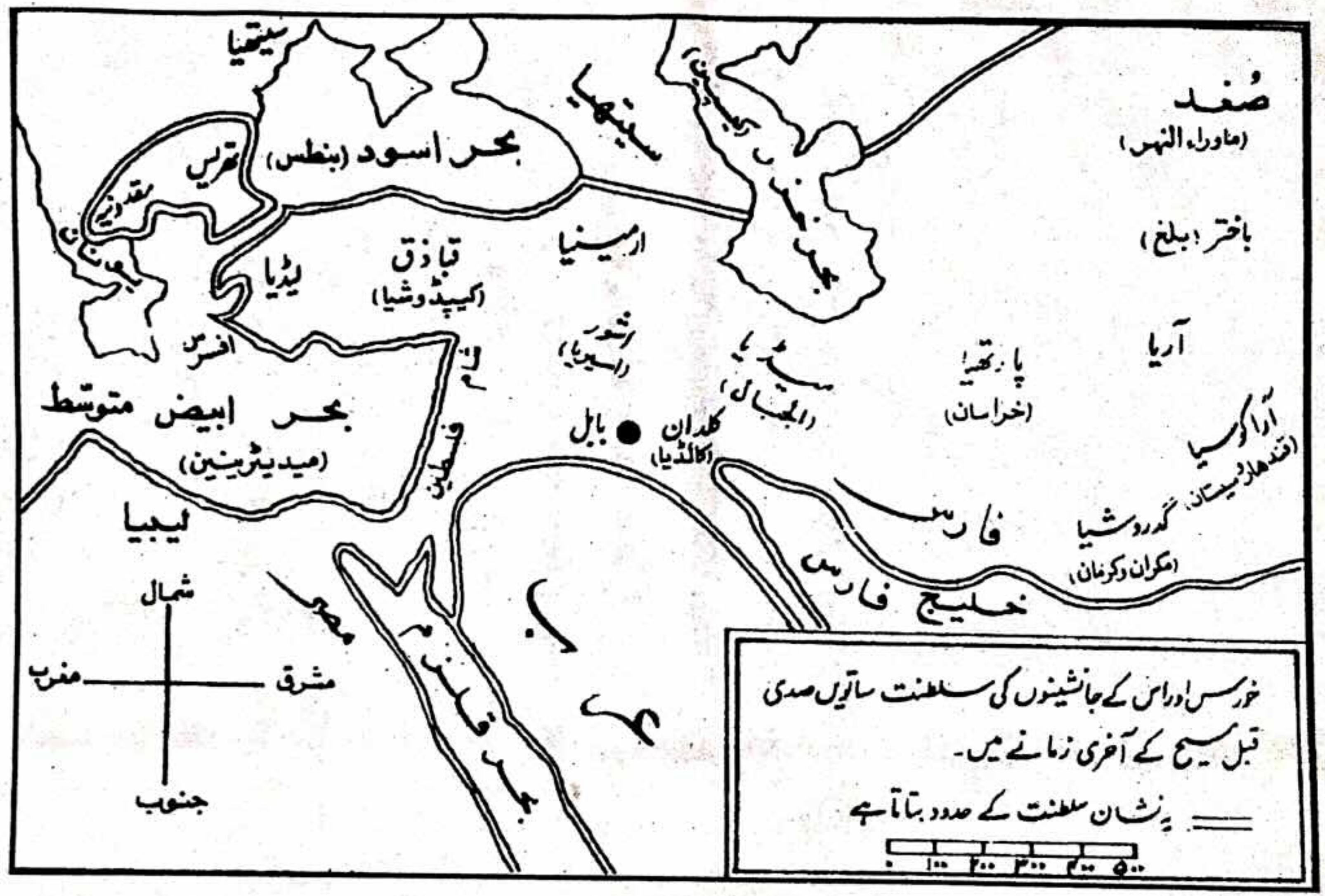
سیتھیا
بحر اسود (بنطس)
تھریس
مقدونیہ
لیڈیا
قاذق
(کیپڈوشیا)
ارمینیا
افسس
بحر ابیض متوسط
(میڈیٹرینین)
فلسطین
مصر
لیبیا
بابل
کلدان
(کالڈیا)
رشوم
(اسیریا)
(الجبال)
پارتھیا
(خراسان)
صُغد
(ماوراء النہر)
باختر (بلخ)
آریا
آراکوسیا
(قندھار، سیستان)
گدروشیا
(مکران و کرمان)
فارس
خلیج فارس
بحر قلزم
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
خورس اور اس کے جانشینوں کی سلطنت ساتویں صدی
قبل مسیح کے آخری زمانے میں۔
یہ نشان سلطنت کے حدود بتاتا ہے
۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ ۵۰۰ میل